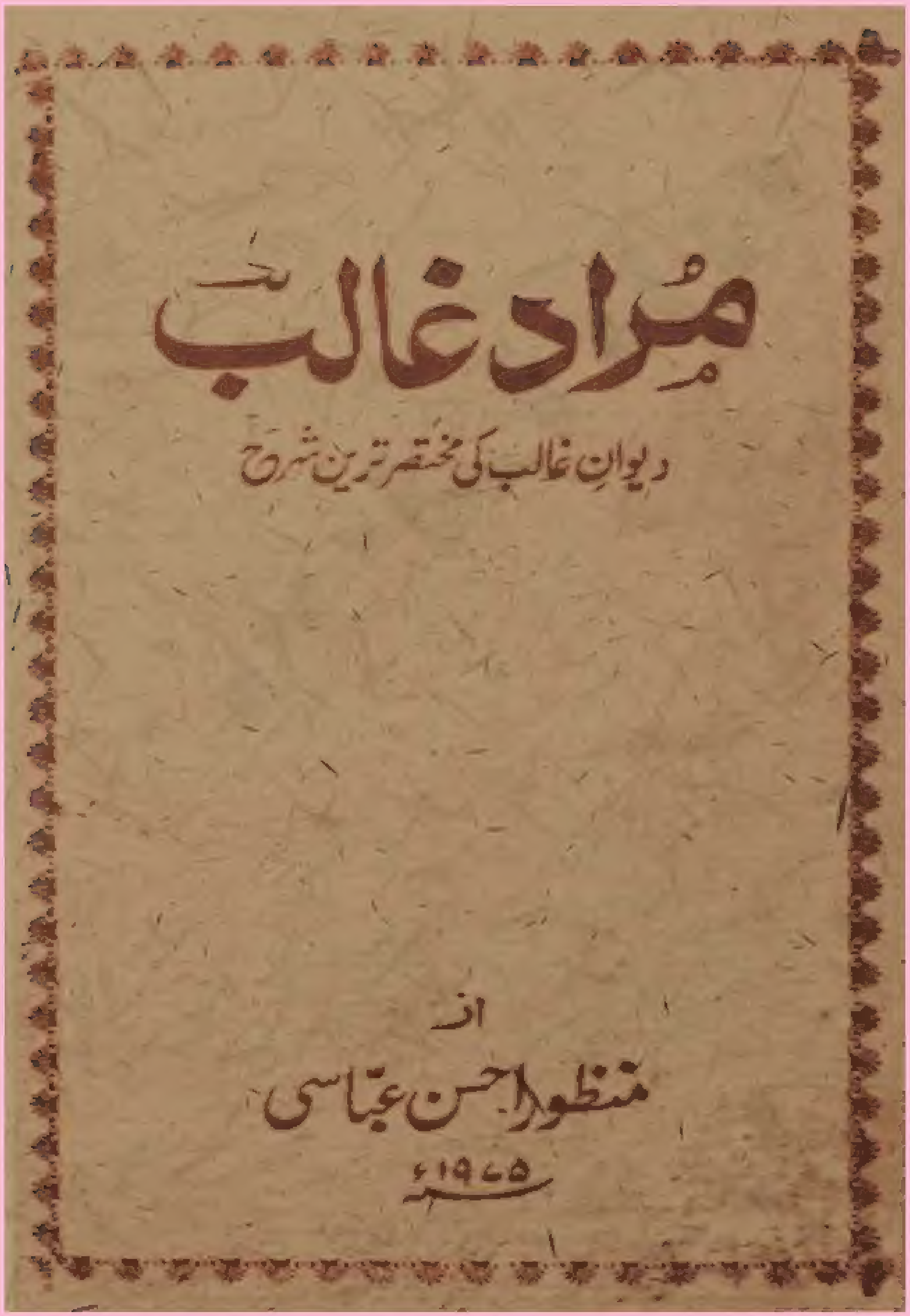

مُرادِ غالبؔ

دیوانِ غالب کی مختصر ترین شرح

از

منظور احسن عبّاسی

۱۹۷۵ء

مُراد غالب

دیوانِ غالب کی مختصر ترین شرح

از

منظور احسن عباسی

۱۹۷۵ء

"جملہ حقوق محفوظ"

اشاعت : اول

قیمت : بارہ روپے

مطبع : سید [illegible] پرنٹرز
۴۰ اردو بازار لاہور

مصنف

ملنے کا پتہ ۱۱۲ - ڈی ماڈل ٹاؤن لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرادِ غالب

یعنی

دیوانِ غالب کی مختصر ترین شرح

الف

(۱)

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

کس: کنایہ از ذاتِ شاعر   شوخیِ تحریر: یعنی خوبیِ تحریر   شوخیِ تحریر کا نقش: اضافتِ اقترانی

شعر کا مطلب یہ ہے کہ شاعر نے جذبات کی جو تصویر کشی کی ہے اس کا ہر نقش (شعر) کاغذی لباس میں ہے۔ یعنی اشعار کی خوبی دادطلب ہے۔ کمال اسمٰعیل اصفہانی المتوفی ۶۳۵ھ کے اس شعر کا ہم مضمون:

کاغذیں جامہ بپوشد و بدرگاہ آمد   زادۂ خاطرِ من تا بدہی دادِ مرا

کاغذ کا لباس پہن کر پیش ہونا دستور تھا داد خواہوں کا (تعلق و تعارف)

کاوِ کاوِ سخت جانیہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

"کاو کاو" بمعنی کوفت و کاوش یعنی شبِ تنہائی کی کوفت میں رات کاٹنا اور دن کرنا ایسا ہی دشوار ہے جیسا فرہاد (کوہکن) کو پہاڑ کاٹ کر جوئے شیر کا لانا دشوار تھا۔ اس میں تلمیح ہے شیریں اور فرہاد کے قصہ کی طرف۔ کہا جاتا ہے کہ شیریں نے اپنے عاشق فرہاد سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ پہاڑ کو کاٹ کر دودھ کی ندی شیریں کے محل تک لے آئے۔ (مصائبِ شبِ ہجراں)

جذبۂ بے اختیارِ شوق دیکھا چاہیے
سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

یعنی اہلِ عشق قتل ہونے کے اس قدر مشتاق ہیں کہ جذبۂ شوقِ قتل تلوار کی دھار کو تلوار سے باہر کھینچ لیتا ہے۔ "شمشیر" کو "ابرو" سے اور "دمِ شمشیر" کو "ادا" سے استعارہ کیجیے تو معنی اور واضح ہو جاتے ہیں کہ وہ ادا جو اس تلوار سے نکلتی ہے وہ قاتل ہے۔ (جذبۂ شوقِ فداکاری)

آگہی دامِ شنیدن جس قدر چاہے بچھائے
مدعا عنقا ہے اپنے عالمِ تقریر کا

آگہی بمعنی ادراک عنقا بمعنی غیر الحصول۔ یعنی اگر ادراک چاہے کہ بجبرِ استماع میری تقریر کا مدعا جان لے تو یہ ممکن نہیں کیونکہ اس کا مدعا پانا عنقا کی طرح سخت غیر الحصول ہے (دشواریٔ فہمِ مطالبِ غالب)

بسکہ ہوں غالب اسیری میں بھی آتش زیرِ پا
مُوئے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

آتش زیرِ پا : بمعنی بے قرار ۔ یعنی قید میں بھی شدّتِ اضطراب کا یہ عالم ہے کہ اس کے ہوتے پیر کی بیڑیاں جلے ہوئے بال کی طرح بودی ثابت ہوتی ہیں۔
(مبالغۂ اضطرابِ جنونِ عشق)

(۲)

جُز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار
صحرا مگر بہ تنگیِ چشمِ حسُود تھا

بروئے کار نہ آیا : بمعنی آمادۂ عمل نہ ہوا ۔ یعنی صحرائے عشق شاید چشمِ حاسد کی طرح تنگ تھا کہ قیس کے سوا کوئی اور مردِ میدان اس میں نہ سما سکا۔ اشارہ یہ ہے کہ جنونِ عشق ہر شخص کا بیرو نہیں ۔ بقول ہر ہوسناکے ۔ نداند جام و سندان باختن
(نایابیِ اہلِ وفا)

آشفتگی نے نقشِ سویدا کیا درُست
ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دُود تھا

نقش درست کرنا : بمعنی معرضِ وجود میں لانا ۔ دُود : استعارۂ آشفتہ حالی یعنی سویدائے دِل دراصل ایک داغ ہے جو دُودِ آہِ آشفتگی سے پیدا ہوا۔
(دردمندیٔ دلِ عاشق)

تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ
جب آنکھ کھُل گئی نہ زیاں تھا نہ سُود تھا

یعنی تیری یاد میں جو فائدہ یا نقصان متصور تھا وہ محض خواب کی سی بات ثابت ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ محبت میں کیا فائدہ اور کیا نقصان (بے نیازیٔ عشقِ صادق)

لیتا ہوں مکتبِ غمِ دل میں سبق ہنوز
لیکن یہی کہ رفت گیا اور بود تھا

یعنی میں مکتبِ عشق کا ہنوز مبتدی ہوں کہ ابتدائی سبق مثلاً رفت یعنی گیا اور بود یعنی تھا کے سوا نہیں جانتا۔ مطلب یہ ہے کہ اتنا جانتا ہوں کہ دل جو کبھی تھا اب جاتا رہا باقی ہیچ (زیاں کاریٔ عشق)

ڈھانپا کفن نے داغِ عیوبِ برہنگی
میں ورنہ ہر لباس میں ننگِ وجود تھا

یعنی میرا وجود بذاتِ خود باعثِ شرم تھا کہ جب تک زندہ رہا گویا ہر حال ننگا ہی رہا۔ میرے عیب عیاں تھے۔ اس برہنگی کو کفن نے ڈھانپ لیا کیونکہ جب وجود ہی نہ رہا تو ننگِ وجود کے کیا معنی۔ مطلب یہ کہ صرف موت تھی جس نے میرا پردہ ڈھک لیا (پردہ پوشیٔ مرگ)

تیشے بغیر مر نہ سکا کوہکن اسد
سرگشتۂ خمارِ رسوم و قیود تھا

یعنی کوہکن زخمِ تیشہ سے مرا تو کیا مرا۔ اس طرح تو سبھی مر سکتے ہیں۔ مردِ آزاد تو وہ ہے کہ مرنے میں بھی آلاتِ مرگ کا محتاج نہ ہو۔ بفحوائے موتوا قبل ان تموتوا (تحسینِ مرگِ بے مرگ)

(۳)

کہتے ہو نہ دیں گے ہم دل اگر پڑا پایا
دل کہاں کہ گم کیجے ہم نے مدعا پایا

مدعا : بمعنی مال مسروقہ   یعنی تمھارے اس طرح کہنے سے کہ اگر کوئی دل پڑا ملا تو نہ دیں گے۔ میرے دل کا پتہ چل گیا کہ ضرور تم نے چرایا ہے کیونکہ میرا دل گم ہے جس کی خبر مجھے ہے یا اس کو جس نے لیا ہے (اظہار عشق)

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزہ پایا
درد کی دوا پائی درد لا دوا پایا

درد لا دوا : بمعنی عشق   یعنی میری طبیعت سقیم تھی۔ میں لطف زیست سے خالی تھا۔ اس درد کا علاج درد لا دوا (عشق) تھا سو مل گیا اور زندگی کا مزہ آگیا۔ (ذوق عاشقی)

دوست دار دشمن ہے اعتماد دل معلوم
آہ بے اثر دیکھی۔ نالہ نارسا پایا

دشمن : کنایہ از معشوق   یعنی دل معشوق کو دوست رکھتا ہے وہ کب چاہے گا کہ دوست کے خلاف مرضی ہو۔ جبھی تو اس کے نالہ و فریاد میں اثر نہیں۔ (توجیہ بے اثری نالہ)

سادگی و پرکاری، بیخودی و ہشیاری
حسن کو تغافل میں جرأت آزما پایا

یعنی معشوق کے تغافل سے یہ نہ سمجھ کہ وہ بے خبر اور سادہ لوح سا ہے۔ تغافل تو غضب کی کاوش اور ہوشیاری ہے کہ اس طرح عاشق کی جرأت شوق کو آزماتا

چاہتا ہے (حیا رخی معشوق)

غنچہ پھر لگا کھلنے، آج ہم نے اپنا دل
خوں کیا ہوا دیکھا، گم کیا ہوا پایا

یعنی کھلتی کلی کو کیا دیکھا گویا خون شدہ اور گم گشتہ دل مل گیا۔ مطلب یہ کہ بہار کے آغاز نے غم ہائے عشق کو پھر تازہ کر دیا (فتنہ انگیزیِ بہار)

حالِ دل نہیں معلوم لیکن اس قدر یعنی
ہم نے بارہا ڈھونڈا تم نے بارہا پایا

یعنی دل کے باب میں صرف اس قدر معلوم ہے کہ میں نے بارہا یہ محسوس کیا کہ تمہارا دلدادہ ہوں اور تم نے بارہا محسوس کیا کہ میرا دل لے چکے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ وارداتِ محبت محبوب اور محبت کرنے والے کے سوا اور کوئی نہیں جانتا (دل را بہ دل رہیست)

شورِ پندِ ناصح نے زخم پر نمک چھڑکا
آپ سے کوئی پوچھے تم نے کیا مزا پایا

شور: بمعنی اذیت   یعنی پندِ ناصح سے بجز تلخیِ الم میں اضافہ کے دردِ عشق کو کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ (تلخیِ پند)

(۴)

دل مرا سوزِ نہاں سے بے محابا جل گیا
آتشِ خاموش کی مانند گویا جل گیا

سوزِ نہاں: کنایہ از تپشِ عشق   بے محابا: بمعنی بخوشیِ خاطر یا بے دھڑک

آتشِ خاموش: بمعنی آتش بے شعلہ   یعنی میرا دل عشق کی آتشِ پنہاں میں نالہ و فریاد کیے بغیر جل گیا۔ گویا اس کا جلنا ایسا تھا جیسے بے شعلہ کی آگ کہ سلگتی رہی اور کسی کو خبر نہ ہوئی (غمِ پنہانِ عشق)

دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں
آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ سب کچھ جل گیا

یعنی مایوسی اور افسردہ خاطری کا یہ عالم ہے کہ دل میں کچھ اور خیال تو باقی نہ تھا صرف شوقِ وصال تھا یا یادِ یار باقی تھی وہ بھی ختم ہے۔ گویا اس گھر میں ایسی آگ لگی کہ آخری متاعِ خانہ میں سے جو باقی تھا وہ سب جل گیا۔ بقولے،

عشق کی سوزش نے دل میں کچھ نہ چھوڑا کہ کہیں
لگ اٹھی یہ آگ ناگاہی کہ سب گھر پھک گیا (میر)

(سوختہ سامانی عشق)

میں عدم سے بھی پرے ہوں ورنہ غافل بارہا
میری آہِ آتشیں سے بالِ عنقا جل گیا

یعنی اے مقامِ فنا سے غافل انسان۔ وہ جو ملکِ عدم میں عنقا کا وجود باقی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ اب میں فنا کے ایسے مقام پر ہوں جو عدم سے بھی آگے ہے ورنہ ملکِ عدم میں تو عنقا کے پر میری آہِ آتشیں سے کئی بار جل چکے تھے۔ اگر میرا مقام مقامِ عنقا ہی کے ہم مرتبہ ہوتا تو مقامِ عدم میں بھی اس کا موجود ہونا ممکن نہ ہوتا۔

(مابعد الطبعی حقیقتِ وجود)

عرضِ کیجے جوہرِ اندیشہ کی گرمی کہاں
کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا

یعنی میرا تخیل اتنا تابناک ہے کہ وحشت کا خیال لا تے ہی صحرا (جو وحشت کا ٹھکانا ہے تصور میں آتے ہی) جل گیا (مبالغہ گرمئ اندیشہ)

دل نہیں تجھ کو دکھاتا ورنہ داغوں کی بہار
اس چراغاں کا کروں کیا کارفرما جل گیا

یعنی داغہائے دل سوزناک، پُر بہار تھے۔ لیکن دل جس میں داغ کی یہ شمعیں روشن تھیں، وہ خود سوزِ عشق سے جل گیا۔ اب دل ہی نہ رہا تو داغِ دل کی بہار کہاں؟
(مبالغۂ افسردہ خاطری)

میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالبؔ کہ دل
دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ دنیا جل گیا

یعنی دوستوں کی کھوکھلی گرمجوشی سے دل ایسا جلا ہے کہ اب چاہتا ہوں کہ دوستی کا ولولہ ہی نہ رہے (شکوۂ تصنع و سخن سازئ احباب)

(۵)

شوق ہر رنگ رقیبِ سر و ساماں نکلا
قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

یعنی اہلِ عشق ہر حال میں بے سر و سامان ہی رہتے ہیں۔ چنانچہ قیس تصویر کے پردے میں بھی بے پردہ یا بے لباس ہی نظر آیا۔
(بے سر و سامانئ اہلِ عشق)

زخم نے داد نہ دی تنگیِ دل کی یا رب
تیر بھی سینۂ بسمل سے پَر افشاں نکلا

یعنی زخم خوردۂ عشق ایسا دل تنگ ہے کہ زخم کھا کر بھی دل کشادہ نہ ہوا چنانچہ تیر سینے میں چبھ کر اس طرح نکلا جیسے بھینچا ہوا پرندہ پروں کو پھڑپھڑاتا ہوا نکلتا ہے۔

(دل تنگیِ عاشق)

بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغِ محفل
جو تری بزم سے نکلا وہ پریشاں نکلا

یعنی تیری محفل سے جو آتا ہے وحشت جنونِ عشق سے سر پھرا ہو کر آتا ہے۔

(وحشت انگیزیِ حسن)

دلِ حسرت زدہ تھا مائدۂ لذتِ درد
کام یاروں کا بقدرِ لب و دنداں نکلا

یعنی میرا غمگین دل مائدۂ عشق کا ایک دسترخوان ہے کہ اس سے اشعار دردانگیز نکلتے ہیں اور ہر شخص کو بقدرِ صلاحیت لذتِ آشنائے درد کر دیتا ہے (سوز بیاں)

تھی نو آموزِ فنا ہمتِ دشوار پسند
سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا

یعنی مشکل یہ ہے کہ مٹ جانا بھی بہت مشکل پسند کو آسان ہی معلوم ہوا، تو اب مشکل پسندی کی تسکین کس طرح ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اہلِ ہمت مر جانے کو بھی معمولی بات سمجھتے ہیں۔ (مقامِ ہمت بلند)

دل میں پھر گریہ نے اک شور اٹھایا غالب
آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفاں نکلا

اس شعر میں ردیف کا لفظ "نکلا" فعل ناقص ہے بمعنی ثابت ہوا۔ طوفان یعنی ہلاکت آفریں۔ یعنی میں نے رونا ضبط کیا تھا لیکن یہ اور غضب ہوا کیونکہ آنسو کے جو قطرے نہ نکلے تھے وہ طوفان کی طرح ہلاکت آفریں ثابت ہوئے۔ (احتباس گریہ)

(۶)

دھمکی میں مر گیا جو نہ بابِ نبرد تھا
عشقِ نبرد پیشہ طلب گارِ مرد تھا

"بابِ نبرد": یعنی مقابلہ کی اہلیت رکھنے والا   نبرد پیشہ: یعنی جنگ جو
طلب گار: بمعنی متقاضی   یعنی عشق کی چوٹ وہی جھیلتا ہے جو بہادر ہو۔ نااہل تو عشق کی پہلی ہی دھمکی (آغاز کار ہی) میں مر جاتا ہے۔ (دشواریٔ تحملِ شدائدِ عشق)

تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا
مرنے سے پیشتر بھی مرا رنگ زرد تھا

رنگ زرد ہونا: کنایہ ہے "مرگ آشنا" ہونے سے۔   یعنی مرنے سے پہلے بھی خوفِ مرگ سے مجھ پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ زندگی جس کا انجام موت ہے موت سے کچھ مختلف نہیں (المناکیٔ حیات)

تالیفِ نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں
مجموعۂ خیال ابھی فرد فرد تھا

یعنی ابتدا ہی سے جب کہ ہنوز قوتِ متخیلہ کی تہذیب نہ ہوئی تھی۔ میں مضمونِ وفا

کی کتابیں تصنیف کرنے لگا تھا۔ مطلب یہ کہ عہدِ طفلی ہی سے میں وفا آشنا اور عشق میں کامل تھا (عشق آمادگی فطری)

دلِ تا جگر کہ ساحلِ دریائے خوں ہے اب
اس رہگزر میں جلوۂ گل آگے گرد تھا

گرد تھا : بمعنی بے حقیقت تھا   یعنی ایک وقت تھا کہ میری طبیعت کی رنگینی و بہار آفرینی کے آگے پھول کی تازگی ماند تھی لیکن اب دل و جگر کا تمام راستہ دریائے خون کا ساحل بنا ہوا ہے (جگر افگاری غمِ عشق)

جاتی ہے کوئی کشمکش اندوہِ عشق کی
دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا

یعنی دل ہے تو غمِ عشق میں مبتلا اور دل گیا تو غم دل کا مبتلا غرض غم سے کسی حال نجات نہیں (دوامِ غم)

احباب چارہ سازیٔ وحشت نہ کر سکے
زنداں میں بھی خیالِ بیاباں نورد تھا

یعنی زنداں، وحشتِ دل کا علاج نہیں ہے کیونکہ دل (خیال) تو اب بھی نہ جانے کہاں کہاں بھٹک پھر رہا ہے (بے درمانیٔ جنونِ عشق)

یہ لاشِ بے کفن اسدِؔ خستہ جاں کی ہے
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

مطلب یہ ہے کہ اسدِ خستہ جاں کی لاش بے کفن کو دیکھ کر لوگ کہتے ہیں کہ وہ کیا مردِ آزاد تھا کہ مرنے کے بعد بھی قیدِ کفن گوارا نہ کر سکا۔ (آزاد مردیٔ شاعر)

(۷)

شمارِ سبحہ مرغوبِ بتِ مشکل پسند آیا
تماشائے بیک کف بردنِ صد دل پسند آیا

یعنی محبوب کو دانۂ تسبیح کا شمار کرنا مرغوب نظر ہے کیونکہ اس کی طبیعت مشکل پسند ہے اور تسبیح پھیرنا گویا ایک ہاتھ میں سو دلوں کا لے لینا یا بیک وقت سینکڑوں کو اپنی مٹھی میں رکھنا ایک مشکل عمل ہے جو اسے مرغوب ہے (ذوقِ دلربائی محبوب)

بفیضِ بیدلی نومیدیِ جاوید آساں ہے
کشائش کو ہمارا عقدۂ مشکل پسند آیا

یعنی یہ بات کہ ہماری مشکل ناقابلِ حل ہے۔ ہمیں پسند آئی کہ اس سے مشکل حل ہو گئی اس طرح کہ اس سے دل ٹوٹ جائے گا اور ہمیشہ کے لیے مایوسی ہو جائے گی تو پھر کوئی مشکل نہیں رہے گی اور آسانی ہو جائے گی۔ بقول

اگر امید نہ ہمسایہ ہو تو خانۂ یاس   بہشت ہے ہمیں آرامِ جاں کے لیے

(سکونِ یاس)

ہوائے سیرِ گل آئینۂ بے مہریِ قاتل
کہ اندازِ بخوں غلطیدنِ بسمل پسند آیا

یعنی محبوبوں کا انداز ایسا ہے جیسے کوئی بسمل خون میں لتھڑا ہوا ہو معشوقِ قاتل کی بے مہری اس سے ظاہر ہے کہ سیرِ گل کا شائق ہے گویا خونی نظارہ کو پسند کرتا ہے (بے مہریِ معشوق)

جراحت تحفہ، الماس ارمغاں، داغِ جگر ہدیہ
مبارکباد اسدؔ غمخوارِ جانِ دردمند آیا

غمخوارِ جانِ دردمند: طنزاً مراد از عشق یعنی مبارک ہو کہ عشق آگیا ہے اور اپنے ساتھ جانِ دردمند کو درد سے چھٹکارا دلانے کے لیے سامانِ مرگ: زخم، ہیرے کی کنی اور داغِ جگر ساتھ لایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ موت سے پہلے غمِ عشق سے نجات نہیں ہو سکتی (فنا انجامیٔ عشق)

(۸)

دہر میں نقشِ وفا وجہِ تسلی نہ ہوا
ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

یعنی دنیا میں وفا ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنی کچھ نہ نکلے اور کوئی شخص مطمئن نہ ہو سکا۔ یا یوں کہیے کہ اہلِ دنیا کے ساتھ کتنا ہی طریقِ وفا برتا جائے اس سے نہ کچھ مقصد حاصل ہے اور نہ کوئی مطمئن ہوتا ہے (شکوۂ بے وفائی اہلِ دہر، یا شکوۂ ناسپاسی)

سبزۂ خط سے ترا کاکلِ سرکش نہ دبا
یہ زمرد بھی حریفِ دمِ افعی نہ ہوا

یعنی زمرد کے سامنے افعی کا زہر کام نہیں کرتا۔ لیکن تیرا سبزۂ خط کیسا زمرد ہے کہ افعی کاکل کو بے قابو نہ کر سکا۔ مطلب یہ کہ سبزۂ رخسار کے باوجود کاکل کی بدمستی میں فرق نہیں آیا۔ (بے پیریٔ حسنِ محبوب)

میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھوٹوں
وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

یعنی میں چاہتا تھا کہ مر کر وفا کے غم سے نجات پاؤں لیکن معشوق ایسا ظالم ہے کہ وہ اس پر بھی راضی نہیں اور وہ یہی چاہتا ہے کہ خواہ کتنی ہی تلخ کامیاں ہوں وفا پر قائم رہوں اور جیتے جاؤں۔ غرض مرتے دم تک وفا کو نباہنا ہے (ستم کوشی معشوق)

دل گزرگاہِ خیالِ مے و ساغر ہی سہی
گر نفس جادۂ سرمنزلِ تقویٰ نہ ہوا

نفس: استعارہ از حیات   یعنی میرے نزدیک زندگی بھر منزل تقویٰ کی راہ پر گامزن ہونا اور دل کا مے و ساغر کے خیال میں پڑا رہنا برابر ہے (بے نیازی از کفر و دین)

ہوں ترے وعدہ نہ کرنے میں بھی راضی کہ کبھی
گوش منت کشِ گلبانگِ تسلّی نہ ہوا

یعنی تیرے وعدہ وصل نہ کرنے میں بھی خوش ہوں کہ کانوں پر تیری تسلی آمیز باتوں کا احسان نہ ہوا (عشق غیور)

کس سے محرومیٔ قسمت کی شکایت کیجے
ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا

یعنی مر جانے کی آرزو بھی پوری نہ ہوئی۔ اس پر معشوق کا شکوہ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ موت اس کے اختیار میں نہیں۔ یہ تو قسمت ہی بری ہے اس کی شکایت کس سے ہو۔ (حرماں نصیبی)

مر گیا صدمۂ یک جنبشِ لب سے غالبؔ
ناتوانی سے حریفِ دمِ عیسیٰ نہ ہوا

یعنی میری ناتوانی کا یہ عالم ہے کہ دمِ عیسیٰ کی سہار بھی نہ رہی اور جنبشِ لبِ عیسیٰ کے صدمہ سے مر گیا۔ مطلب یہ ہے کہ میرے حق میں تدبیرِ حیات بھی سامانِ موت بن جاتی ہے (مبالغۂ فنا آمادگی)

(۹)

ستائش گر ہے زاہد اس قدر جس باغِ رضواں کا
وہ اک گلدستہ ہے ہم بے خودوں کے طاقِ نسیاں کا

مطلب یہ کہ جس نے بے خودیِ عشق کا مزہ پا لیا وہ باغِ رضواں کو بھول گیا (لذتِ بے خودیِ عشق)

بیاں کیا کیجئے بیدادِ کاوش ہائے مژگاں کا
کہ ہر اک قطرۂ خوں دانہ ہے تسبیحِ مرجاں کا

یعنی پلکوں نے کیا غضب کیا کہ قطرہ ہائے اشکِ خوں کو کہ ان میں سے ہر ایک قدر و قیمت میں تسبیحِ مرجاں کے دانے میں پھیر کر رکھ دیا (وصف کاوشِ گریہ)

نہ آئی سطوتِ قاتل بھی مانع میرے نالوں کو
لیا دانتوں میں جو تنکا ہوا ریشہ نیستاں کا

دانتوں میں تنکا لینا: حس بدنداں گرفتن کا ترجمہ۔ یعنی اظہارِ عجز و ناتوانی کرنا۔

ریشۂ نیستاں: یعنی بیخِ نے۔ بجانا نفیری۔ یعنی قاتل کے رعب سے مجھے ترکِ گریہ کرنا چاہیے تھا لیکن جوشِ گریہ کا یہ عالم ہے کہ اپنی عاجزی کے اظہار کو جو تنکا دانتوں

میں لیا تو اس نے بنسری کا کام کیا۔ مطلب یہ کہ جس قدر ما باپ ضبط سے کام لیتا ہوں اتنا ہی رونا چلا آتا ہے (اضطرابِ گریہ)

دکھاؤں گا تماشا، دی اگر فرصت زمانے نے
مرا ہر داغِ دل اک تخم ہے سروِ چراغاں کا

سروِ چراغاں: یعنی چراغوں سے سجایا ہوا درخت   یعنی میرے دل میں جو داغ ہیں ان کا تماشا کچھ عرصے کے بعد قابلِ دید ہوگا کہ ہر داغ گویا سروِ چراغاں کا ایک بیج ہے کہ ہر داغ سے ایک سروِ چراغاں پیدا ہوگا۔ مطلب یہ کہ ابھی ابتدائے عشق ہے اور یہ داغ تازہ ہیں آگے چل کر ایک ایک کے سینکڑوں داغ بن جائیں گے (فراوانیِ غمِ عشق)

کیا آئینہ خانہ کا وہ نقشہ تیرے جلوے نے
کرے جو پرتوِ خورشید عالم شبنمستاں کا

شبنمستان: یعنی وہ چمن جس میں شبنم پڑی ہوئی ہو   یعنی تیرے جلوے کی تاب نہ لا کر آئینہ اس طرح پگھل گیا جیسے خورشید سے شبنم۔ یا آئینہ خانہ کا وہ عالم ہے جو آفتاب کی روشنی میں شبنمستان کا ہوتا ہے کہ ہر قطرۂ شبنم سے آفتاب کی چمک نظر آتی ہے (بیانِ تابش یا فراوانیِ جلوہ)

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برقِ خرمن کا ہے خونِ گرم دہقاں کا

ہیولیٰ: یعنی مادہ   خونِ گرم: کنایہ از محنت   میری تعمیر میں خرابی کی صورت مضمر ہے۔ یعنی میری تعمیر نہ ہوتی تو خرابی کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ گویا ہر چیز جو وجود میں آئی فنا پذیر ہے۔ چنانچہ مثلاً جب کسان کی محنت و مشقت کا نتیجہ خرمن'

تیار ہوتا ہے تبھی برقِ خرمن بھی ہوتی ہے۔ خرمن ہی نہ ہو تو برقِ خرمن کیسی (تلازمِ حیات با مرگ)

اُگا ہے گھر میں ہر سو سبزہ ویرانی تماشا کر
مدار اب کھودنے پر گھاس کے ہے میرے درباں کا

گھاس کھودنا = یعنی کارِ بیکاراں انجام دینا یعنی میرے گھر کی ویرانی کا یہ عالم ہے کہ تمام گھر میں گھاس اُگی ہے اور درباں کا کام گھاس کھودنا رہ گیا ہے۔ خانۂ ویراں کا درباں گھاس نہ کھودے تو اور کیا کرے (مبالغۂ خانہ ویرانی)

خموشی میں نہاں خوں گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں
چراغِ مردہ ہوں میں بے زباں گورِ غریباں کا

یعنی میری خاموشی نے لاکھوں تمناؤں کو دبائے رکھا اور کسی کو خبر نہیں ہے۔ میری مثال اس بجھے ہوئے چراغ کی مانند ہے جو غریبوں کی قبر پر ہو کہ اس کے بجھنے کی کسی کو خبر اور نہ روشن کرنے کی کوئی کوشش (حسرت، ناامیدیِ عاشق)

ہنوز اک پرتوِ نقشِ خیالِ یار باقی ہے
دلِ افسردہ گویا حجرہ ہے یوسف کے زنداں کا

یعنی ہر چند کہ دل بجھ گیا ہے تاہم اس میں خیالِ محبوب کا ایک عکس باقی ہے۔ گویا یہ بجھا ہوا دل زنداں کی کوٹھڑی ہے جس میں خیالِ محبوب حضرت یوسف کی طرح جلوہ افروز ہے (حسنِ تصور)

بغل میں غیر کی آج آپ سوتے ہیں کہیں ورنہ
سبب کیا خواب میں آ کر تبسم ہائے پنہاں کا

یعنی میرے خواب میں آ کر تمہارا چھپ چھپ کر مسکرانا ظاہر کرتا ہے کہ تم کس کی دل لگی بمصداق ہمہ ہو در عشق است و ہزار بدگمانی)

نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا
قیامت ہے سرشک آلودہ ہونا تیری مژگاں کا

یعنی تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھ کر جانے کتنے عشاق نے اپنی جان کھو دی ہوگی۔ مطلب یہ کہ معشوق کا غم نہیں دیکھا جاتا (جاں نثاریٔ اہلِ عشق)

نظر میں ہے ہماری جادۂ راہِ فنا غالب
کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشاں کا

اجزائے پریشان: استعارہ از موجودات متنوعہ یعنی اس سے قطع نظر ممکن نہیں کہ جس قدر بھی موجودات متنوعہ ہیں ان سب کو راہِ فنا کی پگڈنڈی پر پہنچنا ہے اور ہر چیز اس سے وابستہ ہے گویا دنیا کے اجزائے منتشرہ کی کتاب شیرازۂ فنا سے منسلک ہوتی ہے۔ بفحوائے کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ (فنا پذیریٔ ممکنات)

(۱۰)

نہ ہوگا یک بیاباں ماندگی سے ذوق کم میرا
حباب موجۂ رفتار ہے نقشِ قدم میرا

یک بیاباں ماندگی: یعنی تھکن کی زیادتی یعنی مجھے صحرا نوردی کا اس قدر شوق ہے کہ جنگل بھر کی تھکن (بہت زیادہ تکان) سے بھی کم نہ ہوگا۔ میرے نقوشِ قدم گویا موجِ رفتار کے بلبلے ہیں کہ ابھی بنتے رہیں گے۔ کہا جاتا ہے کہ بارش میں بلبلوں کا پیدا ہونا مزید باراں کی علامت ہے (دوامِ وحشت)

محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بے دماغی ہے
کہ موجِ بوئے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا

یعنی کہاں تو سیرِ چمن کا عاشق تھا اور اب افسردگی کا یہ عالم ہے کہ بوئے گل مجھے بد دماغ کر دیتی ہے (افسردگیٔ خاطر)

(۱۱)

سراپا رہنِ عشق و ناگزیرِ الفتِ ہستی
عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا

یعنی بندۂ عشق ہو کر زندگی سے محبت کرنا پڑے تو ایسا ہے جیسے بجلی کا پجاری ہو کر کھلیان کو بچانا چاہے اور اس کے تلف ہونے پر افسوس کرے (جانکاہی ناگزیرِ عشق)

بقدرِ ظرف ہے ساقی خمارِ تشنہ کامی بھی
جو تو دریائے مے ہے تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا

یعنی میری پیاس بھی میرے حوصلۂ بلند کے مطابق ہے۔ چنانچہ اگر ساقی وہ دریائے شراب ہے تو میں ساحل کی انگڑائی ہوں کہ گویا تمام دریا کو منہ میں لینے کے باوجود تشنہ لب ہوں واضح ہو کہ شرابی کا انگڑائی لینا علامت ہے خواہش مزید کی۔ (بے پایانیٔ شوق)

(۱۲)

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

یعنی ماسوا جسے اسرارِ حق کا پردہ کہا جاتا ہے یہ پردہ پردۂ ساز ہے جو اسرارِ حق کے نغمات سے معمور ہے۔ البتہ کوئی سمجھنے والا نہیں۔ بقول؎

ہر کس نہ شناسندۂ راز است وگرنہ
ایں ہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است (عرفی) یا

"چاندنی پھیلی ہے معلوم قمر ہو کہ نہ ہو" (نکتہ) (جہاں آرائی جمالِ محبوب)

رنگِ شکستہ صبحِ بہارِ نظارہ ہے
یہ وقت ہے شگفتنِ گل ہائے ناز کا

چہرۂ عاشق کی اُڑی ہوئی رنگت گویا بہارِ نظارہ کی صبح ہے یعنی جمالِ محبوب کو دیکھ کر کمالِ حیرت کے باعث چہرہ کا رنگ فق ہو جاتا ہے اور جب عاشق اس حال میں ہو تو محبوب کے لیے ناز و انداز کے گُل کھلانے کا یہی وقت ہے۔ (ناز آفرینیٔ شاہدِ مشہود)

تُو اور سوئے غیر نظر ہائے تیز تیز
میں اور دُکھ تری مژہ ہائے دراز کا

نظر ہائے تیز: بمعنی گھور گھور کر دیکھنا یعنی تیری لمبی لمبی پلکوں کے غمِ عشق میں مبتلا تو میں ہوں اور تو ہے کہ میری طرف دیکھتا بھی نہیں بلکہ رقیبوں کی طرف شوق سے دیکھتا ہے۔ دکھ اور افسوس کا یہ پہلو بھی ہے کہ تیری مژہ ہائے دراز رقیبوں کے سنگین دلوں پر پڑ کر مفت زحمت اٹھا رہی ہیں۔ (شکوۂ محبوب و رشکِ رقیب)

صرفہ ہے ضبطِ آہ میں میرا وگرنہ میں
طعمہ ہوں ایک ہی نفسِ جاں گداز کا

صرفہ: بمعنی بچاؤ یعنی آہ نہ کرنے کے باعث بچا ہوا ہوں ورنہ ایک ہی آہِ جانگداز میں کام ختم ہو جاتا۔ (جانگدازیٔ آہ)

ہیں بسکہ جوشِ بادہ سے شیشے اچھل رہے
ہر گوشۂ بساط ہے سر شیشہ باز کا

شیشہ باز بمعنی سر پر بوتل رکھ کر رقص کا کرتب دکھلانے والا۔ یعنی شراب ایسی پر جوش ہے کہ بوتلیں از خود اچھلنے لگیں اور فرش مے خانہ کا ہر گوشہ شیشہ باز کا سر بن گیا (مبالغۂ جوشِ بادہ)

کاوش کا دل کرے ہے تقاضا کہ ہے ہنوز
ناخن پہ قرض اس گرہِ نیم باز کا

کاوش بمعنی سعیِ کشادِ عقدہ یعنی ناخنِ تدبیر نے جس کا کام دل کی گرہ کھولنا ہے اب تک میرے دل کی گرہ نہ کھولی۔ اس لیے دل متقاضی ہے کہ اس گرہِ نیم باز (دل) کو کھول دے (بے اثریِ تدبیر)

(۱۳)

بزمِ شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا
رکھیو یا رب یہ درِ گنجینۂ گوہر کھلا

یعنی بزمِ شاہ میں پھر مشاعرہ شروع ہوا ہے۔ دعا ہے کہ جاری رہے۔ (تمنائے فروغِ بزمِ سخن)

شب ہوئی پھر انجمِ رخشندہ کا منظر کھلا
اس تکلف سے کہ گویا بتکدے کا در کھلا

یعنی بوقتِ شب پھر انجمِ رخشندہ کی مانند سخنورِ محفل میں نظر آنے لگے۔ اس خوبی کے ساتھ کہ گویا مندر کا دروازہ کھل گیا۔ جہاں آرتی کے دیوے روشن ہوتے

ہیں (تعریفِ بزمِ سخن)

گر نہ سمجھوں اس کی باتیں گر نہ پاؤں اس کا بھید
پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری پیکر کھلا

کھلا: بمعنی بے تکلف ہو گیا یعنی دوست کا بے تکلف ہو جانا ہی غنیمت ہے گو پس پردہ اس کا باعث کچھ اور ہی ہو (فریبِ خویشتن)

ہے خیالِ حسن میں حُسنِ عمل کا سا خیال
خلد کا اک در ہے میری گور کے اندر کھلا

فراق میں حسنِ محبوب کے تصور کو قبر میں بہشت کے نظارے سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی اس کا تصور (فراق میں) اتنا ہی اچھا معلوم ہوتا ہے جیسے قبر میں بہشت کا دروازہ کھل جائے۔ گویا حسنِ معشوق کے خیال میں وہی کیفیت ہے جو حسنِ عمل کے تصور میں خیال کی جاتی ہے (لذتِ تصورِ محبوب)

مُنہ نہ کھُلنے پر ہے وہ عالم کہ دیکھا ہی نہیں
زلف سے بڑھ کر نقاب اس شوخ کے مُنہ پر کھلا

نقاب: استعارہ از کائنات جو جمالِ ازلی کا پردہ ہے کھُلا: بمعنی ثابت ہوا یا موزوں و دلفریب ہو گیا یعنی وہ خود کتنا حسین ہو گا جس کے چہرے کا نقاب زلف سے زیادہ دلکش ہے۔ گویا اس کا حسن حجاب کے پردوں میں بھی بے مثال ہے بلکہ اس کا حجاب خود ایک حسن ہے (جلوہ پیرائی محبوبِ حقیقی)

در پہ رہنے کو کہا اور کہہ کے کیسا پھر گیا
جتنے عرصے میں مرا لپٹا ہوا بستر کھلا

یعنی محبوب کی اجازت سے آیا تھا اور ابھی ٹکنے نہ پایا تھا کہ وہ اپنے وعدہ سے پھر گیا (ناپائداریِ حیات) یا ستم ظریفیِ محبوب)

کیوں اندھیری ہے شبِ غم ہے بلاؤں کا نزول
آج ادھر ہی کو رہے گا دیدۂ اختر کھلا

یعنی شبِ غم خوفناک ہے کیونکہ بلائیں نازل ہو رہی ہیں۔ ستارے ڈر کے مارے آنکھ نہ جھپکائیں گے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ ستارے غروب نہ ہوں گے اور شبِ غم ختم نہ ہوگی (درازی و ہولناکیِ شبِ ہجراں)

کیا رہوں غربت میں خوش جب ہو حوادث کا یہ حال
نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا

کھلے ہوئے خطوط بالعموم ناخوشگوار حالات کے مضمون پر مشتمل ہوتے ہیں یعنی وطن سے بری خبروں کے خطوط آتے رہیں تو سفر میں کیا خوشی نصیب ہو سکتی ہے (بیانِ احوالِ واقعی)

اس کی اُمت میں ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شہ کے غالب گنبدِ بے در کھلا

گنبدِ بے در: کنایہ از آسمان یعنی شبِ معراج میں (کفایت نبی مرسل صلی اللہ علیہ وسلم)

(۱۴)

شب کہ برقِ سوزِ دل سے زہرۂ ابر آب تھا
شعلۂ جوالہ ہر یک حلقۂ گرداب تھا

شعلۂ جوّالہ: یعنی بل کھاتی ہوئی آگ کی لَو۔ یعنی رات کو جب کہ میری آتشِ فراق بھڑک رہی تھی ابر شدّتِ گرما سے پانی کی طرح پگھل گیا تھا اور گرداب بل کھاتی ہوئی لَو بن گیا تھا۔ یعنی دونوں اسبابِ عیش بھی حزن افزا بن گئے۔ بفحوائے

وقتِ جوشِ بحرِ گریہ میں جو محوِ نالہ تھا
حلقۂ گرداب ہر یک شعلۂ جوّالہ تھا

(بیانِ سوزِ فراق)

واں کرم کو عذرِ بارش تھا عناں گیرِ خرام
گریے سے یاں پنبۂ بالش کفِ سیلاب تھا

کرم: یعنی صاحبِ کرم۔ یعنی بارش کی وجہ سے وہ مہربان نہ آسکا اور میں اس قدر رویا کہ تکیہ کی روئی سیلابِ گریہ میں پانی کے جھاگ کی مانند ہو گئی۔ پنبۂ بالش کو کفِ سیلاب سے تشبیہ دی گئی ہے (گریہ سامانیٔ فراق)

واں خود آرائی کو تھا موتی پرونے کا خیال
یاں ہجومِ اشک میں تارِ نگہ نایاب تھا

خود آرائی: استعمالِ صفت بجائے موصوف یعنی محبوبِ خود آرا۔ ادھر وہ محبوبِ خود آرا بالوں میں موتی پروتا اور مصروفِ خود آرائی رہا اور ادھر میری آنکھ آنسوؤں سے ایسی لبریز تھی کہ کچھ نظر نہ آتا تھا۔ (گریۂ فراق)

جلوۂ گل نے کیا تھا واں چراغاں آبِ جو
یاں رواں مژگانِ چشمِ تر سے خونِ ناب تھا

یعنی ادھر پھولوں کے عکس سے ندی کے پانی میں چراغ جلتے معلوم ہوتے تھے اور ادھر میری آنکھوں سے خون بہہ رہا تھا (بیانِ زاری)

یاں سرِ پر شورِ بیخوابی سے تھا دیوار جُو
واں وہ فرقِ ناز محوِ بالشِ کمخواب تھا

دیوار جو : یعنی سر پھوڑنے کو تیار یعنی ادھر وہ تو سو رہا تھا اور ادھر میں سر پھوڑنے کو تیار تھا (بیانِ بے نیازیٔ محبوب)

یاں نفس کرتا تھا روشن شمعِ بزمِ بیخودی
جلوۂ گل واں بساطِ صحبتِ احباب تھا

یعنی میں بے خودیٔ عشق میں آہِ سوزاں بھرتا رہا اور وہاں اغیار کے لیے پھولوں کے فرش بچھ رہے تھے (بیانِ بے نیازیٔ محبوب)

فرش سے تا عرش واں طوفاں تھا موجِ رنگ کا
یاں زمیں سے آسماں تک سوختن کا باب تھا

طوفانِ موجِ رنگ : یعنی رنگ رلیوں کا زور شور سوختن کا باب : جلنا بھنتا یعنی وہ رنگ رلیاں منا رہے تھے اور ہم جل رہے تھے (شکوۂ بے پروائی محبوب)

ناگہاں اس رنگ سے خونابہ ٹپکانے لگا
دل کہ ذوقِ کاوشِ ناخن سے لذت یاب تھا

یعنی یکایک دل جو خلش کی لذت سے آشنا تھا اس طرح سے خون ٹپکانے لگا خون ٹپکانے سے مراد شعر کہنا ہے یعنی سوزِ فراق میں یہ غزل میں نے کہی (تحریکِ شعر گوئی)

(۱۵)

نالۂ دل میں شب اندازِ اثر نایاب تھا
تھا سپندِ بزمِ وصلِ غیر گو بے تاب تھا

بے تاب : بمعنی افسردہ   یعنی میرے دل کی فریاد نے معشوق پر کچھ اثر نہ کی
بلکہ اتنا اثر ہوا کہ وہ میرے ہاں تو آیا نہیں بزمِ رقیب میں چلا گیا جس کے رشک کی
آگ میں میرا دل سپند کی طرح جل رہا تھا لیکن چٹک نہ تھی۔ بظاہر جلتا ہوا نظ
نہ آتا تھا (بے اثری نالہ)

مقدمِ سیلاب سے دل کیا نشاط آہنگ ہے
خانۂ عاشق مگر سازِ صدائے آب تھا

مقدمِ سیلاب : بمعنی جوشِ گریہ   مگر : کلمۂ تشبیہ   یعنی طوفانِ گریہ سے
دل کو ایک ایسا سرور حاصل ہو رہا ہے کہ گویا گھر میں جلترنگ بج رہا ہے۔
(ذوقِ گریہ)

نازشِ ایامِ خاکستر نشینی کیا کہوں
پہلوئے اندیشہ وقفِ بسترِ سنجاب تھا

یعنی اپنی خاک نشینی کی حالت پر مجھے اتنا ناز تھا کہ خود کو ریشمیں بستروں میں
محسوس کرتا رہا (ملکِ قناعت)

کچھ نہ کی اپنے جنونِ نارسا نے ورنہ یاں
ذرہ ذرہ روکشِ خورشیدِ عالمتاب تھا

جنونِ نارسا : بمعنی دانشِ ناکارہ   یعنی دیوانگی یا فاترالعقلی سے کچھ معرفت

حاصل نہ کی ورنہ تمام حقائق آفتاب کی طرح روشن تھے۔ (ظہور تجلی)

آج کیوں پروا نہیں اپنے اسیروں کی تجھے
کل تلک تیرا بھی دل مہر و وفا کا باب تھا

اپنے اسیروں کی: یعنی میری۔ تعبیر واحد بلفظ جمع (بدگمانی و شکوہ محبوب بے اعتنائی)

یاد کر وہ دن کہ ہر اک حلقہ تیرے دام کا
انتظارِ صید میں اک دیدۂ بے خواب تھا

دیدۂ بیخواب: بمعنی وا   یعنی ایک دن وہ تھا کہ تو نے دلربائی کا جال بچھا رکھا تھا مطلب یہ کہ اب نہیں ہے (بے ثباتیِ حسن)

میں نے روکا رات غالب کو وگرنہ دیکھتے
اس کے سیلِ گریہ سے گردوں کفِ سیلاب تھا

تھا: بمعنی ہو جاتا   یعنی بہتر ہے کہ نہ روئے ورنہ جب غالب روتا ہے تو طوفان برپا کر دیتا ہے (کمالِ ضبطِ گریہ)

(۱۶)

ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب
خونِ جگر ودیعتِ مژگانِ یار تھا

حساب دینا پڑا: بمعنی پوچھا گیا کہ تم نے محبوبِ حقیقی کے لیے کیا کیا جانفشانیاں کیں۔ یعنی خونِ جگر کا مصرف اس کے سوا نہ تھا کہ عشقِ محبوب میں آنسو بن کر نکلے۔ تعبیراتِ صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین۔

(مہرِ وفا)

اب میں ہوں اور ماتم یک شہر آرزو
توڑا جو تو نے آئینہ تمثال دار تھا

یعنی میرے دل میں جانے کیا کیا تصورات تھے۔ یہ تصویر دار آئینہ تو نے کیا توڑا کہ میری تمناؤں کا ایک شہر برباد کر دیا۔ (حرماں نصیبی عاشق)

گلیوں میں میری نعش کو کھینچے پھرو کہ میں
جاں دادۂ ہوائے سر رہگذار تھا

جان دادہ : بمعنی شائق یعنی از بسکہ میں گلیوں کی ہوا کھاتے پھرنے کا عادی تھا۔ چاہتا ہوں کہ مرنے کے بعد میری نعش کو گلیوں میں گھسیٹتے پھرو تاکہ شاید اس طرح سے پس مرگ بھی کوچہ محبوب میں گزر ہو (ثبات عہد وفا)

موج سراب دشت وفا کا نہ پوچھ حال
ہر ذرہ مثل جوہر تیغ آب دار تھا

یعنی سراب وفا کے ذروں میں آب تو ہے لیکن وہ آب آب تیغ کی مانند جانکاہ ہے۔ جان بخش نہیں (جانکاہی وفا)

کم جانتے تھے ہم بھی غم عشق کو کہ اب
دیکھا تو کم ہوئے پہ غم روزگار تھا

یعنی گو عشق کم ہے لیکن وہ کم بھی دنیا بھر کا غم ہے (گیرائی غم عشق)

(۱۷)

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

یعنی ہر کام کو آساں نہ سمجھو کیونکہ جسے آسان سمجھتے ہو مثلاً آدمی کے لیے انسان بننا یہی سخت محال ہے۔ بقولے

آنچہ ما جستیم کم دیدیم و در کار است و نیست
نیست جز انساں دریں عالم کہ بسیار و نیست (نایابیٔ اہل مروت)

گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی
در و دیوار سے ٹپکے ہے بیاباں ہونا

یعنی کثرتِ گریہ سے میرے گھر کے در و دیوار اب میدان بنا چاہتے ہیں۔

(تباہ کاریٔ گریہ)

وائے دیوانگیٔ شوق کہ ہر دم مجھ کو
آپ جانا اُدھر اور آپ ہی حیراں ہونا

یعنی شوق نے پاگل بنا رکھا ہے کہ یار کی گلی میں جا کر حیران ہوتا ہوں کہ آخر یہاں کیوں آیا جب کہ یہ معلوم ہے کہ محبوب تک رسائی محال ہے۔ (جبرِ شوق)

عشرتِ قتل گہِ اہلِ تمنا مت پوچھ
عیدِ نظارہ ہے شمشیر کا عُریاں ہونا

یعنی جان دینے کی تمنا رکھنے والوں کو سامانِ قتل دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔

(شوقِ جاں سپاری)

جلوہ ازبسکہ تقاضائے نگہ کرتا ہے
جوہرِ آئینہ بھی چاہے ہے مژگاں ہونا

مژگاں ہونا: یعنی آلۂ بصارت کا ایک جزو ہونا یعنی وہ جلوہ ایسا ہے

کہ خواہ کوئی کتنا ہی بے بصر ہو اُسے دیکھنے کو بے تاب ہے (عالم آشوبیِ حسن)

لے گئے [illegible] ک میں ہم داغِ تمنائے نشاط
تو ہو ا[illegible] بصد رنگ گلستاں ہونا

یعنی [illegible] نشاط میں چل بسے۔ اب تم خوش رہو آباد رہو۔ دوسرے مصرعہ کو نشاط کا بیان بھی قرار دے سکتے ہیں اور معنی یہ ہوں گے کہ آرزو تھی کہ تو ہو اور ہم ہوں اور رنگ رلیاں ہوں لیکن یہ آرزو پوری نہ ہوئی (بیانِ حسرت و ناکامی)

عشرتِ پارۂ دل زخمِ تمنا کھانا
لذتِ ریشِ جگر غرقِ نمکداں ہونا

یعنی دل کو زخم کھانے میں اور جگر کو نمک پاشیدہ جراحت ہونے میں مزہ آتا ہے (لذتِ درد)

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

زود پشیمان: طنزاً بمعنی دیر پشیمان یعنی قتل کے بعد اپنی جفاؤں پر پشیمان ہونا بہت بعد از وقت ہے (شکوہ بے نیازیِ محبوب)

ایک اور معنی یہ ہیں کہ محبوب جلد ہی شرمندہ ہو کر جفا سے باز آیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میرے بعد میرے رقیبوں کو ستم کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ (رشک)

حیف اس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

یعنی چار گرہ کپڑے کی بھی کیا قسمت ہے جو عاشق کا گریبان بنے۔ کہ کس طرح

جنوں کے ہاتھوں سے تار تار ہوتا ہے۔ غرض خواہ کوئی کتنا ہی بے حقیقت ہو شدائد
عشق سے دوچار ہونا ہی پڑے گا۔ (ناگزیری مصائب عشق)

(۱۸)

شب خمارِ شوقِ ساقی رستخیز اندازہ تھا
تا محیطِ بادہ صورت خانۂ خمیازہ تھا

یعنی ساقی کے انتظار کا خمار اس قیامت کا تھا کہ پیالے کے کنارے بھی اس طرح ازو کھولے ہوئے معلوم ہوتے تھے جیسے کوئی انتظار یا شوق میں اکتا کر انگڑائی لے ہا ہے (مبالغۂ شوق)

یک قدم وحشت سے درسِ دفترِ امکاں کھلا
جادہ اجزائے دو عالم دشت کا شیرازہ تھا

یک قدم: کلمۂ تصغیر دو عالم: کلمۂ تکثیر یعنی راہ محبت میں قدم رکھتے ی چودہ طبق روشن ہو گئے اور کھل گیا کہ جادۂ عشق ہی دونوں جہان کا شیرازہ بند ہے بقولے سرِ حبِّ ازلی در ہمہ اشیا ساری است (ہمہ گیری عشق)

مانعِ وحشت خرامیہائے لیلیٰ کون ہے
خانۂ مجنونِ صحرا گرد بے دروازہ تھا

یعنی مجنوں کا گھر صحرا ہے اور صحرا خانۂ بے در ہے اور در نہیں تو دربان کہاں۔ ں گھبرا کے ملنے کے لئے آنے کو کس نے منع کیا (شکوۂ تغافل بیجا)

پوچھ مت رسوائی اندازِ استغنائے حسن
دستِ مرہونِ حنا رخسار رہنِ غازہ تھا

یعنی مہندی اور غازہ کی احتیاج نے بے نیازیٔ حسن کو بٹہ لگا دیا (طرزِ آرائش)

نالۂ دل نے دیے اوراقِ لختِ دل بہ باد
یادگارِ نالہ اک دیوانِ بے شیرازہ تھا

اوراقِ لختِ دل کو دیوانِ بے شیرازہ سے تشبیہ دی یعنی دل منتشر۔ اور فرمایا کہ ان اوراق کو نالۂ دل نے اس طرح برباد کر دیا کہ وہ یادگار بھی نہ رہی بقول سے

قطرۂ خوں داشتم در سینہ و دل نام بود
واں ہم اندر موجِ طوفانِ نظر گم کردہ ام (مخفی) (تباہ کاریٔ غمِ عشق)

(۱۹)

دوست غمخواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئیں گے کیا

یعنی جراحتِ دل کا ایک سامان دور بھی کر دو تو دوسرا پھر پیدا ہو جاتا ہے۔
(دوامِ غم)

بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک
ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرمائیں گے کیا

یعنی سب کچھ سن لیا اور پھر پوچھتے ہیں کہ کیا۔ (شکوۂ بے التفاتیٔ محبوب)

حضرتِ ناصح گر آئیں دیدہ و دل فرشِ راہ
کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دے کہ سمجھائیں گے کیا؟

یعنی عشق ایسی چیز نہیں کہ اس کے باب میں نصیحت کارگر ہو۔ (بے درانِ عشق)

آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں
عذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لائیں گے کیا

یعنی قتل ہونے کا اتنا شائق ہوں کہ سامانِ موت خود مہیا کر رہا ہوں (ذوقِ سرفروشی)

گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھا یوں سہی
یہ جنونِ عشق کے انداز چھٹ جائیں گے کیا

یعنی ناصح نے پابند کر کے بٹھا رکھا ہے، بیٹھا ہوں نصیحت سن لوں گا لیکن جنونِ عشق تو دور ہوتا معلوم نہیں ہوتا (بے درمانیِ دردِ عشق)

خانہ زادِ زلف ہیں زنجیر سے بھاگیں گے کیوں
ہیں گرفتارِ وفا زنداں سے گھبرائیں گے کیا

یعنی عاشقانِ زلف یا وابستگانِ محبت زنجیر و زنداں سے نہیں گھبراتے۔ (صدق و ثباتِ عشق)

ہے اب اس معمورہ میں قحطِ غمِ الفت اسدؔ
ہم نے یہ مانا کہ دلّی میں رہیں کھائیں گے کیا

یعنی غم ملتا تو غم کھاتے (ذوقِ الم) دوسرے معنی یہ ہیں کہ الفت ہی نہیں تو اہلِ الفت کہاں۔ ایسی حالت میں جینا کیسے ہو (نایابیِ اہلِ درد)

(۲۰)

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

یعنی موت مانع وصال نہیں ہے بلکہ قسمت مانع وصال ہے (گلۂ ناسازگاریٔ قسمت)

تیرے وعدہ پر جیے ہم تو یہ جاں جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

یعنی وعدہ وصل مستلزم شادیٔ مرگ ہے۔ لیکن معشوق کے وعدوں پر کامل اعتبار کہاں (بیان بے وفائی محبوب)

تری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا
کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا

معشوق عہد شکن کی نزاکت نا استواریٔ عہد کی دلیل ہے کہ اگر استوار ہوتا تو ایک نازنین سے ٹوٹنا ممکن نہ تھا (لطیفۂ نا استواریٔ عہد نازنیناں)

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

تیر نیم کش: وہ تیر جو ترازو ہو کر زخم میں رہ گیا ہو۔ یا جسے آدھا کھینچ کر چھوڑ دیا گیا ہو۔ یعنی تیر نیم کش موجب ازدیاد اذیت ہے اور اذیت ہی عاشق کو پسند ہے۔ (ذوق جراحت)

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

یعنی عشق کے باب میں نصیحت نہ تو دوستی ہے نہ چارہ سازی و غمگساری بلکہ وجہ آزار ہے۔ (تلخیٔ پند)

رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو وہ اگر شرار ہوتا

یعنی اگر شرر کی بجائے پتھر میں غم ہو تو پتھر سے بھی لہو نکلے (جانفگاری غم عشق)

غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے
غم عشق اگر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا

یعنی دل ہے تو غم سے مفر نہیں کیونکہ اس کا نام دل ہے چنانچہ دل آنا یعنی عاشق ہونا رہا جاں گسل ہونا سو وہ تو غیر لازمی بات ہے (ناگزیری غم)

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شب غم بری بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

یعنی شب غم تو آئے دن کا مرنا ہے۔ ایک دن کا ہوتا تو کچھ بات نہ تھی۔ (جاودانی غم عشق)

ہوئے ہم جو مر کے رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

یعنی جنازہ و مزار اسباب رسوائی ہو گئے۔ کاش یہ نہ ہوتے (حسرت فنائے مطلق)

اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دو چار ہوتا

یعنی جو یکتا ہے وہ دوچار کیسے ہو (احدیت حق تعالیٰ شانہ)

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

یہ کلام تحسین ہے یعنی تو ولی ہے ماسوائے اس کے کہ تو بادہ خوار ہے۔ (تعلی بہ صورت تجرید)

(۲۱)

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

یعنی مرنے کا خیال نہ ہو تو سب کام بند ہو جائیں۔ واضح ہو کہ جہد للبقا کا منشا ہی اندیشۂ مرگ ہے (جہد للبقا)

تجاہل پیشگی سے مدعا کیا
کہاں تک اے سراپا ناز کیا کیا

یعنی کیا تم نہیں جانتے جو بار بار کیا کہتے ہو یعنی پوچھتے ہو (شکوۂ تغافل)

نوازش ہائے بے جا دیکھتا ہوں
شکایت ہائے رنگیں کا گلا کیا

شکایت رنگیں : محبت بھرا شکوہ یعنی تمہاری مہربانیاں غیر جگہ دیکھ کر شکایت کرتا ہوں تو برا کیوں مانتے ہو (شکوۂ بے التفاتی)

نگاہِ بے محابا چاہتا ہوں
تغافل ہائے تمکیں آزما کیا

کیا : بمعنی بے حقیقت ہے یعنی تغافل صبر آزما تو معمولی بات ہے۔ میں تو تمہیں بے دھڑک دیکھنا چاہتا ہوں جو اس سے بھی زیادہ صبر آزما ہے (تمکینِ شاعر)

فروغِ شعلۂ خس یک نفس ہے
ہوس کو پاسِ ناموسِ وفا کیا

یعنی اہلِ ہوس کی لگن دیرپا نہیں ہوتی جیسے تنکا کہ جلا اور بجھ گیا۔ اہلِ ہوس کو خس کہنا مفید تشبیہ بھی ہے اور معین مقصد بھی (فرق اہلِ وفا و اہلِ ہوس)

نفس موجِ محیطِ بیخودی ہے
تغافل ہائے ساقی کا گلا کیا

یعنی ہماری زندگی ہی سراسر بے خودی ہے۔ ساقی نے شراب نہ دی تو کیا ہوا۔ (بیان بے خودیٔ الست)

دماغِ عطرِ پیراہن نہیں ہے
غمِ آوارگی ہائے صبا کیا

یعنی لوگوں میں خوشبو کا احساس ہی مفقود ہے تو صبا بوئے محبوب لے کر کہیں پھرتی پھرے۔ رشک کیوں کریں (بیان بے بصریٔ اہلِ زمانہ)

دلِ ہر قطرہ ہے سازِ انا البحر
ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

اپنی ہستی کو قطرہ سے تشبیہ دی ہے اور وجہ شبیہ عینیت مبدأ ہے یعنی جس طرح قطرہ کو سمندر ہونے کا دعوے ہے اسی طرح ہم بھی اس کل میں شامل ہیں (ہمہ اوست)

محابا کیا ہے میں ضامن ادھر دیکھ
شہیدانِ نگہ کا خوں بہا کیا

محابا ۔ بمعنی دھڑکا ۔ اندیشہ یعنی تو بے تکلف اپنی نگاہ سے قتل کر

مقتولینِ نگاہ کی دیت نہیں ہوتی۔ (شرحِ جانپاری)

سن اے غارت گرِ جنسِ وفا سن
شکستِ قیمتِ دل کی صدا کیا

یعنی تو نے قابلِ قدر جنسِ وفا کو برباد کیا اور دل کی بے قدری کی۔ دل ٹوٹا۔ اگر آواز ہوتی تو سنائی دیتی۔ تو اس کی آواز نہ سن سکے گا لیکن اس حقیقت کو تو سن سکتا ہے کہ دل کے ٹوٹنے میں آواز نہیں ہوتی اس کو ضرور سن (التجائے التفات)

کیا کس نے جگرداری کا دعوے
شکیبِ خاطرِ عاشق بھلا کیا

یعنی مجھ میں تو تابِ مقاومت ہے نہیں میں نے دعویٰ کیا پھر یہ سختیاں کیوں؟ (التجائے کرم)

یہ قاتل وعدۂ صبر آزما کیوں
یہ کافر فتنۂ طاقت رُبا کیا

پہلا شعر جس مضمون سختی پر مشتمل ہے یہ شعر اس کا بیان ہے۔ یعنی وعدۂ صبر آزما اور فتنۂ طاقت رُبا کیوں ہے جب کہ مجھے دعوئے مقاومت نہیں (شکوۂ ستم)

بلائے جاں ہے غالب اس کی ہر بات
عبارت کیا اشارت کیا ادا کیا

کیا: حرفِ مساوات یعنی اس کا ہر انداز دلستانی میں برابر ہے۔ بقولے

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست (دلگیریٔ حسن)

(۲۲)

درخورِ قہر و غضب جب کوئی ہم سا نہ ہوا
پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا

یعنی میں ستم کشی میں بے نظیر ہوں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ محبوب نے کسی اور کو قہر و غضب کے قابل ہی نہیں سمجھا۔ (ستم کشی عشاق)

بندگی میں بھی وہ آزادہ و خودبیں ہیں کہ ہم
اُلٹے پھر آئے درِ کعبہ اگر وا نہ ہوا

بندگی میں: یعنی عبودیت کے باب میں   یعنی کعبہ کا دروازہ ہمارے لیے خود کھلے تو بات ہے کھلوا کر اندر جانا حمیت آزادمنشی کے منافی ہے۔

(خودداری اہل عشق)

سب کو مقبول ہے دعوے تیری یکتائی کا
رُو برو کوئی بُت آئینہ سیما نہ ہوا

یعنی اور کوئی کیا ہوتا کوئی بت آئینہ سیما بھی تیرے روبرو نہ آسکا۔ بالفاظ دیگر یہ کہ سبھی تیری یکتائی کے قائل ہیں (ہیں کمشدہ شئ) واضح ہو کہ بت آئینہ سیما کا مجرد روبرو ہونا ہی معشوق کی دوئی کو مستوجب ہے

کم نہیں نازشِ ہمنامیِ چشمِ خُوباں
تیرا بیمار بُرا کیا ہے گر اچھا نہ ہوا

ہمنامی: یعنی شرکت در صفت   یعنی تیرا عاشق اور تیری آنکھ بیمار ہونے میں مشترک ہیں۔ یہ اشتراک ہی وجہ صد افتخار ہے۔ اشارہ یہ ہے کہ اگر چشم کا بیمار ہونا

خوبی ہے تو تیرے عاشق کا بیمار کہلانا کیوں برا ہو (فخر ادنیٰ ملابست بہ دلیل کلام شعری)

سینہ کا داغ ہے وہ نالہ کہ لب تک نہ گیا
خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دریا نہ ہوا

یعنی نالہ کو ضبط کیا جائے تو سینہ پر داغ بن جاتا ہے جیسے قطرہ کہ اگر دریا میں نہ مل جائے تو خاک میں جذب ہو کر رہ جاتا ہے (نارسائی نالہ)

نام کا میرے ہے جو دکھ کہ کسی کو نہ ملا
کام میں میرے ہے جو فتنہ کہ برپا نہ ہوا

میرے نام کا ہے: یعنی میرے لیے مخصوص ہے میرے کام میں ہے: یعنی میرے لیے معروف کار ہے

یعنی نہ میرا سا دکھ کسی کو ہے اور نہ میری طرح کوئی مصیبت زدہ ہے (بیان زبوں حالی)

ہر بن مو سے دم ذکر نہ ٹپکے خوں ناب
حمزہ کا قصہ ہوا عشق کا چرچا نہ ہوا

یعنی تذکرہ عشق تو وہ ہے جو دردناک ہو، ورنہ دوسرے واقعات عالم اور واردات عشق میں کیا فرق ہے (المناکی دردِ عشق)

قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل
کھیل لڑکوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

یعنی دیدۂ بینا دراصل وہی ہے جو قطرہ میں دریا اور جزو میں کل دیکھ سکے ایسا نہ ہو تو آنکھ کیا ہے ایک کھلونا بے مصرف ہے۔ (درس فاعتبروا یا اولی الابصار)

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا

یعنی اہل عشق کے امتحان و ابتلا کی خبر بھی اہل زمانہ کے لیے اعلان تماشا ہے

(بے حسی اہل زمانہ)

(۲۳)

اسدؔ ہم وہ جنوں جولاں گدائے بے سر و پا ہیں
کہ ہے سر پنجۂ مژگان آہو پشت خار اپنا

یعنی اسد وہ مجنون صحرا نورد ہے کہ وحشی ہرن بھی اس سے مانوس ہیں یہاں تک کہ اپنی پلکوں سے اس کی پیٹھ کھجلاتے ہیں (مبالغۂ وحشت)

(۲۴)

پئے نذر کرم تحفہ ہے شرم نارسائی کا
بخوں غلطیدۂ صد رنگ دعویٰ پارسائی کا

یعنی میں اپنی نارسائی سے شرمسار ہو کر جو تحفہ محبوب حقیقی کو خوش کرنے کے لیے لایا ہوں وہ میرے صد گونہ دعوائے پارسائی کے خون آلودہ (باطل و مجروح) ہونے کا اعتراف ہے۔ یعنی ہدیہ کرم اعتراف قصور کرتا ہوں۔

عذر تقصیر خدمت آوردم   کہ ندارم بطاعت استظہار   (سعدی)

(اعتراف قصور)

نہ ہو حسن تماشا دوست رسوا بے وفائی کا
بہ مہر صد نظر ثابت ہے دعویٰ پارسائی کا

یعنی اس حسن خودنما کو بے وفائی کا الزام نہیں دیا جا سکتا۔ سیکڑوں نگاہیں اس کی معصومیت کی گواہ ہیں کیونکہ جو سب کی نظروں میں رہتا ہو وہ پارسائی کے خلاف کوئی بات کیسے کر سکتا ہے (بیان پاکی حسن مطلق)

زکوٰۃ حسن دے اے جلوۂ بینش کہ مہر آسا
چراغ خانۂ درویش ہو کاسہ گدائی کا

جلوۂ بینش: بمعنی شاہد محبوب یعنی اے محبوب حقیقی تو اگر اپنے حسن تاباں سے فیض یاب کر دے تو میرا کاسۂ گدائی (ظرف طلب) سورج کی طرح منور ہو کر میرے کاشانے کو روشن کر دے۔ واضح ہو کہ فقیر کے گھر کا چراغ سورج ہی ہوتا ہے۔

(تمنائے فیض حسن ازلی)

نہ مارا جان کر بے جرم قاتل تیری گردن پر
رہا مانند خون بے گنہ حق آشنائی کا

"تیری گردن پر" متعلق فعل "رہا" یعنی آشنا کو معشوق کے ہاتھوں قتل ہونے کا حق ہے لیکن تو نے یہ حق ادا نہ کیا (شوق جاں سپاری)

تمنائے زباں محو سپاس بے زبانی ہے
مٹا جس سے تقاضا شکوۂ بے دست و پائی کا

بے دست و پائی: بمعنی معذوری و مجبوری یعنی بے زبانی کا شکر گزار ہوں کہ اب معذوری و مجبوری کی شکایت کرنے کو کوئی نہیں رہے گا اور اس شکر گزاری میں اس قدر محو ہوں کہ زبان پانے کی تمنا بھی بھول گیا۔

(تحسین صبر و شکیب)

وہی ایک بات جو یاں نفس واں نکہتِ گل ہے
چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگیں نوائی کا

یعنی باغ کے نظارے سے متاثر ہو کر رنگین نوا ہو گیا ہوں ورنہ میرے شعر بے رنگ و بو ہوتے۔ پہلا مصرعہ اس حقیقت کی تشبیہ ہے۔ (فیض حسن)

دہانِ ہر بتِ پیغارہ جو زنجیرِ رسوائی
عدم تک بے وفا چرچا ہے تیری بے وفائی کا

پیغارہ جو: یعنی طعنہ خُو یعنی معشوق جو خود بے وفا ہوتے ہیں ان کے لبوں پر بھی تیری بے وفائی کا چرچا ہے۔ گویا لب ہائے بتانِ طعنہ خُو، رسوائیوں کا ایک سلسلہ ہیں اور چونکہ لب ہائے معشوق کی صفت معدوم ہوتا ہے اس لیے گویا عدم تک تیری رسوائی کا چرچا ہے۔ (بیان بے وفائی معشوق)

نہ دے نامہ کو اتنا طول غالب مختصر لکھ دے
کہ حسرت سنج ہوں عرضِ ستم ہائے جدائی کا

یعنی صرف یہ لکھ دینا کافی ہے کہ عرض مصائب فراق کی حسرت پوری نہ ہو سکی کیونکہ اگر چاہوں کہ سب کچھ لکھ دیا جائے تو یہ ممکن نہیں کیونکہ مدت ہجراں اتنی طویل ہے کہ اس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ (بیان طول مدت فراق)

(۲۵)

گر نہ اندوہِ شبِ فرقت بیاں ہو جائے گا
بے تکلف داغِ مہ مُہرِ دہاں ہو جائے گا

یعنی اگر شبِ فرقت کا غم بیان میں نہ آیا اور میں نے منہ پر مہر لگنے دی تو یہ مہر

چاند کے داغ کی مانند قائم اور سب پر عیاں ہو جائے گا یعنی خاموشی ہی سب راز ظاہر کردے گی (استعارہ اخفائے سرِ عشق)

زہرہ گر ایسا ہی شامِ ہجر میں ہوتا ہے آب
پرتوِ مہتاب سیلِ خانماں ہو جائے گا

سیلِ خانماں: استعارہ ہے غمِ دل گداز سے یعنی اگر شامِ جدائی اس طرح پتّے کو پانی بناتی رہی تو چاندنی جس سے حالتِ فراق موجبِ مزید کرب ہو جاتی ہے۔ سیلاب خانہ برانداز ہو جائے گی (زہرہ گدازیٔ فراق)

لے تو لوں سوتے میں اس کے پاؤں کا بوسہ مگر
ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جائے گا

یعنی پھر بے خبری میں بھی قرب کا موقع نہ دے گا (تنک مزاجیٔ معشوق)

دل کو ہم صرفِ وفا سمجھے تھے کیا معلوم تھا
یعنی یہ پہلے ہی نذرِ امتحاں ہو جائے گا

یعنی خیال یہ تھا کہ دل بکارِ وفا صرف کریں گے لیکن ہنوز امتحانِ صلاحیتِ وفا ہی تھا کہ دل کا کام تمام ہو گیا۔ (جاں لبِ وفا)

سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا
مجھ پہ گویا اک زمانہ مہرباں ہو جائے گا

یعنی تو مہرباں تو کل مہرباں "فسیکفیکہم اللہ" (کفایتِ محبوبِ حقیقی)

گر نگاہِ گرم فرماتی رہی تعلیمِ ضبط
شعلہ خس میں جیسے خوں رگ میں نہاں ہو جائے گا

نگاہِ گرم: یعنی نظرِ عتاب   یعنی اگر تو نے تفتہ جگروں کو فریاد کی اجازت نہ دی تو جل کر بھی تنکے میں شعلہ نہ پیدا ہوگا بلکہ اس طرح چھپ جائے گا جیسے رگوں میں خون مخفی ہے (بیانِ ضبطِ قہرِ محبوب)

باغ میں مجھ کو نہ لے جا ورنہ میرے حال پر
ہر گلِ تر ایک چشمِ خونفشاں ہو جائے گا

تشبیہِ گلِ تر بچشمِ خونفشاں۔ یعنی میری حالت ایسی ہے کہ اہلِ عیش و نشاط کو بھی وقفِ حزن و ملال بنا دیتی ہے (بیانِ افسردہ خاطری)

وائے گر میرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو
اب تلک تو یہ توقع ہے کہ واں ہو جائے گا

یعنی شاعر موجودہ ناکامیوں سے اتنا مایوس ہے کہ اسے اندیشہ ہے کہ شاید حشر میں بھی جور و جفا ہی سہنا پڑے۔ (انتہائے یاس)

فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی ہے دانا اسدؔ
دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائے گا

یعنی دانائی کا تقاضا تو یہ تھا کہ نادان (یعنی جس کو حالِ عاشقی کی پروا نہ ہو) کی دوستی سے پرہیز کیا جائے کہ اس میں جان کا زیان ہے۔ لیکن شاعر نے ترکِ عشق بخوفِ زیانِ جان کا ذکر کر کے خود ہی اپنے خیال کی کمزوری ظاہر کی ہے۔ کیونکہ دوستی میں زیانِ جان کا اندیشہ عبث ہے۔ (فریبِ خویشتن یا زیانِ نادان دوستی)

(۲۶)

درد منت کشِ دوا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا

حقیقت یہ ہے کہ درد عشق دور ہونے والا تھا ہی نہیں لیکن شاعر یہ کہہ کر کہ اچھا ہوا درد نہ گیا خود کو تسکین دیتا ہے (فریب خویشتن) یا یہ کہ شاعر درد عشق کا طالب ہے لیکن اس کے لیے بہانہ صرف یہ ہے کہ خوب ہوا اگر دوا کا احسان نہ ہوا (ذوق عاشقی)

جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو
اک تماشا ہوا گلا نہ ہوا

شاعر کو گلہ کا شکوہ نہیں رقیبوں کی موجودگی کا شکوہ ہے کہ یہ کیفیت رقیبوں سے تعلق ظاہر کرتی ہے (رشک)

ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں
تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا

یعنی تیرا خنجر نہ آزمانا کمال بدقسمتی ہے (شوق جاں سپاری)

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب
گالیاں کھا کے بدمزا نہ ہوا

گالیاں عاشق کو کڑوی لگتی ہی نہیں لیکن تیرے لبوں میں ایسی شیرینی ہے کہ رقیب بوالہوس کو بھی بری نہ لگیں (شیرینیٔ دشنام معشوق)

ہے خبر گرم ان کے آنے کی
آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

بے سروسامانی کی انتہا۔ نہ صرف یہ کہ شاعر کے پاس بوریا نہیں بلکہ یہ کہ بوریا کے سوا اور کسی سامان کو جانتا ہی نہیں۔ گویا بوریا ہی اس کا سب سے بہتر سامان تعیش ہے۔ یہ مدعا نہ نکلتا اگر بوریا بصورت حصر ہوتا یعنی بوریا تک بھی کہا جاتا۔
(بے سروسامانی عاشق)

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی
بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

وہ، اضمار قبل الذکر ہے جس کا مرجع بندگی ہے۔ یعنی میری بندگی بھی ایسی حیثیت تھی جیسی نمرود کی خدائی کہ اس میں کوئی خیر نہ تھی (اشاعت نیاز مندی)

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

یعنی انسان جان دے کر بھی حق طاعت گزاری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔

(عجز عبودیت)

زخم گر دب گیا لہو نہ تھما
کام گر رُک گیا روا نہ ہوا

مقابلہ زخم بکار بستہ یعنی زخم تو دب جانے پر اور بہتا ہے مگر کام رُک جانے پر آگے نہیں چلتا۔ حالانکہ تکلیف دینا میں دبا ہوا زخم اور رکا ہوا کام دونوں برابر ہیں (بیانِ ناکامی)

رہزنی ہے کہ دلستانی ہے
لے کے دل، دلستاں روانہ ہوا

دلستانی کو رہزنی بھی کہتے آئے ہیں لیکن تشبیہ کی یہ وجہ کسی کے پیش نظر نہ تھی یعنی دل لے کر تو کون اور میں کون والا معاملہ ہے (شکوہ تغافل)

کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں
آج غالب غزل سرا نہ ہوا

یہ شعر محفل مشاعرہ کے اس گوشہ کا نقش کھینچتا ہے جہاں شاعر متمکن ہے یعنی لوگ شعرِ غالب کے طالب ہیں۔ (پذیرائی اشعارِ غالب)

(۲۷)

گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگیٔ جا کا
گہر میں محو ہوا اضطراب دریا کا

دل کو گہر سے اور ہیجانِ شوق کو اضطرابِ دریا سے تشبیہ دی ہے اور شکوہ یہ ہے کہ شوق دل میں (باوجود وسعت کے) نہیں سما سکتا حالانکہ موتی میں دریا سمایا ہوا ہے۔ بقول:

دلِ آسودۂ ما شورِ امکاں در نظر دارد
گہر دزدیدہ است اینجا عنانِ ضبطِ دریا را (بیدل)

(فراوانیِ شوق)

یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخِ مکتوب
مگر ستم زدہ ہوں ذوقِ خامہ فرسا کا

ذوقِ خامہ فرسا: (مرکب توصیفی) یعنی وہ شوق جو نامہ نگاری پر مجبور کر دے یعنی شوق سے مجبور ہو کر خط لکھا والا جواب کی توقع معلوم (مجبوریِ شوق)

حنائے پائے خزاں ہے بہار اگر ہے یہی
دوامِ کلفتِ خاطر ہے عیشِ دنیا کا

تشبیہ بہار با حنائے پائے خزاں تشبیہ بدیع و لطیف ہے یعنی در اصل بہار بھی خزاں ہی کے لوازم میں سے ہے۔ گویا خزاں ہی خزاں ہے بہار صرف ایسی ہے جیسے خزاں نے مہندی لگا رکھی ہے والا عیشِ دنیا کلفتِ دوام ہے (جاودانیِ غم)

غمِ فراق میں تکلیفِ سیرِ باغ نہ دو
مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بیجا کا

یعنی فراق زدہ کے لیئے خندہ ہائے گل خندہ ہائے بیجا کی طرح ناگوار خاطر ہوتے ہیں۔ (بیانِ افسردگیِ خاطر)

ہنوز محرمیِ حسن کو ترستا ہوں
کرے ہے ہر بُنِ مُو کام چشمِ بینا کا

یعنی سراپائے بینش و دانش ہو کر بھی معرفت کامل حاصل نہ ہوئی۔ وما عرفنک حق معرفتک (شرح)

دل اس کو پہلے ہی ناز و ادا سے دے بیٹھے
ہمیں دماغ کہاں حُسن کے تقاضا کا

یعنی ناز و ادا مطالبۂ دل کے لیے تقاضا کی مانند ہیں۔ اور ہم کسی کا تقاضا سننا گوارا نہیں کرتے جبھی تو ہم نے ناز و ادا سے پہلے ہی دل حوالہ کر دیا۔ (عشق آمادگیِ شاعر)

نہ کہہ کہ گریہ بمقدارِ حسرتِ دل ہے
مری نگاہ میں ہے جمع و خرچ دریا کا

جمع و خرچ: یعنی بساط، پونجی، سرمایہ۔ میری نگاہ میں ہے: یعنی میرے علم یا میری نظر میں ہے۔ یعنی میں خوب جانتا ہوں کہ دریا کی بساط کیا ہے؟ کہ میرے حسبِ دلخواہ گریہ کے برابر نہیں۔ (مبالغۂ گریہ)

فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں اس کی یاد اسدؔ
جفا میں اس کی ہے انداز کار فرما کا

یعنی آسمان کے جور و ستم کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے۔ گویا جفائے بے پایاں سے ذاتِ بے پایاں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ (بہار دوست)

(۲۸)

قطرۂ مے بسکہ حیرت سے نفس پرور ہوا
خطِ جامِ مے سراسر رشتۂ گوہر ہوا

نفس پرور: یعنی ساکت و صامت۔ غالب نے اس شعر کی خود شرح لکھی ہے کہ "قطرہ جو ٹپکنے میں بے اختیار ہے افراطِ حیرت سے ٹپکنا بھول گیا اور برابر بوندیں جو تھم کر رہ گئیں تو پیالے کا خط اس تاگے کی صورت بن گیا جس میں موتی پروئے گئے ہوں"۔ لیکن اس تشریح سے بھی حیرتِ قطرہ کی وجہ ظاہر نہیں ہوئی۔ ممکن ہے کہ تابانی کو حیرت سے تعبیر کیا ہو اور حیرت کو نفس پروری کا موجب گردانا ہو۔ (لطافتِ بادہ)

اعتبارِ عشق کی خانہ خرابی دیکھنا
غیر نے کی آہ لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا

یعنی اسے میرے عشق پر ایسا اعتبار ہے کہ غیر کی آہ کو بھی میری سمجھ لیتا ہے اور یہی موجبِ خفگی بن جاتا ہے۔ (اعتبارِ عشق شاہد)

(۲۹)

جب بہ تقریبِ سفر یار نے محمل باندھا
تپشِ شوق نے ہر ذرہ پہ اک دل باندھا

تاکہ دل ذروں کے ساتھ اڑ کر محمل تک پہنچ سکے۔ (شوقِ بے پایانِ وصال)

اہلِ بینش نے بہ حیرت کدۂ شوخیِ ناز
جوہرِ آئینہ کو طوطیِ بسمل باندھا

اہلِ بینش: یعنی اربابِ مشاہدہ یا سخنور۔ باندھنا: باصطلاحِ شعرا تشبیہ دینا۔ یعنی جوہرِ آئینہ کو طوطیِ بسمل سے مشابہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ جوہرِ آئینہ بھی کشتۂ شوخیِ ناز ہو کر طوطیِ بسمل سے مشابہ ہے۔ بقول:

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں   تڑپے ہے مرغِ قبلہ نما آشیانہ میں

(جہانگیری محی)

یاس و امید نے یک عربدہ میداں مانگا
عجزِ ہمت نے طلسمِ دلِ سائل باندھا

طلسمِ دلِ سائل: مصرعِ اول کا بیان ہے۔ طلسم: یعنی اعجوبہ کاریِ خیالہائے موہومہ۔ یعنی سائل کا دل عجیب و غریب خیالات کا مجموعہ ہوتا ہے جو یاس و امید کا میدانِ جنگ بن جاتا ہے اور یہ سب کچھ عجزِ ہمت کے نتائج میں سے ہے (خوف و رجائے اہلِ اشتیاق)

نہ بندھے تشنگیِ ذوق کے مضموں غالب
گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا

دل کھول کر: یعنی مبالغہ کے ساتھ۔ یعنی شوق کی تشنگی اس غضب کی ہے کہ اس کا مضمون بیان کرنے میں مبالغہ کے ساتھ دریا کو بھی ساحل کی طرح خشک آپ ہی نے قرار دیا پھر بھی مضمون ادا نہ ہوا۔ گویا جس کی تشنگی کے بیان میں یہ کیفیت ہو اس کے مقابلہ میں دریا کو خشک قرار دیا جائے تو اس تشنگی کا کیا عالم ہوگا (مبالغۂ شوق)

(۳۰)

میں اور بزم مے سے یوں تشنہ کام آؤں؟
گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا

میرے خیال میں شعر کا مطلب یہ ہے کہ میں تشنہ کام واپس نہیں آیا۔ میں نے نہیں پی ساقی نے پلا دی۔ پہلا مصرعہ استفہام انکاری ہے۔ بہ بیان کرم ساقی۔ بالعموم اس شعر کا وہ مطلب بیان کیا جاتا ہے جو لالہ خاتون کے اس شعر میں ہے ؎

من اگر توبہ زمی کردہ ام اے سرو سہی   تو خود ایں توبہ نہ کردی کہ مرا می ندہی

یعنی افسوس ہے کہ ساقی نے بھی نہ پلائی۔ مضمون معرفت کا پہلو یہ ہے کہ خدا بھی نہ چاہے تو توفیق عمل کیوں کر ہو۔ دوسرے معنی یہ کیے جا سکتے ہیں کہ گو میں مستحق نہیں وہ تو کریم ہے۔

ہے ایک تیر جس میں دونوں چھدے پڑے ہیں
وہ دن گئے کہ اپنا دل سے جگر جدا تھا

دل کے تاثرات ایجابی ہوتے ہیں اور جگر کے انتزاعی چنانچہ امور خیر کی پیش آمد سے دل متاثر ہوتا ہے اور ان کے عدم سے جگر لیکن عشق، مرغوب کو سامنے لاتا ہے اور مرغوب سے محروم کر دیتا ہے۔ لہٰذا دونوں ہی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ پس تیر سے مراد تیر عشق ہے۔ یعنی عشق سے دل و جگر دونوں ماؤف ہیں۔ درماندگی عشق

درماندگی میں غالب کچھ بن پڑے تو جانوں
جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا

یعنی اب کہ مشکلات درپیش ہیں ان کے حل کے اسباب معدوم ہیں۔ درماندگی عشق،

(۳۱)

گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو ویراں ہوتا
بحر گر بحر نہ ہوتا تو بیاباں ہوتا

یعنی بربادی، گھر کی قسمت میں ہے کیونکہ عاشق دو حال سے خالی نہیں۔ گھر میں ہے تو اشک بار، باہر ہے تو صحرا نورد۔ گھر دونوں حال میں ویران رہتا ہے (دیوانگیِ عاشق)

تنگیِ دل کا گلہ کیا یہ وہ کافر دل ہے
کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا

تنگیِ دل: یعنی ملال   یعنی دل کی قسمت میں تنگی و پریشانی کے سوا کچھ نہیں۔ (دوامِ غمِ عشق)

بعد یک عمر ورع بار تو دیتا بارے
کاش رضواں ہی درِ یار کا درباں ہوتا

یک عمر ورع: یعنی عمر بھر کی پرہیزگاری   یعنی رضواں اگر درِ یار کا درباں ہوتا تو درِ یار جنت ہوتا اور پرہیزگاری کے بعد اس میں بار پانا آسان ہوتا لیکن اب تو درِ یار میں گزر کسی صورت ممکن نہیں (نارسائی درِ محبوب)

(۳۲)

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

ہونا: یعنی حدوث   اور ظاہر ہے کہ حادثات میں سے کوئی خدا نہیں

مطلب یہ ہے کہ میں حادث نہ ہوتا تو خدا ہوتا۔

بشنو از نے چوں حکایت میکند   از جدائیہا شکایت میکند (رومی)

کل شیءٍ ھالک الا وجھہ (رنگِ وجود)

ہوا جب غم سے یوں بے حس تو غم کیا سر کے کٹنے کا
نہ ہوتا گر جدا تن سے تو زانو پر دھرا ہوتا

یعنی وہ سر جو احساسِ غم سے خالی اور وقفِ غم و الم ہوا اس کا باقی رہنا اور کٹ جانا ایک سی ہی بات ہے۔ سر بنا اور رہنے سے مر جانا کیا برا ہے (جاں گدازی الم)

ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے
وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

ہر بات پر یوں ہوتا تو کیا ہوتا کہنا دلیل ہے حرماں نصیبی کی۔ یعنی غالب کی حرماں نصیبی کو بھلایا نہیں جا سکتا۔ (بیانِ حسرت و نامرادی)

(۲۳)

یک ذرۂ زمیں نہیں بے کار باغ کا
یاں جادہ بھی فتیلہ ہے لالے کے داغ کا

شعر کے معنی یہ ہیں کہ باغ کی روشوں کو بھی پھولوں کے رنگ روپ میں دخل ہے اور وجہ یہ ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ برسرِ پیکار رہتا ہے تب کوئی شے معرضِ وجود میں آتی ہے۔ (سلسلۂ علت و معلول)

بے مے کسے ہے طاقتِ آشوبِ آگہی
کھینچا ہے عجزِ حوصلہ نے خطِ ایاغ کا

یعنی شراب پیئے بغیر چودہ طبق روشن نہیں ہوتے لیکن حوصلے میں بالعموم کمی ہے اس لیے جامِ شراب پر خطوطِ مقداری کھینچے ہوتے ہیں کہ پیمانۂ بے مقدار میکشیٔ معرفت سے تجلیٔ عرفاں، قوتِ تحمل سے باہر ہو جائے۔ (تفاوتِ ظروفِ سالک)

بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل
کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

یعنی عشق دیوانہ پن ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ بلبل کی باتوں پر پھول ہنستے ہیں۔ (طنز پر اختیارِ عشق)

تازہ نہیں ہے نشۂ فکرِ سخن مجھے
تریاکیِ قدیم ہوں دودِ چراغ کا

تریاکی: وہ شخص جسے عادتِ نشہ ہو۔ یعنی میں دودِ چراغ کا نشہ کرتا ہوں گویا فکرِ سخن کوئی نئی بات نہیں ہے۔ راتوں کو فکرِ سخن کا عادی ہوں۔ (ذوقِ شاعری)

سو بار بندِ عشق سے آزاد ہم ہوئے
پر کیا کریں کہ دل ہی عدو ہے فراغ کا

یعنی طبیعت عاشقانہ پائی ہے۔ (نسبتِ فطری بعشق)

بے خونِ دل ہے چشم میں موجِ نگہ غبار
یہ میکدہ خراب ہے مے کے سراغ کا

یعنی آنکھ کی قدر خونِ دل سے ہے ورنہ آنکھوں میں خاک اڑنے لگتی ہے چنانچہ یہ میکدۂ چشم خون کی نایابی سے ویران ہے۔ اب دل میں خون نہیں تو رونقِ چشم کیونکر ہو۔ (ذوقِ گریہ)

باغِ شگفتہ تیرا بساطِ نشاطِ دل
ابرِ بہار خمکدہ کس کے دماغ کا

یعنی میرے دل کی مسرتیں تو تیری بہارِ حسن سے ہیں۔ دماغ میخانہ یا ابرِ بہار کا آنا سو وہ کتنا ہی دل پسند ہو میری طبیعت سے لگا نہیں کھا سکتا۔ (عشق بے لوث)

(۳۴)

وہ میری چینِ جبیں سے غمِ پنہاں سمجھا
رازِ مکتوب بہ بے ربطیٔ عنواں سمجھا

چینِ جبیں کو بے ربطی عنوان سے اور غمِ پنہاں کو رازِ مکتوب سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی میری صورت سے میرا غم آشکار ہے۔ (خستہ حالیٔ عاشق)

یک الف بیش نہیں صیقلِ آئینہ ہنوز
چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

یعنی ابھی آئینۂ قلب پر جلائے عقل کی ایک لکیر سی نظر آئی تھی کہ میں اسے گریبان سمجھ کر پھاڑنے میں مصروف ہوں۔ (کمالِ جنون و عقل دشمنی)

شرحِ اسبابِ گرفتاریٔ خاطر مت پوچھ
اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا

زندان کا تنگ ہونا، کنایہ ہے آلامِ زنداں سے۔ یعنی دل کے گرفتارِ الم ہونے کا بیان کیا کروں دل ایسا تنگ ہے کہ قید خانہ معلوم ہوتا ہے۔ (تنگیٔ خاطر)

بدگمانی نے نہ چاہا اسے سرگرمِ خرام
رُخ پہ ہر قطرہ عرق دیدۂ حیراں سمجھا

یعنی غمزۂ شوق، دیدۂ حیراں کے شایاں ہے اور میں نہیں چاہتا کہ کسی کی نگاہ تو کیا نگاہ سے شاید بھی کوئی چیز اس کے چہرہ پر پڑے اس لیے اس کا سرگرم خرام ہونا مجھے بہت پسند نہیں۔ عشق است و ہزار بدگمانی (مبالغۂ رشک)

عجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بدخو ہوگا
نبض خس سے تپش شعلۂ سوزاں سمجھا

یعنی میری سوختہ جانی اس کی بدخوئی و تندمزاجی کی دلیل ہے جس طرح نبض خس کی کمزوری شدت تپ شعلہ کی دلیل ہے کیونکہ نبض کمزور ہو تو سمجھو کہ تپ شدید ہے۔
(زورِ جنونِ عشق)

سفر عشق میں کی ضعف نے راحت طلبی
ہر قدم سائے کو میں اپنے شبستاں سمجھا

یعنی ضعف کا تقاضا تھا کہ آرام کیجیے لیکن سفر عشق میں اپنے سایۂ قد کے سوا شبستاں کہاں۔ میں نے اسی کو سامان راحت سمجھ لیا۔ (خوگریٔ الم)

تھا گریزاں مژۂ یار سے دل تا دم مرگ
دفع پیکان قضا اس قدر آساں سمجھا

یعنی مژۂ یار پیکان قضا تھا اس سے بچنا کیا آسان تھا۔ آخر قضا آ کر ہی رہی۔
(بے پناہی تیر نظر)

دل دیا جان کے کیوں اس کو وفادار اسدؔ
غلطی کی کہ جو کافر کو مسلماں سمجھا

یعنی معشوق کو وفادار سمجھنا کافر کو مسلمان سمجھنے کے برابر ہے (ندامت اعتماد عشق)

(۳۵)

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا
دل جگر تشنۂ فریاد آیا

جگر تشنہ: بمعنی عطشان بمعنی سخت پیاسا   یعنی دل فریاد کا پیاسا ہوا اس پیاس کو دیدۂ تر ہی سے بجھایا جا سکتا تھا۔ چنانچہ میں مصروفِ گریہ ہو گیا (شوقِ گریہ)

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز
پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا

یعنی تیرا سفر قیامت تھا ہی اب وقتِ سفر کا یاد آنا بھی قیامت ہے (صدمۂ فراق)

سادگی ہائے تمنا یعنی
پھر وہ نیرنگِ نظر یاد آیا

نیرنگِ نظر: بمعنی نظر فریب   یعنی تمنا کیسی نادان ہے کہ بار بار ہوئے جاتی ہے۔ اس مضمون میں تین احتمال ہیں کہ ایک تمنا پوری ہو چکی پھر نئی تمنا ہے۔ دوسرا یہ کہ تمنا پوری ہی نہ ہوئی لیکن جاری ہے۔ تیسرا سبب ہے تو یہ کہ پہلی بار دیکھنے کا کیا حشر ہوا تھا۔ اب پھر حسرتِ دید ہے۔ نہ معلوم اب دل پر کیا گزرے بہرحال سادہ لوحی تمنا ظاہر ہے۔ (حسرتِ دید)

عذرِ واماندگی اے حسرتِ دل
نالہ کرتا تھا جگر یاد آیا

کرتا تھا: بمعنی کرنے والا تھا۔ یعنی اے دل تیری حسرت نالہ و فریاد کو پورا کرنے سے معذور ہوں۔ آمادۂ نالہ تھا کہ جگر کا خیال آ گیا کہ وہ شق ہو جائے گا۔ یا یہ کہ وہ ہے .

ہی نہیں کس برتے پر تتا پانی۔ (مجبوریٔ ضبطِ گریہ)

زندگی یوں بھی گزر ہی جاتی
کیوں ترا راہگذر یاد آیا

یعنی نہ وصال ہوا نہ موت سے نجات ہوئی تری راہگذر میں، تو بجز مصائب کے اور کیا رکھا ہے۔ (نامرادیٔ عشق)

کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی
گھر ترا خلد میں گر یاد آیا

خلد کہتے ہیں اس جگہ کو جہاں سے نکلنا نہ ہو یعنی میں وہاں سے نکلنا چاہوں گا کہ تیرے گھر پر آجاؤں اور رضوان اجازت نہ دے گا۔ (لذتِ کوئے یار)

آہ وہ جرأتِ فریاد کہاں
دل سے تنگ آکے جگر یاد آیا

یعنی اتنا جگرا کہاں سے لاؤں کہ آہ کروں۔ جس بات کو دل چاہے اور حوصلہ نہ ہو تو کیسی مایوسی ہوتی ہے۔ (عجزِ حوصلہ)

پھر ترے کوچہ کو جاتا ہے خیال
دلِ گم گشتہ مگر یاد آیا

دل کا یاد آنا دردِ عشق کا احساس ہوتا ہے اس احساس کے ساتھ کوچۂ جاناں کی یاد بھی لازمی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے اور دلِ گم گشتہ کی یاد کے ساتھ کوچۂ جاناں کی یاد اس حقیقت کی تعبیر ہے۔ نیز اس جگہ کا یاد آنا قدرتی امر ہے جہاں کوئی متاعِ عزیز گم ہوئی ہو۔ (وارداتِ عشق)

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

یعنی گھر ایسا ویران ہے جیسے دشت (خانہ ویرانیٔ عاشق)

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسدؔ
سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

مصرعِ اولیٰ کا مضمون تعبیر ہے عہدِ طفلی سے یعنی بچپن ہی سے مجھے جنونِ عشق کا احساس تھا۔ (مناسبتِ ازلی با عشق)

(۳۶)

ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا
آپ آتے تھے مگر کوئی عناں گیر بھی تھا

عاشق کو بدگمانی ہے کہ رقیب مانعِ وصال ہے۔ (عشق است و ہزار بدگمانی)

تم سے بے جا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ
اس میں کچھ شائبۂ خوبیٔ تقدیر بھی تھا

خوبیٔ تقدیر = طنزاً بدقسمتی یعنی سب قسمت کی خوبیاں ہیں تمہارا کیا گلہ (رفعِ الزام)

تو مجھے بھول گیا ہو تو پتا بتلا دوں
کبھی فتراک میں تیرے کوئی نخچیر بھی تھا

یعنی میں تیرا صید از یاد رفتہ ہوں۔ (شکوۂ بے خبری)

قید میں ہے ترے وحشی کو وہی زلف کی یاد
ہاں کچھ اک رنجِ گرانباریٔ زنجیر بھی تھا

یعنی قید میں یادِ زلف غالب ہے اس قدر کہ زنجیر کی اذیت یوں ہی سی محسوس ہوتی تھی۔ (محویتِ غمِ عشق)

بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا
بات کرتے کہ میں لب تشنۂ تقریر بھی تھا

یعنی اک جھلک سے کیا تسلی ہو بات چیت بھی تو ہوتی۔ (حسرتِ وصال)

یوسف اس کو کہوں اور کچھ نہ کہے خیر ہوئی
گر بگڑ بیٹھے تو میں لائقِ تعزیر بھی تھا

یعنی حقیقت یہ ہے کہ اسے یوسف کہنا بھی باعثِ ہتک تھا (مبالغہ حسنِ معشوق) ۔

دیکھ کر غیر کو ہو کیوں نہ کلیجا ٹھنڈا
نالہ کرتا تھا و لے طالبِ تاثیر بھی تھا

نالہ کے ساتھ طالبِ تاثیر ہونا اس کا ثبوت ہے کہ نالۂ رقیب بے اثر رہا اور یہ کیفیت وجہِ اطمینانِ خاطر ہے۔ (رشک)

پیشے میں عیب نہیں رکھیے نہ فرہاد کو نام
ہم ہی آشفتہ سروں میں وہ جواں میر بھی تھا

۔ جواں میر ، بمعنی جواں مرگ یعنی سنگ تراشی مانعِ عاشقی نہیں (خود سریٔ عشق

ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ سہی
آخر اس شوخ کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا

یعنی اگر مجھے قتل کرنے کے لیے بھی قریب آنا گوارا نہ تھا تو دور سے ہی کوئی نہ کوئی تیر چلا دیتا (شوقِ جاں سپاری)

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا!

دوسرا مصرعہ استفہام انکاری ہے۔ انسان کی مجبوریوں پر ایک شوخی آمیز طنز ہے کہ ہم ہر طرح سے مجبور ہیں۔ (مجبوری انسان)

ریختہ کے تمہیں استاد نہیں ہو غالب
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

یعنی میر بھی ایک استاد فن شعر ہو گزرا ہے۔ (اعتراف استادی میر یا اظہار ہمپائگی میرا)

(۲۷)

لب خشک در تشنگی مردگاں کا
زیارت کدہ ہوں دل آزردگاں کا

خود کو لب خشک اور زیارت کدہ سے تشبیہ دی ہے۔ وجہ شبہ اول میں تحیر ظاہر ہے اور دوم میں تقدس باطن۔ یعنی میری حالت اظہار حسرت میں لب خشک کی مانند ہے اور میری عاشقی اس درجہ کی ہے کہ عشاق میری زیارت کرتے ہیں۔ (بیان حسرت و تقدم عشق خویشتن)

ہمہ ناامیدی ہمہ بدگمانی
میں دل ہوں فریب وفا خوردگاں کا

پہلا مصرعہ تمام تر وجہ شبہ ہے۔ تشبیہ شاعر با دل فریب خوردہ ہیں۔ یعنی میں ناامیدی و بدگمانی سے پر ہوں (واردات عشق)

(٣٨)

تو دوست کسی کا بھی ستمگر نہ ہوا تھا
اوروں پہ ہے وہ ظلم جو مجھ پہ نہ ہوا تھا

"اوروں پر" متعلق ہے فعل "نہ ہوا تھا" کا۔ مصرعہ ثانی کی نثر یہ ہے، وہ ظلم جو مجھ پہ ہے اوروں پہ نہ ہوا تھا اور شعر کا یہی مطلب ہے۔ (شکوۂ بے مہری معشوق)

چھوڑا مہِ نخشب کی طرح دستِ قضا نے
خورشید ہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا

یعنی جس طرح ماہِ نخشب اصل چاند کے سامنے ناقص تھا اسی طرح خورشید بھی نہ ٹھہر سکتا اگر اس کے رخ کے سامنے ہو جاتا۔ اس کو تو دستِ قضا نے اس وقت چھوڑا باہر نکالا جبکہ تیرے چہرے کے مقابل نہ ہوا تھا۔ ماہِ نخشب ایک کیمیاوی طریقہ پر تیار کیا ہوا مصنوعی چاند جس کو حکیم ابن عطا المعروف بہ ابن مقنع یا ابن المقنع نے استدراجاً چاہِ نخشب سے نکالا تھا۔ (صفت رخسارِ تاباں)

توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ جو گوہر نہ ہوا تھا

یعنی قطرۂ اشک قطرۂ گوہر سے زیادہ عالی ہمت ہے کہ اس نے گوہر بننا نہ چاہا بلکہ آنسو بنا کر آنکھوں میں جگہ پائی ورنہ دریا میں جاتا۔ (گراں قدری اشک)

جب تک کہ نہ دیکھا تھا قدِ یار کا عالم
میں معتقدِ فتنۂ محشر نہ ہوا تھا

یعنی قد قیامت ہے بقول؛

قیامت کا اگر قائل نہیں ہے   خرامِ ناز تو باطل نہیں ہے۔
(نکتہ: شارح نیاز مند کے والد کا تخلص)   (تشبیہ با قیامت)

میں سادہ دل، آزردگیٔ یار سے خوش ہوں
یعنی سبقِ شوقِ مکرر نہ ہوا تھا

یعنی میری سادہ لوحی (نادانی) دیکھیے کہ بدیں خیال کہ بار بار میرا شوقِ عرضِ حال پورا ہو، میں اس کی ناراضگی سے خوش ہوں۔ حالانکہ یہ سادہ لوحی ہے یعنی اس کی ناراضگی کا جھیلنا بھی کونسا آسان کام ہے۔ (نازک مزاجیٔ محبوب)

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک
میرا سرِ دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

یعنی تمام گناہ ختم ہو گئے اور ہنوز ہوسِ گناہ باقی ہے۔ (اعترافِ کثرتِ گناہ)

جاری تھی اسدؔ داغِ جگر سے مری تحصیل
آتشکدہ جاگیرِ سمندر نہ ہوا تھا

یعنی آگ کھانے والا کیڑا (سمندر) آگ میں پیدا بھی نہ ہوا تھا کہ میں اسی وقت سے داغِ جگر سے سوز حاصل کر رہا ہوں۔ مراد یہ ہے کہ سوزِ عشق میرا جزوِ ازلی ہے۔

بقول: تھی ابھی ہونے کو باقی کائناتِ عقل و ہوش
تیرے مستوں نے جبھی سے ترکِ تقویٰ کر دیا (شارح)
(رابطۂ ازلی با عشق)

(۳۹)

شب کہ وہ مجلس فروزِ خلوتِ ناموس تھا
رشتۂ ہر شمع خارِ کسوتِ فانوس تھا

یعنی رات کو جب کہ وہ خلوت گاہِ ناز میں جلوہ افروز تھا شمع کی بتی لباس (غلاف) فانوس میں کانٹے کا کام کر رہی تھی گویا رشک سے شمع کانٹوں پر لوٹ رہی تھی۔ (مبالغۂ تابانیٔ رخسارِ معشوق)

مشہدِ عاشق سے کوسوں تک جو اُگتی ہے حنا
کس قدر یارب ہلاکِ حسرتِ پابوس تھا

ہلاکِ حسرت ، یعنی مشتاق   یعنی عاشق کو پابوسِ معشوق کی اتنی حسرت تھی کہ مرنے کے بعد بھی اس کی خاک سے حنا اگتی ہے کہ شاید پسِ مرگ ہی حسرتِ پابوس پوری ہو۔ (حسرتِ وصال)

حاصلِ الفت نہ دیکھا جز شکستِ آرزو
دل بدل پیوستہ گویا اک لبِ افسوس تھا

دل پیوستہ دلوں کو لبِ افسوس سے تشبیہ دی ہے۔ وجہ شبہ جسمی باہم پیوستگی اور وجہ شبہ عقلی حسرت اندوزی ہے یعنی محبت سے دو دلوں کا بنا ایسا ہے جیسے افسوسِ ناکامی میں دو لبوں کا بند ہو جانا یا کچھ نہ کر سکنا۔ (نامرادیٔ عشق)

کیا کہوں بیماریٔ غم کی فراغت کا بیاں
جو کہ کھایا خونِ دل بے منتِ کیموس تھا

کیموس : جگر کا وہ فضل جس سے غذا خون بنتی ہے   یعنی غمِ عشق کی مہربانی سے یہ ہوا کہ غذا کا خون بننے کی بجائے خون کی غذا بن گئی۔ کیونکہ غمِ عشق میں کھانا خون کا پینا ہے۔ اس طرح کھانا خون بنا اور کیموس (فضل جسم) کی حاجت نہ رہی۔ (خون آشامیٔ عشق)

(۴۰)

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے
صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

اپنا سا منہ لے کر رہ گئے: یعنی غرور ٹوٹ گیا۔ اب وہ خود ہی اپنے عاشق ہیں۔ (احساسِ جمال)

قاصد کو اپنے ہاتھ سے گردن نہ ماریے
اس کی خطا نہیں ہے یہ میرا قصور تھا

عاشق کو نہ صرف شوقِ شہادت ہے بلکہ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ معشوق کے ہاتھ سے کوئی دوسرا شہید نہ ہو۔ (رشک)

(۴۱)

عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا
جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

یعنی اب کس دل سے نیازمندیٔ عشق کا اظہار کروں۔ بے وفائی معشوق نے تو وہ دل توڑ کر رکھ دیا ہے۔ (شکوۂ بے مہریٔ معشوق)

جاتا ہوں داغِ حسرتِ ہستی لیے ہوئے
ہوں شمعِ کشتہ درخورِ محفل نہیں رہا

شاعر نے خود کو شمعِ کشتہ سے تشبیہ دی ہے وجہ شبہ درخورِ محفل نہ ہونا ہے۔ یعنی میری کوئی ہستی ہی نہیں اب رہ کر کیا کروں۔ کاش کچھ ہوتا۔
(بیانِ بے مائیگی مہوشن)

مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ میں
شایانِ دست و بازوئے قاتل نہیں رہا

یعنی مجھ جیسے ناتوان کو تو قتل کرنا بھی اس کی شان کے خلاف ہے۔ اب جان کیونکر دی جائے۔ بقول:

آں شکارم من کہ لائق ہم بہ کشتن نیستم   شرم می آید مرا زانکس کہ صیادِ من است
(ظہوری)

(ہیچ میرزی عاشق)

بر روئے شش جہت درِ آئینہ باز ہے
یاں امتیازِ ناقص و کامل نہیں رہا

یعنی آئینہ میں سب کی جگہ ہے کوئی اچھا ہو یا بُرا غرض یہ ہے کہ صاف باطن سب کو اپناتا ہے۔ (صفت پاک باطنی)

وا کر دیے ہیں شوق نے بندِ نقابِ حسن
غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا

یعنی کارسازیٔ شوق نے جلوہ کو بے نقاب تو کر دیا حسن بے نقاب ہے اب نہ دیکھو تو آنکھ کا قصور ہے (تو خود حجاب خودی) حافظ از میاں برخیز)

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

یعنی گو رنج و غم سب کچھ بھلا دیتا ہے پھر بھی میں تجھ کو نہیں بھولا۔ (دوامِ عشق)

دل سے ہوائے کشتِ وفا مٹ گئی کہ واں
حاصل سوائے حسرتِ حاصل نہیں رہا

یعنی وفا کا بیج بونے سے کیا ملا۔ سوا اس کے کہ وفا کا صلہ ملنے کی حسرت رہ گئی۔ چنانچہ اب وفا سے دل کھٹا ہو گیا ہے۔ (بے وفائی اہل زمانہ)

بیدادِ عشق سے نہیں ڈرتا مگر اسد
جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

یعنی خواہ کتنا ہی ظلم ہوتا میں اسے جھیل لیتا لیکن وہ دل جس پر مجھے حوصلہ تھا وہ تو تم نے توڑ دیا ہے یا ہاتھ سے جاتا رہا۔ اب تحمل بیداد کیونکر ہو۔ (شکوہ بے مہری و بے التفاتی)

(۴۲)

رشک کہتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف
عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا؟

یعنی دراصل وہ کسی کا دوست تو ہے نہیں۔ البتہ رشک کے باعث اس کا غیروں سے ملنا جلنا برا لگتا ہے۔ (بیان بے مہری معشوق)

ذرہ ذرہ ساغرِ میخانۂ نیرنگ ہے
گردشِ مجنوں بہ چشمک ہائے لیلیٰ آشنا

میخانۂ نیرنگ = معنی بوقلمونی دنیا۔ یعنی دنیا کی ہر شے تغیر پذیر ہے جس طرح مجنوں کی گردش، چشم (لیلیٰ) کی جنبش کا نتیجہ ہے اسی طرح پیرِ خانۂ نیرنگیٔ عالم (خالق کائنات) ہر ذرہ کو جنبش میں لاتا ہے۔ لا تتحرک ذرۃ الا باذن اللہ۔ (کارفرمائی ذات حق)

شوق ہے ساماں طرازِ نازشِ اربابِ عجز
ذرہ، صحرا دستگاہ و قطرہ دریا آشنا

یعنی شوق عاجزوں کو بھی قابلِ فخر قوت بخشتا ہے۔ اس شوق کی بدولت ذرہ ہو تو صحرا اور قطرہ ہو تو دریا کا ہمسر ہو جائے۔ (گیرائی شوق)

شکوہ سنجِ رشکِ ہم دیگر نہ رہنا چاہیے
میرا زانو مونس اور آئنہ تیرا آشنا

شکوہ سنجِ رشکِ ہمدگر میں اضافتِ اقترانی ہے یعنی ہمیں رشک کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ زانو کے سوا میرا اور آئنہ کے سوا تیرا کوئی دوست ہے ہی نہیں تو رشک حسد کیوں ہو۔ (تقابل کردار ہائے حسن و عشق)

میں اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دلِ وحشی کہ ہے
عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

یعنی مجھے ایک ایسے عافیت دشمن دل سے سابقہ پڑا ہے جو چین ہی نہیں لینے دیتا۔ (وحشت آمادگی خاطر)

کوہکن نقاشِ یک تمثالِ شیریں تھا اسد
سنگ سے سر مار کر ہووے نہ پیدا آشنا

یعنی کوہکن صرف شیریں کا بت بنانے والا تھا۔ طالب آشنا نہ تھا۔ کہیں اس طرح پتھر سے سر مار کر آشنا ملتے ہیں۔ (دشواری حصول کامرانی)

(۴۳)

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا
بن گیا رقیب آخر تھا جو رازداں اپنا

یعنی میں نے اس خوبی سے محبوب کا ذکر کیا کہ میرا دوست بھی اس کا عاشق یا میرا رقیب بن گیا۔ (تعلّی حسن بیان)

مے وہ کیوں بہت پیتے بزم غیر میں یا رب
آج ہی ہوا منظور ان کو امتحاں اپنا

یعنی شاعر سوچتا ہے کہ محبوب نے بزم غیر میں کیوں اتنی زیادہ شراب پی۔ کیا اپنے ظرف کا امتحان مقصود تھا۔ ممکن ہے یہی سبب ہو۔ لیکن کیا آج ہی یہ امتحان کرنا تھا۔ کیوں نہ میرا امتحان میری بزم میں ہوا۔ (عکاسی توہمات رشک)

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے ادھر ہوتا کاش کہ مکاں اپنا

یعنی انتہائی بلندی پر پہنچ کر خرابی یہ ہوئی کہ ترقی بند ہو گئی (بیان علو ہمتی یا شوق جدید ملی)

دے وہ جس قدر ذلت ہم ہنسی میں ٹالیں گے
بارے آشنا نکلا ان کا پاسباں اپنا

یعنی خوب ہوا کہ ان کا پاسبان اپنا آشنا ہے۔ اب اس کی سختیوں کو ہنسی مذاق میں ٹال دینا آسان ہے۔ (طفل تسلی)

درد دل لکھوں کب تک جاؤں ان کو دکھلا دوں
انگلیاں فگار اپنی خامہ خوں چکاں اپنا

یعنی درد دل کا حال لکھتے لکھتے انگلیاں زخمی ہو گئیں اور قلم سے لہو بہنے لگا ہے۔ اب تو یہ سوچتا ہوں کہ اپنا یہ حال محبوب کو دکھلا دوں۔ کیونکہ لکھ کر بتانا تو ممکن نہیں رہا۔ (ڈرامائی غم دل)

گھستے گھستے مٹ جاتا آپ نے عبث بدلا
ننگِ سجدہ سے میرے سنگِ آستاں اپنا

گویا شاعر کو معشوق کے ذلت آمیز سلوک پر افسوس نہیں بلکہ اس کا خیال ہے کہ سجدہ سے معشوق کا سنگِ آستانہ خراب ہوگیا ہے اس لیے کہا کہ بدلنے کی زحمت کیوں اٹھائی یہ خود ہی نہ رہتا۔ (رسالۂ نیاز مندی)

تا کرے نہ غمازی کر لیا ہے دشمن کو
دوست کی شکایت میں ہم نے ہمزباں اپنا

یعنی اگر دوست (محبوب) کی شکایت کرنی پڑی لیکن دشمن کی چغلی سے تو بچ گئے کہ وہ بھی ہماری طرح دوست کی بے وفائی کا شاکی ہوگیا۔ اب وہ ہمیں برا بنانے کے لیے ہماری بدگوئی کی ضرورت نہ سمجھے گا۔ (مشابہت رقیب)

ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں یکتا تھے
بے سبب ہوا غالبؔ دشمن آسماں اپنا

اپنی ہنرمندی سے انکار اور آسمان کی دشمنی کا اعتراف در پردہ اظہار ہنرمندی ہے، کیونکہ آسمان ہنرمندوں کا دشمن ہے۔ (ہنر و دشمنیٔ آسمان)

(۴۴)

سرمۂ مفتِ نظر ہوں میری قیمت یہ ہے
کہ رہے چشمِ خریدار پہ احساں میرا

سرمۂ نظر، یعنی وجہ بصیرت۔ یعنی میں طالبین کے لیے وجہ بصیرت ہوں۔ لیکن خواہش صلہ کی نہیں۔ (تقی)

رخصتِ نالہ مجھے دے کہ مبادا ظالم
تیرے چہرے سے ہو ظاہر غمِ پنہاں میرا

مجھے اجازت دے کہ میں آہ و نالہ سے خود اپنے غم کا اظہار کر سکوں ایسا نہ ہو کہ میرا غم تیرے چہرے سے عیاں ہو۔ مجھے یہ گوارا نہیں۔ (التجائے کرم)

(۴۵)

غافل بہ وہمِ ناز خود آرا ہے ورنہ یاں
بے شانۂ صبا نہیں طرّہ گیاہ کا

یعنی وہ نادان ناحق ہی ناز کے وہم میں پڑ کر اپنی آرائش میں معروف ہے گھاس تک کو تو خود صبا سنوارتی ہے۔ اسے خود آرائی کی کیا حاجت ہے۔ قدرت اسے آراستہ کرنے کے لیے کیا کم ہے۔ بقول :

حاجتِ مشّاطہ نیست روئے دلآرام را (وصفِ حسنِ سادہ)

بزمِ قدح سے عیشِ تمنا نہ رکھ کہ رنگ
صیدِ ز دام جستہ ہے اس دام گاہ کا

رنگ : بمعنی نشاط۔ یعنی بزمِ شراب میں بھی نشاط صیدِ از دام جستہ (غائب) ہے یہاں (دنیا میں) سبھی کا رنگ فق ہے۔ (جہانگیریِ الم)

رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے
شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا

یعنی مجھے اپنے گناہوں کے ناقابلِ عفو ہونے کا اس قدر احساس ہے کہ عذرِ گناہ کرتے ہوئے بھی شرماتا ہوں تو کیا عجب کہ خدا کی رحمت اس احساسِ غیرت ہی کو قبول کرلے۔

(قدر و قیمتِ پشیمانی)

مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں کہ ہے
پُر گل خیالِ زخم سے دامن نگاہ کا

یعنی میں اپنے قتل ہونے کے خیال سے نہایت مسرور ہوں کہ زخموں کا تصور آنکھوں میں اس طرح آتا ہے کہ گویا پھول ہے۔ (ذوقِ جگر فگاری)

جاں درہوائے یک نگہِ گرم ہے اسدؔ
پروانہ ہے وکیل ترے داد خواہ کا

یعنی جانِ شاعر نگاہِ گرم (نگاہِ جاں سوز) کی طالب ہے اور اس شوق کی نمائندگی کے لیے پروانہ کو وکیل بنایا گیا ہے۔ گویا پروانہ ہی بتا سکتا ہے کہ مجھے جاں سپاری کا کس قدر شوق ہے۔ (ذوقِ جاں سپاری)

(۴۶)

جور سے باز آئے پر باز آئیں کیا
کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا

یعنی محبوب ظلم سے باز آنا بھی چاہے تو کیسے؟ وہ تو یہ کہہ رہا ہے کہ ہم بہ شرم جفا کے اس خیال سے کہ اب تک جفا کرنے کے بعد کیوں ترکِ جفا کریں۔ منہ نہیں دکھا سکتے گویا جفا سے باز آنا ایک اور ستم ہوا کہ اب منہ بھی نہیں دکھائے گا۔ (جفا جوئیِ محبوب)

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

یعنی اگر زمانہ کی گردش جاری ہے تو یہ حالت بھی نہیں رہے گی۔ بقول،

چناں نماند و چنیں نیز ہم نخواہد ماند (رجائیت)

لاگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں لگاؤ
جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا

لاگ : بمعنی مخالفت   یعنی مخالفت بھی گونہ تعلق ہے لیکن اسے کیا کیجیے کہ وہ مخالف بھی نہیں۔ لہذا فریب محبت میں مبتلا ہونے کی کوئی سبیل باقی نہ رہی۔ بقول:

یاراں گلہ دارند کہ زیشاں گلہ داریم   مارا گلہ از خودے کہ زما زما گلہ دارد
(التجائے التفات)   (للشارح)

ہو لیے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ
یا رب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا

یعنی بے خودیٔ شوق مضحکہ خیز حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ نامہ بر کے ساتھ ساتھ چلے جا رہے ہیں یہاں تک کہ اچانک خیال آیا کہ آیا ہم خود اپنے خط کو پہنچائیں (بے خودیٔ شوق)

موجِ خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے
آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا!

یعنی خواہ کچھ ہو آستانۂ یار سے نہیں اٹھیں گے۔ (عزم وفا)

عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا

یعنی زندگی بھر تو ہم نے کچھ نہ دیکھا اب مرنے کے بعد دیکھیے وہ کیا دکھلاتے ہیں۔
(کیفیت یاس و امید)

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے
کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا

یعنی جان بوجھ کر جو پوچھتا ہو اسے کیا کہا جائے یا بتانا بھی جو نہیں جانتا اسے کچھ بتانے سے بھی کیا حاصل۔ (شکوۂ تغافل)

(۴۷)

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن زنگار ہے آئینۂ بادِ بہاری کا

ہوا شے لطیف ہے اور چمن کثیف، لطافتِ ہوا کا احساس اسی کثافت سے ہوتا ہے۔ کل شی ء یعرف باضدادھا۔ یعنی آئینۂ بادِ بہاری کو کون محسوس کرتا اگر زنگار چمن نہ ہوتا۔ (ماہیت مادّی)

حریفِ جوششِ دریا نہیں خودداریِ ساحل
جہاں ساقی ہو تو دعویٰ ہے باطل ہوشیاری کا

یعنی تجھ سا ہوش رُبا ساقی ہو تو ہوش کہاں قائم رہ سکتا ہے۔ جوشِ دریا کے سامنے ساحل کب تک ٹھہر سکتا ہے۔ (ہوش رُبائی جلوہ)

(۴۸)

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

یعنی درد حد سے بڑھا تو موت ہوگی اب درد نہ رہا۔ درد نہ رہا تو عیش ہی عیش ہے۔ گویا کمالِ شے اس کی نفی ہے (تکمیلِ درد) یا درد حد سے بڑھا تو انسان سراپا درد ہو گیا اور جب درد ہی درد ہو تو احساسِ درد گیا۔ جیسے قطرہ جبھی تک زندہ ہے کہ دریا میں فنا نہیں ہوا۔ (کمالِ درد مندی)

تجھ سے قسمت میں مری صورتِ قفلِ ابجد
تھا لکھا بات کے بنتے ہی جُدا ہو جانا

قفلِ ابجد: ایک خاص قسم کا قفل ہے جس کی چوڑیوں پر حروف لکھتے ہیں ان حروف کو ایک خاص ترتیب میں لانے سے قفل کھل جاتا ہے۔ بات بننا: مراد رابطۂ محبت قائم ہونا۔ قفلِ ابجد جبھی تک بند رہتا ہے کہ اس کے حروف ٹھیک ٹھیک نہ جڑ جائیں۔ حروف مرتب ہوتے ہی قفل کنڈے سے باہر نکل جاتا (یا کھل جاتا) ہے۔ شاعر خود کو اس حال میں پاتا ہے کہ بات بنتے ہی یا صورتِ وصال نکلتے ہی محبوب سے جدائی ہو جاتی ہے۔ (کم فرصتیٔ عیش)

دل ہوا کشمکشِ چارۂ زحمت میں تمام
مٹ گیا گھسنے میں اس عقدہ کا وا ہو جانا

مصرعِ ثانی، تمثیلِ واقعۂ مصرعِ اولیٰ ہے۔ یعنی مشکلات سے نجات پانے کی کوشش میں دل کا کام تمام ہو گیا لیکن مشکل حل نہ ہوئی۔ گویا یوں سمجھو کہ گرہ سعیٔ کشاد سے گھل بھی گئی تو کشادِ گرہ نظر نہیں آتی۔ (مشکلِ عشق)

اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ
اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا

یعنی مہربانی درکنار تم تو ایسے بیزار ہو کہ ظلم بھی نہیں کرتے۔ (شکوۂ تغافل)

ضعف سے گریہ مبدل بہ دمِ سرد ہوا
باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا

یعنی بوجہ ضعف رونا آہ سے بدل گیا۔ گویا پانی ہوا بن گیا۔ یہ محاورہ ہے:

اشک تھم جائیں جو فرقت میں تو آہیں نکلیں — خشک ہو جائے جو پانی تو ہوا پیدا ہو
(ناسخ)

(بیاضِ الم)

دل سے مٹنا تری انگشتِ حنائی کا خیال
ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا

یعنی ناممکن ہے۔ (پامالیٔ عشق)

ہے مجھے ابرِ بہاری کا برس کر کھلنا
روتے روتے غمِ فرقت میں فنا ہو جانا

یعنی میرا رونا کوئی بات ہی نہیں جیسے بارش برسی اور ختم ہو گیا یا کہ مینہ برس برس کر کھلتا ہے اور میں رو رو کر مرتا ہوں۔ (آگہیٔ عیش)

بقول: کھل کھل گیا مینہ برس برس کے — رہ رہ گئے ہم ترس ترس کے (شاعر)

گو نہیں نکہتِ گل کو ترے کوچہ کی ہوس
کیوں ہے گردِ رہِ جولانِ صبا ہو جانا

گردِ راہ ہونا: بمعنی پیچھا کرنا۔ یعنی نکہتِ گل تیرے کوچے کے شوق میں ہوا کے پیچھے پیچھے بھاگی جا رہی ہے۔ (لذتِ آوارگیٔ کوئے محبوب)

تاکہ تجھ پر کھلے اعجازِ ہوائے صیقل
دیکھ برسات میں سبز آئینہ کا ہو جانا

سبزیٔ آئینہ: بمعنی زنگ آئینہ۔ یعنی جلا پانے کے شوق میں آئینہ (فولادی) بھی برسات میں زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ (ذوقِ تعب)

بخشے ہے جلوۂ گل ذوقِ تماشا غالب
چشم کو چاہیے ہر رنگ میں وا ہو جانا

ہر رنگ میں : ہر حال میں۔ یعنی دید۔ ہو تو ذوقِ دید کہاں سے لائے۔ ذوقِ تماشا تو جب حاصل ہو کہ جلوۂ گل کے لیے چشم وا ہو۔ (کثرتِ مظاہرِ قدرت)

ب

(۴۹)

پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موجِ شراب
دے بطِ مے کو دل و دستِ شنا موجِ شراب

بط : مراد ظرفِ مے سے ہے۔ یعنی یہ ایسا وقت ہے کہ شراب کی لہریں اٹھیں اور ظروفِ مے ان لہروں میں تیرنے لگیں۔ (نشاط افزائی موسمِ بہار)

پوچھ مت وجہِ سیہ مستیٔ اربابِ چمن
سایۂ تاک میں ہوتی ہے ہوا موجِ شراب

یعنی چمن کے درخت جو جھوم رہے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ سایۂ تاک کی ہوا موجِ شراب بن کر انھیں مست بنا رہی ہے۔ (نشاط انگیزی بہار)

جو ہوا غرقۂ مے بختِ رسا رکھتا ہے
سر سے گزرے پہ بھی ہے بالِ ہما موجِ شراب

یعنی غرقِ شراب کی قسمت کا کیا پوچھنا ہے۔ شراب کی لہر سر پر سے بھی گزر جائے تو بالِ ہما کا سا اثر رکھے گی۔ (بلند اختری مے گساراں)

ہے یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیا ہے اگر
موجِ ہستی کو کرے فیضِ ہوا موجِ شراب

یعنی عجب نہیں کہ اس موسم میں زندگی کی لہریں شراب کی لہروں کی طرح سرور انگیز ہو جائیں۔ (نشاط انگیزیٔ بہار)

چار موج اٹھتی ہے طوفانِ طرب سے ہر سو
موجِ گل، موجِ شفق، موجِ صبا، موجِ شراب

چار موج: بمعنی بکثرت و پُر شور۔ یعنی اسبابِ عیش و طرب کی فراوانی ہے اس کا ذکر مصرعہ ثانی میں ہے۔ (فراوانیٔ اسبابِ نشاط)

جس قدر روحِ نباتی ہے جگر تشنۂ ناز
دے ہے تسکیں بدمِ آبِ بقا موجِ شراب

جگر تشنہ: بمعنی جگر کی پیاسا یا بنہایت تشنہ۔ یعنی روحِ نمو جس قدر بھی ناز و فخر کی پیاسی ہے اسی قدر موجِ شراب جرعات آبِ حیات سے اس کی تسکین کرتی ہے۔ گویا شراب پی کر جس قدر بھی کوئی چاہے ناز کرے۔ (بالیدگیٔ روح از شراب)

بسکہ دوڑے ہے رگِ تاک میں خوں ہو ہو کر
شہپرِ رنگ سے ہے بال کشا موجِ شراب

یعنی شراب انگور کی بیل کا مایۂ حیات ہے جو رنگ بن کر اڑنے لگی۔ (بیانِ نشاط انگیزیٔ شراب)

موجۂ گل سے چراغاں ہے گزرگاہِ خیال
ہے تصور میں ز بس جلوہ نما موجِ شراب

یعنی شراب کے تصور میں تخیل کی راہیں گویا پھولوں سے مہک رہی ہیں۔ (نشاطِ تصورِ شراب)

نشہ کے پردے میں ہے محوِ تماشائے دماغ
بسکہ رکھتی ہے سرِ نشو و نما موجِ شراب

یعنی شراب دماغ کے لیے صحت بخش سیرگاہ اور اسباب بالیدگی میں سے ہے۔

(تاثیرِ شراب)

ایک عالم پہ ہیں طوفانیِ کیفیتِ فصل
موجۂ سبزۂ نوخیز سے تا موجِ شراب

طوفانیِ کیفیتِ فصل : یعنی موسم کا لطف بڑھانے والے۔ ایک عالم پر ہیں : یعنی ہر موجود پر ہیں۔ دوسرا مصرعہ طوفانیِ کیفیتِ فصل کا بیان ہے۔ یعنی سبزہ کی لہر سے لے کر شراب کی لہروں تک ہر چیز موسم کے لطف میں اضافہ کرنے والی ہے (دل افروزیِ بہار)

شرحِ ہنگامۂ ہستی ہے زہے موسمِ گل
رہبرِ قطرہ بہ دریا ہے خوشا موجِ شراب

مصرعہ اولیٰ بہار کی اور مصرعہ ثانی شراب کی تعریف میں ہے۔ یعنی بہار مستوجب رونقِ عالم ہے اور شراب وجہِ نشاطِ خاطر۔ (مدحِ بہار و شراب)

ہوش اڑتے ہیں مرے جلوۂ گل دیکھ اسد
پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موجِ شراب

یعنی موسمِ بہار کی رنگینیاں ہوش رُبا ہیں۔ لہٰذا اب وقت ہے کہ شراب اڑائے

(نشاطِ بہار و شراب)

ت

(٥٠)

افسوس کہ دنداں کا کیا رزق فلک نے
جن لوگوں کی تھی درخورِ عقدِ گہر انگشت

دیداں : جمع دودہ بمعنی کیڑے۔ یعنی جن ہاتھوں میں موتی کی لڑیاں ہوتیں وہ کیڑوں کی غذا بن گئے۔ (بے ثباتیٔ دنیا)

کافی ہے نشانی تری چھلے کا نہ دینا
خالی مجھے دکھلا کے بوقتِ سفر انگشت

یعنی تیرا نشانی کے لیے چھلے کا نہ دینا بلکہ مجھے چلتے وقت ٹھینگا دکھا دینا یاد رہے گا۔ (شوخیٔ معشوق)

لکھتا ہوں اسدؔ سوزشِ دل سے سخنِ گرم
تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پہ انگشت

یعنی میرا کلام ایسا سوزناک ہے کہ اس کے حروف پر کوئی انگلی نہیں رکھ سکتا۔ پھر یہ بھی ہے کہ جو بات سوزشِ دل کا نتیجہ ہو اس پر کوئی کچھ کہہ بھی کیا سکتا ہے۔ (بیانِ سوزشِ دل)

(٥١)

رہا گر کوئی تا قیامت سلامت
پھر اک روز مرنا ہے حضرت سلامت!

یعنی زندگی کتنی ہی طویل ہو بہر حال موت ناگزیر ہے۔ (ناگزیریٔ اجل)

جگر کو مرے عشقِ خوں نابہ مشرب
لکھے ہے خداوندِ نعمت سلامت

دعا یہ ہے کہ عشق خونِ جگر سے پرورش پاتا ہے۔ (خون آشامیٔ عشق)

علی الرغمِ دشمن شہیدِ وفا ہوں
مبارک مبارک سلامت سلامت

یعنی شہیدِ وفا ہونا وہ بات ہے جو مجھے میسر ہے دشمن کو نہیں۔ (فخرِ جاں نثاری)

نہیں گر سر و برگِ ادراکِ معنی
تماشائے نیرنگِ صورت سلامت

سلامت: بمعنی سلامت باد۔ یعنی عشق حقیقی نہ ہو تو مجازی ہی بہت ہے، بقول:

متاب از عشق رو گرچہ مجازی است   کہ او بہرِ حقیقت کارسازی است

(مدحتِ شیوۂ عاشقی)

(۵۲)

مند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالب
یار لائے میرے بالیں پہ اسے پر کس وقت

یعنی محبوب کا دیدار اس وقت نصیب ہوا جبکہ میرا آخری وقت تھا۔ بقول:

کیا خاک علاجِ دلِ بیمار کرو گے   اب آئے ہو اس وقت کہ دکھا نہیں جاتا (شادؔ)

(مہجوری حسرتِ دید)

(۵۳)

آمدِ خط سے ہوا ہے سرد جو بازارِ دوست
دودِ شمعِ کشتہ تھا شاید خطِ رخسارِ دوست

دعا یہ ہے کہ خطِ رخسار کے آجانے سے تابانیٔ رخسار جاتی رہی۔ اس کو شمع کے کشتہ ہونے اور سرد بازاریٔ حسن سے تعبیر کیا ہے۔ (بے ثباتیٔ حسن)

اے دلِ نا عاقبت اندیش ضبطِ شوق کر
کون لا سکتا ہے تابِ جلوۂ دیدارِ دوست

یعنی تابِ جلوہ نہیں تو شوقِ دید کیوں ہو۔ (غیورسازیٔ جلوۂ معشوق)

خانہ ویراں سازیٔ حیرت تماشا کیجیے
صورتِ نقشِ قدم ہوں رفتۂ رفتارِ دوست

رفتہ: بمعنی وارفتہ۔ یعنی دلکشیٔ رفتار کو دیکھ کر نقشِ پا کی طرح بے خود و ساکت و جامد ہوں۔ اب گھر کا کسے ہوش ہے۔ (خانہ ویرانیٔ عشق)

عشق میں بیدادِ رشکِ غیر نے مارا مجھے
کشتۂ دشمن ہوں آخر گرچہ تھا بیمارِ دوست

یعنی دوست کی محبت کا صرف بیمار تھا لیکن رقیب کے رشک نے تو مار ہی ڈالا (بیدادِ رشک)

چشمِ ما روشن کہ اس بیدرد کا دل شاد ہے
دیدۂ پرخوں ہمارا ساغرِ سرشارِ دوست

دیدۂ پرخوں کو ساغرِ سرشار سے تشبیہ دی ہے۔ وجہِ شبہ حسی تو ظاہر ہے اور وجہِ شبہ عقلی وہ انبساط ہوتا ہے۔ جو مقصودِ شاعر ہے۔ یعنی معشوق ہماری گریہ وزاری سے خوش ہوتا ہے۔ (بے دردیٔ محبوب)

غیر یوں کرتا ہے میری پرسش اس کے ہجر میں
بے تکلف دوست ہو جیسے کوئی غمخوارِ دوست

تا کہ میں جانوں کہ ہے اس کی رسائی واں تلک
مجھ کو دیتا ہے پیامِ وعدۂ دیدارِ دوست

یعنی رقیب کا ایک بے تکلف دوست کی طرح میری تیمارداری کرنا اور رقیب کا پیامِ دوست پہنچانا میری تسلی کے لیے نہیں بلکہ جلانے کے لیے ہے۔ گویا وہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ میری رسائی وہاں تک ہے۔ (رشک)

جب کہ میں کرتا ہوں اپنا شکوۂ ضعفِ دماغ
سر کرے ہے وہ حدیثِ زلفِ عنبر بارِ دوست

سر کرے ہے: شروع کرتا ہے۔ یعنی جب میں رقیب سے یہ کہتا ہوں کہ میرے دماغ کو بات سننے کی سہار نہیں تو وہ ایسی بات شروع کر دیتا ہے کہ سننا ہی پڑتی ہے یعنی معشوق کی عنبر بیز زلفوں کا ذکر۔ واضح ہو کہ عنبر ضعفِ دماغ کا علاج بھی ہے۔ (فریبِ رقیب)

چپکے چپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہے اگر
ہنس کے کرتا ہے بیانِ شوخیٔ گفتارِ دوست

یعنی مجھے روتا دیکھ کر معشوق کی دل خوش کن باتیں بیان کرتا ہے۔ جو بدیں خیال باعثِ اذیت ہے کہ غیروں کو اس کی باتیں معلوم ہیں اور اس کو میرے حالِ زار کی پروا نہیں۔ (رشک و حیلۂ ہمدردیٔ محبوب)

مہربانی ہائے دشمن کی شکایت کیجیے
یا بیاں کیجے سپاسِ لذتِ آزارِ دوست

اب اس رقیب کی اس اذیت رساں مہربانی کی شکایت کروں یا اس معشوق کی ایذا دہی

کا شکوہ ہے، گویا دشمن کی مہربانی زیادہ ایذا دہ ہے بہ نسبت اذیت آزارِ محبوب کے۔ (رشکِ رقیب و تحسینِ صبر، شادانی)

یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آتی ہے آپ
ہے ردیفِ شعر میں غالبؔ ز بس تکرارِ دوست

یعنی لفظ دوست کا بار بار کہنا لذت آفریں ہے۔ (لذتِ ذکر)

ج

(۵۲)

گلشن میں بندوبست برنگِ دگر ہے آج
قمری کا طوق حلقۂ بیرونِ در ہے آج

حلقۂ بیرونِ در، مبتدا و خبر ہے یعنی حلقۂ در قمری کا طوق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ باغ میں آج کچھ ایسا اہتمام ہے کہ حلقۂ در بھی طوقِ قمری کی طرح دلکش ہے۔ (توصیفِ بہار)

آتا ہے ایک پارۂ دل ہر فغاں کے ساتھ
تارِ نفس کمندِ شکارِ اثر ہے آج

شکارِ اثر: بمعنی وہ شے جو متاثر ہوتی ہے۔ کنایہ از دل یعنی آہ کے ساتھ دل کھنچا چلا آتا ہے۔ (بیانِ آہ و جگر دوزی)

اے عافیت کنارہ کر اے انتظام چل
سیلابِ گریہ درپئے دیوار و در ہے آج

یعنی طغیانِ گریہ میں عافیت رخصت اور دل بھی غائب ہے۔ (تیزیِ درد و یاد و جود)

کی خبر نہیں۔ (رجا گدازش گریہ)

(۵۵)

لو ہم مریضِ عشق کے تیمار دار ہیں
اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج

یعنی مریضِ عشق کی تیمار داری تو خیر ہم کریں گے لیکن مسیحا کا کیا علاج ہوگا۔ اگر مریضِ عشق اچھا نہ ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ عشق کا علاج اور مسیحائی یہ دونوں ہی باتیں لغو ہیں۔ ہاں تیمار داری کرتے رہیے۔ (بے دوائی دردِ عشق)

چ

(۵۶)

نفس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ
اگر شراب نہیں انتظارِ ساغر کھینچ

یعنی آرزو مندانہ زندگی بسر کرو۔ مے کشی میسر نہیں تو انتظار کشی سہی۔ بقولے،

(ولا تقنطوا من رحمۃ اللہ) (تلقینِ رجائیت)

کمالِ گرمیٔ سعیٔ تلاشِ دید نہ پوچھ
برنگِ خار مرے آئنے سے جوہر کھینچ

دید : بمعنی دیدہ ور۔ یعنی میں اہلِ نظر کی تلاش میں حد درجہ سرگرم رہا لیکن نہ ملا۔ اب میرے آئنہ کمال سے جوہر کو نکال لے کہ یہ مجھے خار کی طرح کھٹکتا ہے۔ (شکوۂ ناقدری ہنر)

تجھے بہانۂ راحت ہے انتظار اے دل
کیا ہے کس نے اشارہ کہ نازِ بستر کھینچ

یعنی انتظار میں بیٹھے رہنا کیا معنی؟ بظاہر یہ تو راحت طلبی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حالتِ انتظار میں انسان اس کے سوا اور کر بھی کیا سکتا ہے۔ ان فطری کیفیات کو بڑے قرینے سے بیان کیا ہے۔ (کیفیتِ انتظار)

تری طرف ہے بہ حسرت نظارۂ نرگس
بکوریِ دل و چشمِ رقیب ساغر کھینچ

یعنی نرگس میری رقیب ہے کہ بہ حسرت تجھے دیکھ رہی ہے۔ لیکن اس خوشی میں کہ یہ رقیب دل اور آنکھ دونوں اعتبار سے اندھا ہے میکشی کرنی چاہیے۔ (نشاطِ بادہ)

بہ نیم غمزہ ادا کر حقِ ودیعتِ ناز
نیامِ پردۂ زخمِ جگر سے خنجر کھینچ

یعنی جگر میں خنجر تیرے ناز کی امانت ہے۔ اگر تو ایک نگاہِ غلط انداز سے اس خنجر کو کھینچ لے تو حقِ امانت ادا ہو جائے۔ (شوقِ جراحتِ نظر)

مرے قدح میں ہے صہبائے آتشِ پنہاں
بروئے سفرہ کبابِ دلِ سمندر کھینچ

بروئے سفرہ کشیدن: دسترخوان پر چننا۔ فارسی محاورہ ہے جسے اردو میں استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی میرے لیے دلِ سمندر کے کباب درکار ہیں کیونکہ جو شراب میں پی رہا ہوں وہ عشق کی آتشِ پنہاں کی ہے۔ لہٰذا اس شراب کے لیے ایسا ہی کباب چاہیے۔ (سوزشِ پنہانِ عشق)

د

(۵۷)

حسن غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد
بارے آرام سے ہیں اہل جفا میرے بعد

یعنی ناز بردار اور غمزہ کش ہی نہ ہوں تو ناز و غمزہ کس کے لیے۔ بچارے اہل جفا کو زحمت ناز سے فراغت ہوگئی۔ (بیانِ ناز برداری خوشتر)

منصب شیفتگی کے کوئی قابل نہ رہا
ہوئی معزولیٔ انداز و ادا میرے بعد

بقولے ہوگیا سلسلۂ ہوس و محبت برہم ناز ہی بھول گئے ناز و ادا میرے بعد (مضطر جہاں)

شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے
شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

یعنی میرے بعد عشق میرے ماتم میں سیہ پوش ہوگیا۔ چنانچہ شمع کے کشتہ ہونے پر دھواں نکلنا اس خیال کی ایک محسوس مثال ہے۔ ([illegible] عشق)

خوں ہے دل خاک میں احوال بتاں پر یعنی
ان کے ناخن ہوئے محتاج حنا میرے بعد

یعنی میرا دل بعد دفن خاک میں ملنے کے بعد اس بات پر تاسف ہے کہ حسینوں کو ہاتھ رنگنے کے لیے اب خون نہیں ملتا۔ مطلب یہ ہے کہ میرے ہوتے تو ان کے ناخن میرے خون سے رنگین ہوتے تھے اب حنا بندی کے محتاج ہوگئے ہیں۔ (بیانِ خون ریزیٔ محبوباں) یا یہ کہ

ہم تو معشوق کے حسن سادہ پر فریفتہ تھے اب دلربائی کے لیے محبوب کو بناؤ سنگار کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ (نیاز حُسن)

در خورِ عرض نہیں جوہرِ بیداد کو جا
نگہِ ناز ہے سرمہ سے خفا میرے بعد

در خورِ عرض: قابلِ نمائش جا: بمعنی محلِ مناسب جوہرِ بیداد: کنایہ از سرمہ یعنی سرمہ کے لیے کوئی قابلِ نمائش جگہ نہ رہی اب اسے نگہِ ناز میں کون لگائے جگہ مجھ سا نازبردار نہ رہا۔ (زجرِ نیاز)

ہے جنوں اہلِ جنوں کے لیے آغوشِ وداع
چاک ہوتا ہے گریباں سے جدا میرے بعد

یعنی جنون کا اہلِ جنون سے ہم آغوش ہونا رخصت ہونے کے لیے ہے اسی طرح چاکِ گریبان بھی گریبان کو چھوڑ رہا ہے۔ یعنی میرے بعد نہ جنون ہوگا نہ چاکِ گریبان۔ (زیانِ تکمیلِ جنون)

کون ہوتا ہے حریفِ مے مرد افگنِ عشق
ہے مکرر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد

یعنی ساقی نے میرے بعد دو بار کہا۔ "کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق" پہلی بار لہجۂ مبارزطلبی اور دوسری بار لہجۂ مایوسی۔ پہلی بار کہا کہ "ہے کوئی مردِ میدانِ عشق" پھر آپ ہی کہا کہ "بھلا کون ہو سکتا ہے" غرض یہ کہ میرے بعد مجھ جیسا سعیت مے خشی کوئی بھی نہ نکلا۔ (تعلّی تکمیلِ عاشقی)

غم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی
کہ کرے تعزیتِ مہر و وفا میرے بعد

یعنی میرے بعد مہر و وفا کا حامی تو کوئی کیا ہوتا نقصان مہر و وفا پر تاسف بھی کوئی نہیں ہے۔ (شکوہ بے مہری زمانہ)

آئے ہے بیکسیِ عشق پہ رونا غالبؔ
کس کے گھر جائے گا سیلابِ بلا میرے بعد

یعنی عشق اور عشاق کی تباہ کاریاں سب مجھ پر ختم ہیں (تکمیلِ غمِ عشق)

ر

(۵۸)

بلا سے ہیں جو یہ پیشِ نظر در و دیوار
نگاہِ شوق کو ہیں بال و پر در و دیوار

یعنی رکاوٹوں کے پیش آنے سے شوق اور بھی بڑھ جاتا ہے (شوقِ بے پایاں)

وفورِ اشک نے کاشانہ کا کیا یہ رنگ
کہ ہو گئے مرے دیوار و در، در و دیوار

یعنی دیوار میں رخنہ ہو کر در بن گیا اور دروازہ مٹی سے اٹ کر دیوار ہو گیا۔
(مبالغہ گریہ)

نہیں ہے سایہ کہ سن کر نویدِ مقدمِ یار
گئے ہیں چند قدم پیشتر در و دیوار

یعنی نہ صرف میں بلکہ میرا گھر بار بھی مشتاقِ دید ہے۔ چنانچہ یہ جو سایہ نظر آ رہا ہے یہ سایہ نہیں بلکہ در و دیوار کا پیشوائی کے لیے آگے بڑھنا ہے۔ (مبالغہ اشتیاق)

ہوئی ہے کس قدر ارزانیٔ مئے جلوہ
کہ مست ہے ترے کوچے میں ہر در و دیوار

یعنی تیرے جلوہ سے ہر شئے متاثر ہے۔ (فراوانیٔ جلوۂ محبوب)

جو ہے تجھے سرِ سودائے انتظار تو آ
کہ ہیں دکانِ متاعِ نظر در و دیوار

یعنی انتظار کا گلہ ہے تو آ کہ متاعِ نظر جس سے انتظار ہوتا ہے تمام در و دیوار میں ہوتی ہے۔ گویا میری نگاہِ انتظار تمام در و دیوار پر لگی ہوئی ہے۔ (بیانِ انتظارِ محبوب)

وہ آ رہا مرے ہمسایہ میں تو سایہ سے
ہوئے فدا در و دیوار پر در و دیوار

یعنی جب سے وہ میرا ہمسایہ بنا میرے در و دیوار سایہ بن کر اس کے در و دیوار (گھر) پر قربان ہو رہے ہیں۔ (بیانِ فدویت)

نظر میں کھٹکے ہے بن تیرے گھر کی آبادی
ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھ کر در و دیوار

یعنی تیرے فراق میں گھر سے جی اکتا گیا ہے اور میں آمادۂ صحرا نوردی ہوں۔ لہٰذا در و دیوار کو دیکھ کر رونا آتا ہے کہ اب یہ ویران ہو جائیں گے۔ (خانہ ویرانیٔ عاشق)

ہجومِ گریہ کا سامان کب کیا میں نے
کہ گر پڑے نہ مرے پاؤں پر در و دیوار

یعنی گریہ کا تو ذکر کیا بمجرد آمادگیٔ گریہ در و دیوار کے گر پڑنے کا اندیشہ ہے۔

(مبالغۂ گریہ)

نہ پوچھ بیخودیِ عیشِ مقدمِ سیلاب
کہ ناچتے ہیں پڑے سر بسر در و دیوار

یعنی آمدِ سیلاب کی خوشی میں در و دیوار ناچ رہے ہیں گویا در و دیوار بھی خود مشتاقِ سیلاب پیکر ہیں۔ (لذتِ فراوانیٔ درد)

نہ کہہ کسی سے کہ غالب نہیں زمانے میں
حریفِ رازِ محبت مگر در و دیوار

در و دیوار کے سوا کوئی رازدار نہیں یعنی فی الواقع کوئی بھی رازدار نہیں ہے۔ لہٰذا اسرارِ الفت کو کسی پر بھی فاش نہ کرنا چاہیے۔ (تلقینِ کتمانِ سرِ عشق)

(۵۹)

گھر جب بنا لیا ترے در پر کہے بغیر
جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر کہے بغیر

یعنی ہر چند میں نے بتا بتایا پر تو نے میرا گھر نہ جانا۔ اب کہ میں نے تیرے در پر ہی اپنا گھر بنا لیا ہے۔ تجھے بن بتائے ہی جان لینا چاہیے کہ ترا در ہی میرا گھر ہے۔ (التزامِ درِ محبوب)

کہتے ہیں جب رہی نہ مجھے طاقتِ سخن
جانوں کسی کے دل کی میں کیونکر کہے بغیر

یعنی یہ جانتے ہوئے کہ میں ضعف سے بول نہیں سکتا یہ کہتے ہیں کہ بن کہے میں حالِ دل کیسے سمجھوں۔ (ستم ظریفیٔ محبوب) یا (بہانہ جوئیٔ بے التفاتی)

کام اس سے آ پڑا ہے کہ جس کا جہان میں
لیوے نہ کوئی نام ستمگر کہے بغیر

یعنی سبھی اس کو ستمگر کہتے ہیں۔ یعنی ہر شخص مبتلائے عشق ہے۔ (ابتلائے عام عشق

جی میں ہی کچھ نہیں ہے ہمارے وگرنہ ہم
سر جائے یا رہے نہ رہیں پر کہے بغیر

یعنی مانع شکوہ کوئی خوف نہیں ہے بلکہ یہ کہ میرے دل میں اس کی طرف سے کوئی برائی ہی نہیں ہے۔ (مجبوریٔ عشق)

چھوڑوں گا میں نہ اس بت کافر کو پوجنا
چھوڑے نہ خلق گو مجھے کافر کہے بغیر

یعنی تکفیر و تذلیل خلق بھی مجھے اس کی محبت سے باز نہیں رکھ سکتی۔ (بے باکیٔ عشق)

مقصد ہے ناز و غمزہ ولے گفتگو میں کام
چلتا نہیں ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر

یعنی اس کے ناز و غمزہ کو دشنہ و خنجر کہنا ہی پڑتا ہے۔ (جگر دوزیٔ ناز و غمزہ)

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

یعنی مضامین معرفت کو استعارات بادہ و ساغر کے بغیر بیان نہیں کیا جا سکتا۔ وجہ یہ ہے کہ مستیٔ بادہ کو بیخودیٔ معرفت سے ایسی شباہت ہے کہ یہ تشبیہ ناگزیر ہے۔ کہ بادہ و ساغر مجاز بہ حقیقت

بہرا ہوں میں تو چاہیئے دونا ہو التفات
سنتا نہیں ہوں بات مکرر کہے بغیر

یعنی ثقل سماعت وجہ بے التفاتی کیوں ہو، یہ تو مزید التفات کو متقاضی ہے کہ میں بار بار کہے بغیر نہیں سنتا۔ (بہانۂ طلب التفات)

غالب نہ کر حضور میں تو بار بار عرض
ظاہر ہے تیرا حال سب ان پر کہے بغیر

یعنی معشوق حالِ عاشق سے بے خبر نہیں ہوتا۔ (شکوۂ تغافل بے سبب)

(۶۰)

کیوں جل گیا نہ تابِ رخِ یار دیکھ کر
جلتا ہوں اپنی طاقتِ دیدار دیکھ کر

یعنی میں اپنی طاقت دیدِ جمال پر متاسف ہوں۔ کاش سوختۂ آتشِ جمال ہو جاتا۔ (ذوقِ جانثاری)

آتش پرست کہتے ہیں اہلِ جہاں مجھے
سرگرمِ نالہائے شرربار دیکھ کر

یعنی میں اس درجہ مصروف نالہائے شرربار ہوں کہ مجھ پر آتش پرست ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ (مبالغۂ سوز)

کیا آبروئے عشق جہاں عام ہو جفا
رکتا ہوں تم کو بے سبب آزار دیکھ کر

رکتا ہوں۔ یعنی منقبض یا رنجیدہ رہتا ہوں۔ یعنی تمھارا ستانا مرے عشق کے باعث ہو تو روا ہے لیکن تم تو بے سبب ہی ستاتے ہو۔ اس حالت میں عاشق کے لیے عشق پر اعتبار نہ رہا اور یہ بے آبروئی عشق ہے چنانچہ یہی امر وجہ انقباض خاطر ہے۔ (ذوقِ ستم کشی)

آتا ہے میرے قتل کو پر جوشِ رشک سے
مرتا ہوں اس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر

یعنی اگرچہ وہ میرے قتل کو آمادہ ہے لیکن تلوار کا اس کے پاس ہونا میرے لیے باعث رشک ہے کہ اس کے ہاتھ میں ہے۔ دوسرا سبب رقیب رشک یہ ہے کہ اس کی بجائے تلوار کیوں قتل کرے۔ (رشک)

ثابت ہوا ہے گردنِ مینا پہ خونِ خلق
لرزی ہے موجِ مے تری رفتار دیکھ کر

یعنی تری مستانہ چال سے دنیا کا خون ہو رہا ہے۔ چونکہ یہ مستی شراب سے ہوئی ہے اس لیے خون صراحی کی گردن پر ہوا اور موجِ مے خوف سے کانپ رہی ہے (خونریزیِ خرام)

وا حسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
ہم کو حریصِ لذتِ آزار دیکھکر

یعنی اس نے دیکھا کہ آزار کا میں شائق ہوں تو اس نے آزار دینا بھی چھوڑ دیا۔
(شکوۂ ستم کوشیِ محبوب)

بک جاتے ہیں ہم آپ متاعِ سخن کے ساتھ
لیکن عیارِ طبعِ خریدار دیکھ کر

بک جانا: بمعنی ممنونِ عنایت ہونا۔ یعنی ہم خریدارِ سخن کے بے حد ممنون ہوتے ہیں بشرطیکہ اس کی طبع نقاد ہو۔ (قدرِ سخن شناسی)

زنار باندھ سبحۂ صد دانہ توڑ ڈال
رہرو چلے ہے راہ کو ہموار دیکھکر

زنار: بمعنی عشق۔ سبحۂ صد دانہ: تکلیفاتِ شرعیہ۔ مطلب یہ ہے کہ معرفت کا سیدھا راستہ عشق ہے گو شریعت بھی ایک راستہ ہے لیکن ناہموار۔ (تفوقِ عشق بر عقل)

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
جی خوش ہوا ہے راہ کو پُرخار دیکھ کر

یعنی مقامِ مسرت ہے کہ خارِ راہ سے میرے پاؤں کے آبلے ٹوٹ جائیں گے اور آبلے جاتے رہیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ عاشق کو ایک مشکل سے نجات جبھی ہو سکتی ہے کہ دوسری مشکل اس پر غالب آ جائے۔ آبلہ ایک مشکل ہے اس کا ٹوٹنا دوسری مشکل ہوگی اور تب ہی آبلے سے نجات متصور ہوگی اور عاشق کی راہ میں جتنی زیادہ مشکلات ہوں اس کے لیے وجہ انبساط بیشتر ہوں گی۔ (ذوقِ تحمل شدائد)

کیا بدگماں ہے مجھ سے کہ آئنہ میں میرے
طوطی کا عکس سمجھے ہے زنگار دیکھ کر

آئینہ سامانِ ناز و نعمت میں سے ہے اور اس میں زنگ لگ جانا مستلزم ہے اسبابِ ناز و نعمت سے کنارہ کشی کو۔ طوطی کو آئینہ سے یہ مناسبت ہے کہ طوطی باز آئنہ کے سامنے طوطی رکھ کر اسے بولنا سکھاتے ہیں اور یہ بھی ایک شغلِ لہو و لعب ہے۔ مدعائے شاعر یہ ہے کہ میں تو اسبابِ عیش و ناز سے دور ہوں جس سے میرے آئنہ میں زنگ لگ گیا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ یہ زنگ نہیں بلکہ عکسِ طوطی ہے جو میرے شغلِ لہو و لعب کا نتیجہ ہے۔ (بدگمانی و شوخیِ معشوق)

گرنی تھی ہم پہ برقِ تجلی نہ طور پر
دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

برقِ تجلی پر تعریض ہے کہ کہاں جا کر گری ہے۔ بھلا کوہِ طور میں اتنا دم کہاں کہ اسے برداشت کرتا اسے تو ہم پر گرنا چاہیے تھا اس نے یہ نہ دیکھا کہ اس مے کے لیے قدح خوار

کا ظرف کہاں تک متحمل ہے (اعتماد و تاب جلوہ)

سر پھوڑنا وہ غالبِ شوریدہ حال کا
یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

یعنی تیری دیوار، شوریدہ سر غالب جس نے اس کا کام تمام کیا کی یادگار ہے (بیان شوریدگی)

(۹۱)

لرزتا ہے مرا دل زحمتِ مہرِ درخشاں پر
میں ہوں وہ قطرۂ شبنم کہ ہو خارِ بیاباں پر

آفتاب کو اس قطرۂ شبنم سے جو کانٹے کی نوک پر ہو جذب کرنے میں کیسی زحمت ہوتی ہوگی اس خیال سے میرا دل کانپ جاتا ہے یعنی اس عالی رتبہ محبوب کے لیے مجھ جیسے حقیر کو اپنے عالی دولت سے وابستہ کرنا باعث زحمت ہی ہے اور کیا ہو (بیان احتقار عشق)

نہ چھوڑی حضرتِ یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی
سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر

یعنی زندان تاریک میں سفیدی کا کیا کام لیکن زندان یوسف پر دیدۂ یعقوب کی سفیدی پھری ہوئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ زندان یوسف نے یعقوب کی سفیدی چشم کو لے لیا اور وہ کور ہوگئے۔ اس کو آرائش بطور طنز کہا ہے۔ (حسن آرائی عشق)

فنا تعلیمِ درسِ بے خودی ہوں اُس زمانے سے
کہ مجنوں لام الف لکھتا تھا دیوارِ دبستاں پر

مکتب کی دیوار پر لام الف لکھنا کنایہ ہے مجنوں کی کمال نادانی و طفلی سے۔ یعنی میں نے بے خودی کا سبق پڑھ کر فنا کی تعلیم اس وقت پائی تھی جب کہ مجنوں ہنوز طفل مکتب تھا۔

مطلب یہ ہے کہ میں بے خود و نالاں ہوں ۔ (نسبت نظری با عشق)

فراغت کس قدر رہتی مجھے تشویشِ مرہم سے
بہم گر صلح کرتے پارہ ہائے دل نمکداں پر ۔

مطلب یہ ہے کہ جراحت ہائے دل کے لیے نمک تو حاضر ہے ۔ مرہم عسیر الحصول ہے کاش دل کے ٹکڑے نمک پر مطمئن ہو جائیں تو میں کیوں تلاش مرہم کروں ۔ (عدم تحمل مصائب)

نہیں اقلیمِ الفت میں کوئی طومارِ ناز ایسا
کہ پشتِ چشم سے جس کے نہ ہووے مُہر عنواں پر

پشتِ چشم : یعنی بے رخی کی نظر ۔ یعنی ہر طومارِ ناز پر بے رخی کی مہر ہے مقصد یہ ہے کہ ناز کی تو شان بے رخی سے ہوتی ہے ۔ (واقعاتی نظر و انکار محبوب)

مجھے اب دیکھ کر ابرِ شفق آلود یاد آیا
کہ فرقت میں تری آتش برستی تھی گلستاں پر

یعنی یہ ابر شفق آلود ہیں جو فرقت میں گلستاں پر آگ برساتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں ۔ (ناگواری فرقت)

بجز پروازِ شوقِ ناز کیا باقی رہا ہوگا
قیامت اک ہوائے تند ہے خاکِ شہیداں پر

یعنی شہیدانِ ناز کی بربادی ایسی بربادی ہے کہ قیامت کے روز بھی ان کا نام و نشان نہ ملے گا ۔ البتہ پروازِ شوقِ ناز (خواہش نازبرداری محبوب) ایسی چیز ہے کہ جو مرنے کے بعد بھی باقی رہے گی ۔ سو اس پر قیامت کا ایسا اثر ہوگا جو مٹی کے ڈھیر پر آندھی کا ہوتا ہے یعنی کچھ خاک دھول کا اڑنا باقی کچھ بھی نہیں ۔ (حیاتِ عشقی و مرگِ عاشق)

نہ لڑ ناصح سے غالب کیا ہوا گر اس نے شدت کی
ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر

یعنی ناصح کا ہم پر شدت کرنا ایسا ہی عجز کا فعل ہے جیسا ہمارا گریبان پر۔ گویا وہ ہم پر بے مقصد سختی کرتا ہے اور ہم گریبان کو بے سبب پھاڑتے ہیں۔ اس میں نہ ہوا قصور ہر گز کسی کا۔ (دیکھئے ارشادِ پند در باب عشق)

(۶۲)

ہے بسکہ ہر اک ان کے اشارے میں نشاں اور
کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گماں اور۔

یعنی وہ عداوت کے سوا کچھ جانتے ہی نہیں۔ چنانچہ ان کی محبت کی باتوں میں بھی کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ عشق است و ہزار بدگمانی۔ (دیکھئے اطمینانی و اضطراب عشق)

یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
دے اور دل اُن کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

"نہ سمجھیں گے" اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ وہ جان بوجھ کر تغافل کرتے ہیں۔ پس معنی ظاہر کے علاوہ یہ معنی بھی ہے کہ میں تو اُنس یا اُلفت نہیں چھوڑ سکتا کیونکہ یہ امر محال ہے۔ اس کا دعا میں ذکر کرنا چاہیے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ محبوب نفرت سے باز آجائے۔ (دیکھئے التفاتِ محبوب)

ابرو سے ہے کیا اس نگہ ناز کو پیوند
ہے تیر مقرر مگر اس کی ہے کماں اور

یعنی نگاہ ناز کا تیر ابرو سے نہیں بلکہ ان ادا سے ہے۔

بیشک سے جاں ابرو سے غم یار نہیں ہے   تا دل کے بھی قبضے میں یہ تلوار نہیں ہے   ذکی

(دیکھئے تاثیر غمزۂ چشم)

تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم جب اٹھیں گے
لے آئیں گے بازار سے جا کر دل و جاں اور

یعنی تمہاری وجہ سے دل فروشوں اور جاں فروشوں کی گرم بازاری ہے۔ (شیوۂ دلستانیٔ محبوب)

ہرچند سبک دست ہوئے بت شکنی میں
ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہے سنگ گراں اور

یعنی وحدانیت کی راہ میں "ہم" ایک اور بہت بڑا پتھر ہے۔ محض بت شکنی سے وحدانیت کی راہ قطع نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ "ہم" یا خودی موجود ہو۔ (درسِ ترکِ خودی)

ہے خونِ جگر جوش میں، دل کھول کے روتا
ہوتے جو کئی دیدۂ خونابہ فشاں اور

روتا۔ صیغہ واحد متکلم۔ یہ جواب ہے شرط "جو" کا۔ یعنی بہت سی آنکھیں ہوتیں تو خوب پیٹ بھر کر روتا۔ (ذوقِ گریہ)

مرتا ہوں اس آواز پہ ہرچند سر اُڑ جائے
جلاد کو لیکن وہ کہے جائے کہ ہاں اور

مطلب یہ ہے کہ محبوب کی ہر صدا دل نواز ہے خواہ وہ کتنی ہی جان لیوا اور ایذا رساں ہو۔ (ذوقِ ستم کشی)

لوگوں کو ہے خورشیدِ جہاں تاب کا دھوکا
ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغِ نہاں اور

یعنی لوگ جسے سورج سمجھتے ہیں وہ میرے ہی داغ ہائے پنہاں ہیں (مبالغۂ سوزِ عشق)

لیتا۔ نہ اگر دل تمھیں دیتا۔ کوئی دم چین
کرتا۔ جو نہ مرتا کوئی دن۔ آہ و فغاں اور

یعنی دل نہ دیتا تو چین لیتا اور جان نہ دیتا تو آہ و فغاں کرتا۔ مطلب یہ ہے کہ عاشق وجہ اضطراب اور زندگی وجہ نالہ و فریاد ہے۔ (جانگدازی غم عشق)

پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے
رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

طبیعت رکتی ہے یعنی تحیر و حزن و ملال ہوتا ہے تو خوب مضمون سوجھتے ہیں۔ مصرعہ اول اس واقعہ کی تمثیل ہے۔ (قلادہ حسن و شعر)

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

یعنی ندرت بیان خصوصیت شعر غالب ہے۔ (وقتی بزم گستران)

(۲۳۲)

صفائے حیرت آئینہ ہے سامان زنگ آخر
تغیر آب برجا ماندہ کا پاتا ہے رنگ آخر

حیرت = کنایہ از سکوت و جمود۔ یعنی آئینہ جتنا زیادہ بے حرکت رہے گا اتنا ہی جلد زنگ پکڑے گا۔ جس طرح آب ساکن کا رنگ جلد تبدیل ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر صاحب کمال معرض زوال میں ہوتا ہے۔ (حیات ثبات کمال)

نہ کی سامان عیش و جاہ نے تدبیر وحشت کی
ہوا جام زمرد بھی مجھے داغ پلنگ آخر

یعنی سامانِ عیش سے وحشت دور نہیں ہوتی بلکہ بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ میں بزم جام سکر میں بالکل تنہا و وحشی ہی بن جاتا ہوں۔ بقول:

منزلِ عیش تو وحشت کدۂ امکان است　　چمن از سایۂ گل پشتِ پلنگ است اینجا بیدلؔ

(وحشت افزائی عشق)

(۶۳)

جنوں کی دستگیری کس سے ہو گر ہو نہ عریانی
گریباں چاک کا حق ہو گیا ہے میری گردن پر

گریباں چاک: اسم فاعل ترکیبی بمعنی گریباں چاک کنندہ (کنایہ از خود) یعنی گریبان پھاڑنے والے نے مجھے عریاں کر کے تکمیلِ جنوں میں میری مدد کی ہے۔ میں اس کا احسان مند ہوں۔ (تقویتِ جنوں)

برنگِ کاغذِ آتش زدہ نیرنگِ بیتابی
ہزار آئنہ دل باندھے ہے یک بالِ طپیدن پر

"نیرنگِ بیتابی": مشبہ ہے۔ تشبیہ دل با کاغذِ آتش زدہ میں ادات شبہ مقدر ہے۔ دوسرے مصرعے میں دلِ مضطر کا مرغِ سوزاں سے استعارہ بالکنایہ ہے۔ یعنی میرا دل جلتے ہوئے کاغذ کی سی تڑپ رکھتا ہے کہ اس نے اپنے جلتے ہوئے بازوؤں پر ہزاروں آئینے باندھ رکھے ہیں۔ (سوزشِ اضطرابِ دل)

فلک سے ہم کو عیشِ رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے
متاعِ بردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرض رہزن پر

یعنی عیشِ ماضی کی توقعِ بازیافت ایسی ہی مضحکہ خیز ہے جیسے لیے ہوئے مال کا قرضہ

کی طرح ہنر پیشہ سے تقاضا کرتا ہے (استعارہ از یافت عیش ماضی)

ہم اور وہ بے سبب رنج آشنا دشمن کہ رکھتا ہے
شعاعِ مہر سے تہمت نگہ کی چشمِ روزن پر

دشمن ۔ کنایہ از محبوب۔ بے سبب رنج آشنا ۔ جو بے وجہ خفا ہونے والا ۔ یعنی ہیں ایک ایسے بے سبب رنج آشنا دشمن سے سابقہ ہے جو روزن پر پڑی ہوئی روشنی آفتاب کو دیکھ کر کہتا ہے کہ یہ تمہاری آنکھوں کی چمک ہے۔ تم نے جھانک کر دیکھا ہے۔ (حیدری نقابیہ مشرقی)

فنا کو سونپ گر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا
فروغِ طالعِ خاشاک ہے موقوف گلخن پر

یعنی تنکے کا ستارہ اس وقت چمکتا ہے جب بھاڑ میں جلے۔ گویا تنکے کا فروغ فنا ہونے میں ہے۔ بقول کسے کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے۔ (دقائق حیا انجم)

اسدؔ بسمل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے
تو مشقِ ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر

بسمل ۔ یعنی کسی پر جان دینے والا یا مشتاق۔ یعنی اسد عاشق از انداز محبوب کا اس درجہ مشتاق ہے کہ اسے معشوق کی آدم بیزاری میں ہر گز تر احسانات کا صدمہ ہونا گوارا ہے۔

(زمینِ نادر رعایتِ محبوب)

(۶۵)

کشاکش مصلحت سے ہوں کہ خوباں تجھ پہ عاشق ہیں
تکلف بر طرف مل جائے گا تجھ سا رقیب آخر

یعنی یہ تکلف کہتا ہوں کہ میں تیرے جیسے کسی حسین کو اپنا رقیب بنانے کی کوشش میں

ہوں۔ بہت سے حسین تجھ پر عاشق ہیں ان میں کوئی تو تیرا جیسا ہوگا۔ (بیان مذاق حسن پرستی)

(۶۲)

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور
تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور

یہ غزل غالب کی بیوی کے بھانجے زین الدین المتخلص بہ عارف کا مرثیہ ہے سادہ مرثیہ میں ظرافت کی چاشنی، لیکن یہ ظرافت بھی دل و جگر پر نشتر کا کام کرتی ہے یہی کمال ہے شاعر کا۔ فرماتے ہیں کہ اے عارف مجھے تنہا کیوں چھوڑ گئے۔ اب اکیلا ہی رہنا پڑے گا۔ کچھ دن میرا انتظار کرتے رہو۔ موت کی مجبوری کو اختیاری قرار دینا پہلوئے ظرافت ہے۔ (در ماتم عارف)

مٹ جائے گا سر گر ترا پتھر نہ گھسے گا
ہوں در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور

پتھر: غالباً مراد سنگ مزار سے ہے۔ یعنی میری ناصیہ فرسائی گرانیٔ خاطر کا باعث نہ ہو۔ کچھ ہی دنوں کی بات ہے۔ کیونکہ آخر پتھر گھس جائے گا یا سر مٹ جائے گا لیکن ناصیہ فرسائی بہر حال ختم ہو جائے گی۔ (بیان ہلاکت آفرینیٔ غم)

آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں
مانا کہ ہمیشہ نہیں اچھا کوئی دن اور

یعنی بہت تھوڑی زندگی پائی۔ کچھ دن تو اور جیتے رہتے۔ (حسرت طول حیات)

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے کوئی دن اور؟

یعنی تمہارا دنیا سے جانا ہی میرے لیے قیامت ہے۔ اب اور کونسی قیامت آئے گی جس میں ملنے کا وعدہ ہے۔ (اظہار الم بہ پیرایۂ ظرافت)

ہاں اے فلک پیر جواں تھا ابھی عارف
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

اس شعر میں لفظ "ہاں" نہایت بلیغ و معنی خیز ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرنے والے کے تصور میں شاعر محو تھا لیکن اس کی جوانی یاد کرتے ہی بول پڑا۔ یعنی اور یا تمہیں بلانا تھا تو اے آسمان اس کی جوانی ہی کا خیال کیا ہوتا۔ (نوحۂ جوان مرگ)

تم ماہِ شبِ چار دہم تھے مرے گھر کے
پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشہ کوئی دن اور

یعنی چاندنی کوئی دن کی ہوتی ہے لیکن کوئی دن بھی نہ رہی۔ (نوحۂ مرگ مفاجات)

تم ایسے کہاں کے تھے کھرے داد و ستد کے
کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور

یعنی داد و ستد کا کھرا پن کیا اسی میں تھا کہ مدت حیات پیچھے سے مرتب وہ۔ (اظہار الم بہ پیرایۂ ظرافت)

مجھ سے تمہیں نفرت سہی نیر سے لڑائی
بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور

شاعر کو مرحوم کی جو جو باتیں یاد آتی ہیں ان کی صراحت کر رہا ہے۔ یعنی تم مجھ سے خفا ہو جاتے تھے۔ نیر سے بھی لڑتے تھے۔ خیر مانا کہ اس لیے چلے گئے لیکن اپنے بچوں کی بہار تو کچھ دیکھنی تھی۔ (نوحۂ فراق وفات یافتہ)

گزری نہ بہر حال یہ مدت خوش و ناخوش
کرنا تھا جواں مرگ گزارا کوئی دن اور

یعنی دنیا رہنے کی جگہ تو بے شک نہیں ہے۔ لیکن آخر رہتے ہی تھے۔ چندے اور رہتے۔ (زخمۂ رگ مناجات)

ناداں ہو جو کہتے ہو کہ کیوں جیتے ہو غالب
قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

یعنی قسمت میں مرنے کی تمنا ہے اس لیے جی رہا ہوں سو واقعی جینا تو نہیں چاہیے تھا۔ (تلخیٔ عیش)

ز

(۶۷)

فارغ مجھے نہ جان کہ مانند صبح مہر
ہے داغ عشق زینت جیب کفن ہنوز

یعنی مر گیا ہوں لیکن غم عشق سے نجات نہیں۔ اب بھی گریبان کفن مانند صبح روشن چاک چاک ہے۔ (دوام عشق) کاش پہلے مصرع میں صبح مہر کی بجائے مہر صبح ہو۔

ہے نازِ مفلساں زرِ از دست رفتہ پر
ہوں گلفروشِ شوخیٔ داغِ کہن ہنوز

شوخی: بمعنی جدت و خوبی۔ گلفروش ہونا: بمعنی تماشا گر ہونا۔ یعنی جس طرح کوئی مفلس اپنی پچھلی دولت پر ناز کرے اسی طرح میں بھی اپنے داغہائے کہن کا تذکرہ فخر سے کرتا ہوں۔ (فخر شیوۂ عاشقی)

میخانۂ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں
خمیازہ کھینچے ہے بتِ بیدادِ فن ہنوز

خمیازہ کھینچنا: بمعنی طالب ہونا۔ یعنی ظالم معشوق خونِ جگر کا پیاسا ہے لیکن اب جگر میں کیا رکھا ہے۔ (ترکشِ مشرق)

(۶۸)

حریفِ مطلبِ مشکل نہیں فسونِ نیاز
دعا قبول ہو یارب کہ عمرِ خضر دراز

نیاز: بمعنی دعا۔ یعنی دعا سے مشکل مقصد تو حاصل ہونے سے رہا البتہ ایسی دعا مانگتے ہو تو مگر جو قبولیت ہونے والی ہے۔ مثلاً خدایا خضر کی عمر دراز ہو۔ (طرزِ نگارشِ نئی قریبی)

نہ ہو بہ ہرزہ بیاباں نوردِ وہمِ وجود
ہنوز تیرے تصور میں ہے نشیب و فراز

تصور میں نشیب و فراز ہونا: بمعنی تصور کا خام ہونا یا تصور کا ناہموار ہونا یعنی یہ تصور کرنا کہ کوئی شے موجود ہے فی الواقع تصور کی ناہمواری یا انسان کی خام خیالی ہے۔ (دیدۂ نابود عالم)

وصالِ جلوہ تماشا ہے پر دماغ کہاں
کہ دیجے آئینۂ انتظار کو پرداز

جلوہ تماشا: بمعنی جلوہ دکھانے والا۔ تماشہ جلوہ کرنے والا۔ پرداز دینا: بمعنی پرداختن یا بنانا، تیار کرنا۔ یعنی وصالِ محبوب کا جلوہ آئینۂ انتظار میں عکس پذیر ہو سکتا ہے مطلب یہ ہے کہ ہم اسے تصور میں پا سکتے ہیں بشرطیکہ قوائے تصور و تخیل یعنی

دماغ کا کام کرتا ہو۔ اگر دماغ میں تصور و تخیل کی قوت ہی نہ ہو تو خیال میں بھی وصال کا جلوہ کہاں نظر آسکتا ہے۔ (انحصار وصالِ محبوبِ حقیقی)

ہر ایک ذرۂ عاشق ہے آفتاب پرست
گئی نہ خاک ہوئے پر ہوائے جلوۂ ناز

یعنی اہلِ عشق کی خمیر میں محبت ہے اور اس کا ذرہ ذرہ آفتاب پرست و مشتاقِ حسن ہوتا ہے۔ چنانچہ خاک ہو کر بھی جلوۂ ناز سے کیف اندوز ہونے کی خواہش رہتی ہے۔ (مذاقِ جلوۂ محبوب)

نہ پوچھ وسعتِ میخانۂ جنوں غالب
جہاں یہ کاسۂ گردوں ہے ایک خاک انداز

یعنی اہلِ جنونِ عشق کا مقام اتنا وسیع و بلند ہے کہ ان کے نزدیک آسمان باایں ہمہ وسعت، خاک دھول ڈالنے کے برتن جتنا مختصر اور بے حقیقت ہے۔ (مقامِ آزادگان)

(۷۹)

وسعتِ سعیِ کرم دیکھ کہ سر تا سرِ خاک
گزرے ہے آبلہ پا ابرِ گہر بار ہنوز

سعی: یعنی دوڑ دھوپ۔ یعنی کرم اپنا فیض کتنی دور دور تک پہنچاتا ہے۔ اس کا اندازہ اس سے کرو کہ ہر چند اس کے پیروں میں (قطرہ ہائے آب کے) آبلے ہیں پھر بھی تمام روئے زمین پر موتی برساتا پھرتا ہے۔ (تحسینِ اہلِ کرم)

یک قلم کاغذِ آتش زدہ ہے صفحۂ دشت
نقشِ پا میں ہے تپِ گرمیِ رفتار ہنوز

یعنی میں نے وحشت میں ایسی گرم رفتاری دکھائی ہے کہ میرے نقوشِ پا کی حدت سے تمام صحرا جلا ہوا کاغذ بن گیا۔ پھر بھی رفتار کی تڑپ باقی ہے۔ (مبالغۂ وحشت و صحرانوردی)

(۷۰)

کیوں کر اس بت سے رکھوں جان عزیز
کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز

عزیز: یہاں پر یعنی دریغ ہے۔ یعنی محبوب پر جان نثار کرنا ہی عین پاسِ ایمان ہے جان کو محبوب سے دریغ کیسے رکھ سکتا ہوں۔ (فخرِ جاں نثاری)

دل سے نکلا پہ نہ نکلا دل سے
ہے ترے تیر کا پیکان عزیز

دل سے نکلا: یعنی دل کو زخمی کر گیا۔ دل سے نہ نکلا: یعنی دل سے نہ اترا یعنی تیرا تیر خوار اگرچہ دل کو زخمی کر گیا ہے۔ لیکن دل سے نہیں اترا بلکہ بدستور محبوب و مرغوبِ خاطر ہے۔ (ذوقِ جراحت)

تاب لائے ہی بنے گی غالب
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

واقعہ: مراد عشق۔ یعنی جان عزیز نہ ہو تو کیسے ممکن ہے کہ انسان عشق کے حادثہ کو جھیل سکے۔ (جانکاہیٔ عشق)

(۷۱)

نے گلِ نغمہ ہوں نہ پردۂ ساز
میں ہوں اپنی شکست کی آواز

گلِ نغمہ : بمعنی نغمہ۔ پردۂ ساز : بمعنی ساز۔ اپنے وجود کو صدائے شکست خویشتن سے تشبیہ دی ہے، وجہ شبہ آنی، اضطراری اور بے حقیقت ہونا ہے۔ یعنی میری حقیقت کچھ اور ہے۔ اشارہ ہے مبدأ حقیقی کی جانب جس کی شکست سے ایک آنی، اضطراری اور بے حقیقت آواز پیدا ہوتی ہے میں وہی آواز ہوں جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ وہ آواز نہ نغمہ ہے نہ ساز ہے۔ ظاہر ہے کہ صدائے شکست نہ حقیقتِ شے میں داخل ہے نہ اس سے خارج ہے یہی حال مبدأ حقیقی کی نسبت سے انسان کا ہے۔ ([illegible])

تو اور آرائشِ خمِ کاکل
میں اور اندیشہ ہائے دور و دراز

یعنی محبوب محو زیب و زینت ہے اور عاشق اس فکر میں ہے کہ دیکھیے اس آرائش حسن کا کیا حشر ہوتا ہے۔ (بے نیازیٔ حسن)

لافِ تمکیں فریبِ سادہ دلی
ہم ہیں اور رازہائے سینہ گداز

یعنی رازہائے سینہ گداز اور اپنی ہستی کو دیکھ کر یہی کہنا پڑتا ہے کہ سنجیدگی اور وقار کے قائم رکھنے کا دعویٰ اپنی سادہ لوحی کے دھوکے میں آجانا ہے۔ داستانِ صبر و قرار عاشق)

وہ بھی دن ہو کہ اس ستمگر سے
ناز کھینچوں بجائے حسرتِ ناز

حسرت : بمعنی محرومی۔ یعنی کاش نازِ محبوب سے محروم رہنے کی بجائے اس کی ناز برداری کا موقع نصیب ہو۔ (حسرتِ ناز برداری)

ہوں گرفتارِ الفتِ صیاد
ورنہ باقی ہے طاقتِ پرواز

یعنی میں اسیرِ الفت ہوں جس سے چھٹکارا ممکن نہیں باقی اور قیدوں سے نجات ممکن ہے ۔ (ابتلائے عشق) یا (بے درمانیٔ عشق)

نہیں دل میں مرے وہ قطرۂ خوں
جس سے مژگاں ہوئی نہ ہو گلباز

گلباز ہونا : یعنی پھولوں سے کھیلنا یا پھول اچھالنا۔ یعنی میرے دل کا ہر قطرۂ خوں صرفِ گلبازیٔ مژگاں ہو گیا۔ (خونفشانیٔ چشم)

اے ترا غمزہ یک قلم انگیز
اے ترا ظلم سربسر انداز

انگیز : یعنی انگیخت یا شوق افزائی۔ یعنی محبوب کا غمزہ و ناز شوق کو ابھارتا ہے اور اس کا ظلم سراسر اندازِ معشوقانہ ہے کہ وہ بھی دلفریب ہے۔ (دلربائی اداہائے محبوب)

تو ہوا جلوہ گر مبارک ہو
ریزشِ سجدۂ جبینِ نیاز

یعنی سجدہ مبارک ہو کہ محبوب جلوہ افروز ہوا۔ بقول :

شورِ قدم مژدۂ قد قامت الصلوٰۃ   بانگِ رحیل دے ز قیامت روایتے (مشتاق)

(ذوقِ پرستاری)

مجھ کو پوچھا تو کچھ غضب نہ ہوا
میں غریب اور تو غریب نواز

یعنی غریب نواز کا تو کام ہی غریب نوازی ہے۔ اس پر آخر کسی کو کیوں اعتراض ہو۔ (استحسانِ التفات)

اسداللہ خاں تمام ہوا
وا دریغا وہ رندِ شاہد باز

یعنی غالب کے بعد اس کی رندی و شاہد بازی یاد رہے گی۔ (فخرِ آزادہ وشی)

س

(۷۲)

مژدہ اے ذوقِ اسیری کہ نظر آتا ہے
دامِ خالی قفسِ مرغِ گرفتار کے پاس

یعنی شائقینِ اسیری کے لیے مقامِ خوشی ہے کہ گرفتاری کے لیے جال بچھا ہے یا سامانِ گرفتاری مہیا ہے اور یہ گرفتاری پیشِ نظر ہے کہ مرغِ آزاد اپنے ہم جنس کو دیکھ کر آسانی سے گرفتار ہو جائے۔ مرغِ گرفتار در حقیقت ایسے مشتاق ہیں جو گرفتار ہستہ ہو کر خوش ہیں بلکہ دوسروں کی گرفتاری کے لیے باعثِ ترغیب ہیں۔ (ذوقِ گرفتاریٔ دامِ محبت)

جگرِ تشنۂ آزار تسلی نہ ہوا
جوئے خوں ہم نے بہائی بنِ ہر خار کے پاس

تسلی نہ ہوا۔ یعنی سیر نہ ہوا یعنی اس قدر کانٹے چبھے کہ جڑوں میں خون کی ندی بہہ گئی پھر بھی ایذا و آزار کے پیاسے دل کو سیری نہ ہوئی۔ (ذوقِ ایذا طلبی)

مند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں ہے ہے
خوب وقت آئے تم اس عاشقِ بیمار کے پاس

ہے ہے کلمہ حسرت و افسوس یعنی اے محبوب تو عاشق بیمار کے پاس ایسے آخر وقت پر آیا کہ دیکھنے کی کوشش کرتے کرتے ہی وہ چل بسا۔ (حسرت انجامی اجل

میں بھی رک رک کے نہ مرتا جو زباں کے بدلے
دشنہ اک تیز سا ہوتا مرے غمخوار کے پاس

یعنی اگر کسی دھار دار خنجر سے قتل کر دیا جاتا تو مرنے میں ایسی دیرپا اذیت نہ جھیلنی پڑتی جو ہمدردی جتانے والوں کی نصیحت و فضیحت سے جھیلنی پڑی۔ (تحفۂ پند در بابِ عشق

دہنِ شیر میں جا بیٹھئے لیکن اے دل
نہ کھڑے ہوجیے خوبانِ دل آزار کے پاس

یعنی شیر کے منہ میں جا بیٹھنا اتنا اذیت ناک نہیں جتنا کہ ظالم حسینوں کے پاس پھٹکنا۔ (ہجو حسیناں)

دیکھ کر تجھ کو چمن بسکہ نمو کرتا ہے
خود بخود پہنچے ہے گل گوشۂ دستار کے پاس

یعنی تیری بدولت چمن کی بالیدگی کا یہ عالم ہے کہ پھول ابھر ابھر کر از خود دستار تک پہنچ رہے ہیں۔ (مبالغۂ نشاطِ قدومِ محبوب)

مر گیا پھوڑ کے سر غالبِ وحشی ہے ہے
بیٹھنا اس کا وہ آ کر تری دیوار کے پاس

یعنی عاشق کے مرنے کے بعد اس کی وفا و سر فروشی کو لوگ یاد کرتے ہیں کہ کس طرح محبوب کی دیوار کے پاس سر پھوڑنے کو بیٹھتا تھا۔ (سرفروشی عاشق مہجور

ش

(۷۲)

نہ لیوے گر خسِ جوہر طراوت سبزۂ خط سے
لگا دے خانۂ آئینہ میں روئے نگار آتش

یعنی محبوب کا سبزۂ خط اگر جوہرِ آئینہ کو طراوت نہ بخشے تو اس کا حسن جہاں سوز آئینہ میں آگ لگا دے۔ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ سبزہ خط سے حدتِ حسن میں کمی آجاتی ہے۔ (مبالغۂ تاثیرِ حسن)

فروغِ حسن سے ہوتی ہے حلِ مشکلِ عاشق
نہ نکلے شمع کے پا سے نکالے گر نہ خار آتش

شمع کی لو کو خارِ پا سے تشبیہ دی ہے اور کانٹے کا نکلنا آزار سے نجات پانا ہے۔ یعنی حسن جب قلبِ عاشق پر اثر انداز ہوتا ہے تو عاشق کی مشکل حل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اگر شمع روشن نہ ہو تو اس کے پاؤں میں بتی کا جو کانٹا چبھا ہوا ہے وہ کبھی نہ نکلے۔ یہاں شمع کو عاشق قرار دیا گیا ہے اور شعلہ کو معشوق۔ (راحتِ دیدار)

ع

(۷۳)

جادہ رہِ خور کو وقتِ شام ہے تارِ شعاع
چرخ وا کرتا ہے ماہِ نو سے آغوشِ وداع

تارِ شعاع کو جادہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ رہ: بمعنی سفر۔ یعنی شام کو سورج کی

کرنیں گویا خورشید کے لیے جادۂ سفر ہیں یا اس کو سفر کا راستہ دکھاتی ہیں۔ نیز آسمان پر ہالۂ نور نے گویا آغوش کھول رکھی ہے کہ سورج کو رخصت کرنے کے لیے بغلگیر ہو۔ (منظر کشی وقت غروب)

(۴۵)

رخِ نگار سے ہے سوزِ جاودانیِ شمع
ہوئی ہے آتشِ گل آبِ زندگانیِ شمع

گل: استعارہ از محبوب   یعنی شمع رخِ محبوب کو دیکھ کر سوزِ عشق میں مبتلا ہے اور چونکہ جلنا ہی اس کی زندگی ہے اس لیے گویا گلِ رخسار کی آگ (سرخی) شمع کے لیے مایۂ زندگانی ہے۔ (مدح آتشِ رخسارِ محبوب)

زبانِ اہلِ زباں میں ہے مرگ خاموشی
یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانیِ شمع

یعنی اہلِ زبان خاموش ہو جانے کو موت سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کا ثبوت شمع سے ملتا ہے کہ جب اس کی زبان (لو) ختم ہو جاتی ہے تو وہ مردہ یا کشتہ کہلانے لگتی ہے۔ (تلازمِ سخن و حیات)

کرے ہے صرف بہ ایمائے شعلہ قصہ تمام
بطرزِ اہلِ فنا ہے فسانہ خوانیِ شمع

یعنی شمع کی کہانی شعلے کے ایک اشارے پر ختم ہو جاتی ہے۔ یہی حال اہلِ فنا کا ہے کہ بیک جنبشِ نفسِ گرم کام تمام ہو جاتا ہے۔ (بے ثباتیِ عہدِ حیات)

غم اس کو حسرتِ پروانہ کا ہے اے شعلہ
ترے لرزنے سے ظاہر ہے ناتوانیِ شمع

یعنی اے شعلۂ شمع جب تو کانپتا ہے اور میں تھرتھراہٹ ہوتی ہے، تو شمع کو اپنی ناتوانی کا احساس ہوتا ہے کہ مبادا پروانہ کو جلنے کی حسرت ہی رہے اور شمع کا خاتمہ ہو جائے۔ (ناپائیداریٔ حسن)

ترے خیال سے روح اہتزاز کرتی ہے
بہ جلوہ ریزیٔ باد و بہ پرفشانیٔ شمع

یعنی ہوا چلنے اور شمع کے لرزنے کی قسم جب تیرا خیال آتا ہے تو میری روح وجد میں آ جاتی ہے۔ ہوا اور شمع کے ذکر سے اشارہ ہے کیفیتِ وجد سے (وجد آفرینیٔ تصورِ محبوب)

نشاطِ داغِ غمِ عشق کی بہار نہ پوچھ
شگفتگی ہے شہیدِ گلِ خزانیٔ شمع

گلِ خزانیٔ شمع: یعنی شمع کی روشنی کو کم کر دینے والا گل۔ یہ تمثیل ہے داغِ غمِ عشق کی۔ یعنی غمِ عشق کا داغ ہر چند کہ گلِ شمع کی طرح افسردہ کرنے والا ہے لیکن اس سے جو نشاطِ فراواں حاصل ہوتا ہے اس کی کیفیت بیان سے باہر ہے۔ گویا شگفتگیٔ خاطر شمع والا کی افسردگی پر شیدا ہے۔ (نشاطِ غمِ عشق)

ف

(۷۶)

ہم رقیب سے نہیں کرتے وداعِ ہوش
مجبوریاں تلک ہوئے اے اختیار حیف!

یعنی خوفِ رقیب نے اس درجہ مسلوب الاختیار کر دیا ہے کہ بے ہوش بھی نہیں ہو سکتے

کہ مبادا اس پر رازِ عشق افشا ہو جائے۔ (اندیشۂ افشائے رازِ عشق)

جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اک بار جل گئے
اے ناتمامیِ نفسِ شعلہ بار حیف

ناتمامی: تکمیل کی کوتاہی۔ یعنی آہِ شعلہ بار کی اس کوتاہی پر جی جلتا ہے کہ اس نے ایک دم ہم کو بھی جلا کر خاک کیوں نہ کر دیا۔ (حسرتِ مرگ)

ک

(۷۷)

زخم پر چھڑکیں کہاں طفلانِ بے پروا نمک
کیا مزہ ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک

یعنی کاش ان پتھروں میں جو لڑکے مجھ دیوانہ پر پھینکتے ہیں نمک ہوتا کہ میں جراحت کے ساتھ نمک پاشی کا بھی مزہ اٹھاتا۔ (ذوقِ جراحت)

گردِ راہِ یار ہے سامانِ نازِ زخمِ دل
ورنہ ہوتا ہے جہاں میں کس قدر پیدا نمک

یعنی لذتِ کلفت کے لیے زخم پر چھڑکنے کے لیے نمک کی کمی نہ تھی لیکن میں نمک کا کام گردِ راہِ یار سے لیتا ہوں کیوں کہ اس پر (لذتِ کلفت کے علاوہ) زخمِ دل نازاں بھی ہے۔ (فخرِ سعادتِ عشق)

مجھ کو ارزانی رہے تجھ کو مبارک ہو جیو!
نالۂ بلبل کا درد اور خندۂ گل کا نمک

ارزانی ہونا : بمعنی عطا ہونا ۔ یعنی مجھے نالۂ بلبل کا درد ملا اور خندۂ گل نے زخموں پر نمک پاشی کی۔ تجھے مبارک ہو کہ یہی چاہتا تھا۔ (طعن ہے جبرِ معشوق)

شورِ جولاں تھا کنارِ بحر پر کس کا کہ آج
گردِ ساحل ہے بزخمِ موجۂ دریا نمک

یعنی محبوب کی جولانی میں اس درجہ شور یا دلفریبی تھی کہ اس سے جو گرد اٹھی اس نے موجِ دریا پر جو زخم کے مانند ہوتی ہے، نمک کا کام کیا۔ مطلب یہ ہے کہ دریا کو اپنی جولانی کے مقابلہ میں محبوب کی جولانی پر سخت رشک آیا۔ (تحسین خرام یا جولانیٔ محبوب)

داد دیتا ہے مرے زخمِ جگر کی واہ واہ
یاد کرتا ہے مجھے دیکھے ہے وہ جس جا نمک

یعنی محبوب کہیں پر نمک دیکھتا ہے تو مجھے یاد کرتا ہے گویا وہ میرے زخمِ جگر کی خوب داد دیتا ہے کہ اس کے خیال میں میرا زخم اور نمک متلازم ہیں۔ (شیوۂ نمک پاشیٔ محبوب)

چھوڑ کر جانا تنِ مجروحِ عاشق حیف ہے
دل طلب کرتا ہے زخم اور مانگے ہیں اعضا نمک

یعنی ہنوز یہ کہ دل جراحت کا اور زخم اعضا نمک کے طلب گار ہیں، گویا تکمیلِ اذیت نہیں ہونے پائی مجھ صیدِ مجروح کو چھوڑ کر جانا باعثِ افسوس ہے۔ (ذوقِ جراحت و ایذا طلبی)

غیر کی منت نہ کھینچوں گا پئے توفیرِ درد
زخم مثلِ خندۂ قاتل ہے سرتاپا نمک

یعنی وفورِ درد کے لیے نمک کا احسان کیوں اٹھاؤں کہ میرا زخم خنداں محبوب کی

پھنسی کی طرح پہلے ہی پُر از نمک ہے۔ (بیانِ دردناکیٔ زخم)

یاد ہیں غالبؔ مجھے وہ دن کہ وجدِ ذوق میں
زخم سے گرتا تو میں پلکوں سے چنتا تھا نمک

یعنی وہ دن بھی کیا خوب تھے کہ مجھے جفا کشی اور ایذا طلبی کا اس قدر شوق تھا کہ اگر زخم سے نمک گرتا تو میں اسے اپنے پلکوں سے اٹھایا کرتا تھا۔ گویا اذیتِ عشق جھیلنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتا تھا۔ (مذاقِ جراحت طلبی)

(۷۸)

آہ کو چاہیئے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تری زُلف کے سر ہونے تک

آہ کا اثر ہونا: یعنی کامیابِ وصل ہونا۔ زلف کا سر ہونا: یعنی الجھے ہوئے بالوں کا سنور جانا۔ یعنی نہ معلوم کب تک تو مصروفِ آرائش رہے گا۔ شاید اسی انتظار میں میری عمر ختم ہو جائے گی ؎

کے دہد دست ایں غرض یارب کہ ہمدستاں شود   خاطرِ مجمع ما زلفِ پریشانِ شما (حافظ)

(حسرتِ وصال)

دامِ ہر موج میں ہے حلقۂ صد کامِ نہنگ
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

یعنی قطرہ، موتی تب بنے گا کہ سیپ کے پیٹ میں جا کر قرار پکڑے لیکن ایسا ہونا بڑا مشکل ہے کیونکہ سمندر میں تمام موجوں کا جال ہے اور اس میں ہزاروں مگرمچھ منہ کھولے پڑے ہیں۔ نہ جانے موتی بننے تک قطرہ پر کیا گزرے۔ (دشواریٔ حصولِ مدعا)

عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب
دل کا کیا رنگ کروں خونِ جگر ہونے تک

یعنی عشق میں صبر چاہیئے اور شوق ہے کہ بے قرار رکھتا ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ جگر کا خون ہوگا موت آ جائے گی لیکن اس دوران دل کو کس حال میں رکھوں نہ صبر کیے بنتی ہے نہ اضطراب سے کچھ حاصل ہے۔ (مشکلاتِ عاشق)

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

یعنی اگر میرے حالِ زار کی خبر ہوئی تو ضرور محبوب التفات کرے گا لیکن خبر ہو تو کیسے زندگی میں ہونا محال معلوم ہوتا ہے۔ (حسرتِ عرضِ حال)

پرتوِ خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک

یعنی جس طرح آفتاب کی روشنی میں شبنم نے فنا ہونا سیکھا ہے اسی طرح میں بھی جبھی تک ہوں کہ محبوب کی نظرِ عنایت مجھ پر نہیں پڑتی اس نے نظر ڈالی اور میں تابشِ جمال سے فنا ہوا۔ (تابناکیٔ جلوہ)

یک نظر بیش نہیں فرصتِ ہستی غافل
گرمیٔ بزم ہے اک رقصِ شرر ہونے تک

رقص: یعنی چمک۔ یعنی عرصۂ حیات اس قدر مختصر ہے کہ پلک جھپکاتے ہی ختم ہو جاتا ہے جیسے چنگاری کہ ذرا چمکی اور ختم۔ بقولے۔

کیا گرم اختلاط کسی سے ہو مصحفی فرصت ہے زندگی کی بقدرِ شرر یہاں

(بے ثباتیٔ عرصۂ حیات)

غمِ ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

یعنی موت سے پہلے غم سے نجات نہیں جیسے شمع کہ جب تک زندہ ہے جلتی رہتی ہے۔ (تلازم غم و حیات)۔

گ

(۷۹)

گر تجھ کو ہے یقینِ اجابت دعا نہ مانگ
یعنی بغیر یک دلِ بے مدعا نہ مانگ

نہ مانگ (مصرعہ اول میں) بمعنی تمنا نہ کر یعنی ناکامیوں سے مایوسی کا یہ عالم ہے کہ کسی دعا کے پورا ہونے کا یقین نہیں اور اگر قبولیتِ دعا کا یقین ہے تو چاہیے کہ دل میں کوئی خواہش نہ ہونے کی دعا مانگی جائے تاکہ دعا کرنے کی تمنا ہی نہ ہو۔ (کمالِ یاس)

آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد
مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

یعنی گناہوں کا شمار اتنا ہی مشکل ہے جتنا کہ داغِ حسرتِ دل (یا نامرادیوں) کا شمار۔ مطلب یہ ہے کہ گناہ بہت ہیں لیکن گناہ جو میں نہ کر سکا وہ بھی بہت ہیں۔ (کثرتِ ناکامی) یا (بیانِ کثرتِ آمال)

ل

(۸۰)

ہے کس قدر ہلاکِ فریبِ وفائے گُل
بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گُل

کاروبار: یعنی طرزِ عمل۔ یعنی بلبل کی باتوں پر پھول ہنستے ہیں کہ وفا کے دھوکے میں آکر کیسا شا ہوا۔ یہ کہ سمجھتا ہے کہ پھول کبھی اس سے جدا نہ ہوگا۔ بقولے ؎

شورِ بلبل کم نگردد گر رود گل از چمن　　حسن بے بنیاد باشد عشق بے بنیاد نیست

(فریبِ وفا)

آزادیِ نسیم مبارک کہ ہر طرف
ٹوٹے پڑے ہیں حلقۂ دامِ ہوائے گُل

یعنی پھول کی کلیوں میں ہوائے خوشگوار بند تھی۔ وہ حلقے ٹوٹ گئے پھول کھل گئے اور نسیم آزاد ہو گئی۔ مبارک ہو۔ (شگفتگیِ گل و اہتزازِ نسیم)

جو تھا سو موجِ رنگ کے دھوکے میں مر گیا
اے وائے نالۂ لبِ خونیں نوائے گُل

نالۂ لبِ خونیں نوا: یعنی اس طرح فریاد کرنا کہ ہونٹوں سے آواز کے ساتھ خون نکلنے لگے۔ یہاں مراد شگفتگی سے ہے۔ یعنی لوگوں نے پھولوں کے شگفتہ ہونے کو جو دراصل نالہ ہے موجِ رنگ تصور کیا اور اس پر فریفتہ ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ پھول کے غم فناپذیری کو کوئی نہیں جانتا اور پھول ہیں کہ اس حال میں ختم ہوتے جا رہے ہیں (تغافل ابنائے زمانہ)

خوش حال اس رقیب سیہ مست کا کہ جو
رکھتا ہو مثلِ سایۂ گل سر بہ پائے گل

وہ رقیب بدمست خوش نصیب ہے جو عالم مدہوشی میں اپنا سر محبوب کے پیروں پر اس طرح رکھ دے۔ جیسے پھول کا سایہ پھول کے قدموں میں ہوتا ہے۔ (ذوق نیاز مندی)

ایجاد کرتی ہے اسے تیرے لیے بہار
میرا رقیب ہے نفسِ عطر سائے گل

نفس: یعنی مہکتی باد بوئے خوش۔ یعنی پھول کی عطر آگیں خوشبو کو ہوا اس لیے تیار کرتی ہے کہ تو اسے پسند فرمائے۔ گویا خوشبوئے گل بھی میری ایک رقیب ہے کہ تری محبوب ہے۔ (مبالغۂ رشک)

شرمندہ رکھتے ہیں مجھے بادِ بہار سے
مینائے بے شراب و دلِ بے ہوائے گل

یعنی فصلِ بہار میں صراحی شراب سے اور دل شوقِ سیرِ گل سے خالی ہوتا ہے تو میں بہار سے شرمندہ ہوتا ہوں کہ اس کا حق ادا کرنے سے قاصر رہا۔ اشارہ یہ ہے کہ تا بمقدور اسبابِ مستی و سرخوشی سے محروم رہنا باعثِ شرم ہے۔ (ادب اغتنام فرصت)

سطوت سے تیرے جلوۂ حسنِ غیور کی
خوں ہے مری نگاہ میں رنگِ ادائے گل

خوں ہے: یعنی ہیچ ہے یا بیکار ہے۔ غیور جو دوسروں کے سامنے اپنی تحقیر گوارا نہ کرے۔ یعنی تیرے رعبِ حسن سے میں پھول کی رنگینیوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتا کہ مبادا تیرے حسنِ غیور کو ٹھیس لگے یا تجھے ناگوارِ خاطر ہو۔ (پاسداریٔ محبوب)

تیرے ہی جلوہ کا ہے یہ دھوکا کہ آج تک
بے اختیار دوڑے ہے گُل درقفائے گُل

یعنی کوئی پھول کھلتا ہے تو یہ دھوکا ہوتا ہے کہ شاید تیرا جلوہ نمودار ہوا۔ چنانچہ اس دھوکے میں پھول کے پیچھے پھول دوڑا چلا آتا ہے۔ (رجوع تمام بسوئے جمال محبوب)

غالبؔ مجھے ہے اس سے ہم آغوشی آرزو
جس کا خیال ہے گُلِ جیبِ قبائے گُل

گُل جیبِ قبا: یعنی وہ پھول جو زیبِ لباس کے لیے گریبان پر لگایا جائے۔ مراد موجبِ زیب و زینت۔ ظاہر ہے کہ پھول جو بذاتِ خود خوش آئند چیز ہے گُلِ جیبِ قبا ہو تو کس درجہ خوش آئندہ اور مستوجبِ زیب و زینت ہوگا۔ یعنی مجھے اس محبوب کے وصال کی تمنا ہے جس کا خیال خود پھولوں کے لیے بھی وجہِ فخر و آرائش ہے یا یہ کہیں کہ پھولوں کا محبوب ہے۔ (حسرتِ وصال)

م

(۸۱)

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس
برق سے کرتے ہیں روشن شمعِ ماتم خانہ ہم

شمعِ ماتم خانہ روشن کرنا: یعنی مصروفِ غم و ماتم ہونا۔ یعنی آزاد لوگ زیادہ غم نہیں کرتے بس صرف اتنی دیر جتنی بجلی کی چمک میں ہوتی ہے گویا کچھ بھی نہیں۔ (بے غمی آزادگان)

محفلیں برہم کرے ہے گنجفہ بازِ خیال
ہیں ورق گردانیِ نیرنگِ یک بت خانہ ہم

نیرنگ : بمعنی خاکۂ تصاویر۔ یک بت خانہ کلمۂ کثرت و مبالغہ : بمعنی بے شمار

یعنی ہماری ہستی گویا تصاویر کی ورق گردانی ہے کہ ہمارا خیال (گنجفہ باز کی طرح جو تصویر دار پتوں کو منتشر کرتا ہے) بہت سے تصوراتی مرغوبات کی ادھیڑ بن میں لگا رہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان خوشنما خیالات کا مجموعہ ہے۔ (بیانِ کثرتِ آمال)

باوجودِ یک جہاں ہنگامہ پیدائی نہیں
ہیں چراغانِ شبستانِ دلِ پروانہ ہم

یعنی ہم اگرچہ آمال کی ایک دنیا لیے ہوئے ہیں پھر بھی شور و غل سے خالی ہیں جیسے پروانہ کا دل کہ اس میں سوزِ عشق سے بے شمار چراغ روشن ہیں لیکن آواز کوئی نہیں (ضبطِ غم)

ضعف سے ہے نے قناعت سے یہ ترکِ جستجو
ہیں وبالِ تکیہ گاہِ ہمتِ مردانہ ہم

یعنی جو شخص تھک کر اور مجبوری سے ترکِ جستجو کرے نہ کہ جذبۂ قناعت سے وہ بیامد نہیں ہے۔ اس کے برعکس ایسا شخص مسندِ ہمتِ مردانہ کے لیے وبال ہے۔
(مذمتِ دوں ہمتی)

دائم الحبس اس میں ہیں لاکھوں تمنائیں اسد
جانتے ہیں اس دلِ پرخوں کو زنداں خانہ ہم

پرخوں : بمعنی غمناک۔ یعنی میرے غمگین دل میں لاکھوں تمنائیں مقید ہیں۔
(کثرتِ آمال)

(۸۲)

بہ نالہ حاصلِ دلبستگی فراہم کرد
متاعِ خانۂ زنجیر جز صدا معلوم

یعنی دل لگانے کا نتیجہ بجز نالہ و فریاد کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ میری مثال زنجیرِ در کی سی ہے کہ اس میں بجز نالہ کے اور کچھ نہیں۔ (ناکامیٔ عاشق)

(۸۳)

مجھ کو دیارِ غیر میں مارا وطن سے دور
رکھ لی مرے خدا نے میری بے کسی کی شرم

شاعر اہلِ وطن کی بے مہری سے اس قدر مایوس ہے کہ غریب الوطنی میں مر جانے کو قابلِ شکر سمجھتا ہے۔ کیونکہ وطن میں حالتِ بے کسی کے اندر جان دینا باعثِ شرم ہے۔ (شکوۂ بے مہری اور ناقدریٔ اہلِ وطن)

وہ حلقہ ہائے زلف کمیں میں ہیں اے خدا
رکھ لیجو میرے دعوئے وارستگی کی شرم

یعنی کتنا ہی آزاد ہوں پھر بھی ڈرتا ہوں کہ مبادا زلف کے پھندے میں پھنس جاؤں۔ (دل فریبیٔ زلفِ یار)

ن

(۸۴)

لوں وام بختِ خفتہ سے یک خوابِ خوش ولے
غالبؔ یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں

یعنی بختِ خفتہ جو گہری نیند سو رہا ہے کاش مجھ آشفتہ حال و شب بیدار کو ایک نیند بطورِ قرض دے دے۔ لیکن پھر یہ ڈر ہے کہ یہ قرض ادا کہاں سے کروں گا کہ نیند کا تو ایک شمہ بھی مجھے میسر نہیں ہوتا۔ (خفتہ بختی و شب بیداری)

(۸۵)

وہ فراق اور وہ وصال کہاں   وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں
فرصتِ کاروبارِ شوق کسے؟   ذوقِ نظارۂ جمال کہاں
دل تو دل وہ دماغ ہی نہ رہا   شورِ سودائے خطّ و خال کہاں
تھی وہ اک شخص کے تصور سے   اب وہ رعنائیِ خیال کہاں
ایسا آسان نہیں لہو رونا   دل میں طاقت جگر میں حال کہاں
ہم سے چھوٹا قمار خانۂ عشق   واں جو جاویں گرہ میں بال کہاں
فکرِ دنیا میں سر کھپاتا ہوں   میں کہاں اور یہ وبال کہاں
مضمحل ہو گئے قویٰ غالب   وہ عناصر میں اعتدال کہاں

اس تمام غزل کا مضمون یادِ ایامِ عیش و جوانی پر مشتمل ہے۔ مطالب کا مختصر یہ ہے۔

۱۔ اب نہ وہ دن ہیں نہ فراق و وصال کے تذکرے۔

۲۔ وہ شوق و ذوق سب رخصت ہوئے۔

۳۔ اب نہ وہ دل رہا نہ وہ دماغ۔

۴۔ ایک محبوب کے خیال میں جو رنگین تصورات تھے سب ختم ہوئے۔

۵۔ دل و جگر میں بھی نالہ و فریاد کی تاب نہیں۔

۶۔ اب قمار خانۂ عشق میں کیونکر جانا ہو کہ بازیِ عشق لگانے کا سامان مفقود ہے۔

۷۔ اب تو دنیا کا فکر وبالِ جان بنا ہوا ہے۔

۸۔ طاقت جواب دے چکی صحت جاتی رہی ہے۔

(۸۶)

کی وفا ہم سے تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں
ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں

یعنی محبوب وفا کرتا ہے تو رقیب کہتے ہیں کہ ظلم ہو گیا لیکن دشمنوں کے اس کہنے پر نہ جانا چاہیے کیونکہ برے آدمی اچھوں کو برا کہا ہی کرتے ہیں۔ (ترغیبِ وفا)

آج ہم ان سے پریشانیٔ خاطر اپنی
کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھیے کیا کہتے ہیں

یعنی کہنا تو ہے اپنی پریشانیوں کا حال لیکن اندیشہ یہ ہے کہ محبوب کی صورت دیکھ کر کچھ نہ کہا جائے یا شکایت کی بجائے شکریہ منہ سے نکلے یا اس امر کا اندیشہ ہے کہ عرضِ حال سن کر نہ جانے وہ کیا کہے۔ مبادا کرم کی بجائے عتاب ہو۔ (تذبذبِ عرضِ حال)

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انھیں کچھ نہ کہو
جو مے و نغمہ کو اندوہ ربا کہتے ہیں

مے و نغمہ کی اندوہ ربائی کا شاعر خود بھی قائل معلوم ہوتا ہے لیکن کھلم کھلا کہنا نہیں چاہتا۔ لہٰذا رفعِ مذمت کے لیے یہ اسلوب اختیار کیا کہ مے و نغمہ کی اندوہ ربائی کے قائل اگلے زمانے کے لوگ ہیں۔ احتراماً انھیں برا نہ کہو۔ (مدحِ مے و نغمہ

دل میں آ جائے ہے ہوتی ہے جو فرصت غش سے
اور پھر کون سے نالے کو رسا کہتے ہیں؟

یعنی اس سے زیادہ نالہ کی رسائی اور کیا ہوگی کہ غش دور ہوتے ہی محبوب آجاتا ہے اگرچہ دل میں آتا ہے مگر یا یہ توقع کہ نالہ کے اثر سے محبوب بذاتِ خود آجائے گا۔ محال ہے اس کا خیال آجانے ہی میں رسائی نالہ ہے۔ (طنز نارسائی نالہ)

ہے پرے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود
قبلہ کو اہلِ نظر قبلہ نما کہتے ہیں

قبلہ: بمعنی سمتِ سجدہ یا مسجودِ برحق۔ قبلہ نما: سمتِ قبلہ بتانے والا آلہ۔

یعنی اہلِ نظر کے نزدیک ذاتِ مسجود حدِ ادراک سے باہر ہے چنانچہ اس کے لیے کوئی سمت خاص متعین نہیں ہے۔ جس کو ہم قبلہ کہتے ہیں چونکہ وہ حدِ ادراک کے اندر ہے لہٰذا یہ قبلہ نہیں بلکہ قبلہ کا رخ بتانے والا ہے۔ (وحدتِ حق)

پائے افگار پہ جب سے تجھے رحم آیا ہے
خارِ رہ کو ترے ہم مہر گیا کہتے ہیں

مہرگیا: نام ایک بوٹی کا جس کی تاثیر سے محبوب مہربان بن جاتا ہے۔ یعنی اے محبوب تیرے راستے کے کانٹوں نے میرے حق میں مہرگیا کا اثر کیا کہ اس سے پاؤں زخمی ہوئے اور تجھے مجھ پر رحم آیا اور مہربان ہو گیا۔ (رفیقِ آبلہ پائی)

اِک شرر دل میں ہے اس سے کوئی گھبرائے گا کیا
آگ مطلوب ہے ہم کو جو ہوا کہتے ہیں

یعنی ہم اگر کہیں "ہوا" تو اس کا مطلب یہ نہ سمجھنا کہ گرمی سے گھبرا کر ہوا کی طلب ہے۔ کیونکہ دل میں جو عشق کی چنگاری ہے اس میں کچھ ایسی حرارت نہیں ہے کہ دل اس سے گھبرا جائے بلکہ اس کے برعکس ہم جو ہوا کے طالب ہیں اس کی غرض یہ ہے کہ شرارِ عشق کو ہوا

دے کر اور بھی آگ کو بھڑکائیں۔ (ذوق تب و تاب عشق)

دیکھیے لاتی ہے اس شوخ کی نخوت کیا رنگ
اس کی ہر بات پہ ہم نام خدا کہتے ہیں

نام خدا جملہ معترضہ ہے جو محل تحسین میں نظر بد سے محفوظ رکھنے کے لیے بولا جاتا ہے یعنی چشم بد دور۔ یعنی میں جو محبوب کی ہر بات پر نام خدا کہتا ہوں غرض تحسین یا حرز چشم زخم ہوتی ہے۔ لیکن اندیشہ یہ ہے کہ مبادا وہ شوخ جو خود خدائی کا دعوے دار ہے۔ اس پہ برہم ہو جائے۔ بگڑ جائے۔

ہے بسکہ نکتہ چیں بت نازک خطاب ہیں   منہ سے نکل نہ جائے خدا اضطراب میں (انشا)

(علامت نخوت حسن)

وحشت و شیفتہ اب مرثیہ کہویں شاید
مر گیا غالب آشفتہ نوا کہتے ہیں

وحشت اور شیفتہ: غلام علی خاں وحشت اور نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ۔ یعنی مر جانے کے بعد احباب صرف مرثیہ کہہ دیتے ہیں اور وہ بھی شاید باقی رہے۔ (مآل کار حیات)

(۸۷)

آبرو کیا خاک اس گل کی کہ گلشن میں نہیں
ہے گریباں ننگ پیراہن جو دامن میں نہیں

گلشن میں نہیں: یعنی منظر عام پر نہیں لوگ دیکھ سکیں یعنی وہ گریبان جو چاک ہو مگر دامن تک نہ پہنچ جائے اس پھول کی طرح بے کار ہے جو منظر عام پر نہیں آتا۔ مطلب یہ کہ جنون ظاہر نہ ہو تو جنون کیا ہے۔ (قدر جنون چاک)

ضعف سے اے گریہ کچھ باقی مرے تن میں نہیں
رنگ ہو کر اڑ گیا جو خوں کہ دامن میں نہیں

یعنی ضعف و ناتوانی سے اب میرے بدن میں کچھ باقی نہیں۔ جو خون تھا وہ یا تو اشک خونیں بن کر دامن میں ہے یا اس کا رنگ غائب ہو گیا کہ چہرہ پیلا پڑ گیا۔ (مبالغۂ ناتوانی)

ہو گئے ہیں جمع اجزائے نگاہِ آفتاب
ذرے اس کے گھر کی دیواروں کے روزن میں نہیں

یعنی محبوب کے روزنِ دیوار میں جو ذرے چمک رہے ہیں وہ دراصل نگاہِ آفتاب کے ٹکڑے ہیں۔ گویا آفتاب نے روزنِ دیوار سے محبوب کے دیکھنے کی جو کوشش کی تو اس کی نگاہیں وہیں بکھر کر رہ گئیں۔ نظر نہ ہٹا سکا۔ (مبالغہ جاذبیتِ حسن)

کیا کہوں تاریکیِ زندانِ غم اندھیر ہے
پنبہ نورِ صبح سے کم جس کے روزن میں نہیں

یعنی زندانِ غم میں اس قدر سخت اندھیرا ہے کہ اس کے روزن میں روئی کا پھویا بھی ایسا نظر آتا ہے کہ گویا سفیدیِ صبح نمودار ہو گئی۔ (تاریکیِ زندان)

رونقِ ہستی ہے عشقِ خانہ ویراں ساز سے
انجمن بے شمع ہے گر برق خرمن میں نہیں

"برق خرمن" مترادف "عشق خانہ ویراں ساز" یعنی دنیا کا ہنگامہ اور اس کی چہل پہل عشق یا کسی کام کی لگن کی بدولت ہے۔ اگر یہ برقِ عشق اس خرمنِ عالم میں نہ ہوتی تو دنیا کی محفل بے شمع یعنی بے رونق ہو کر رہ جاتی۔ بقول:

محبت ازل در ہمہ اشیا ساری است
ورنہ بر گل نزدے بلبل بے دل فریاد

(فراگیری عشق)

زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن
غیر سمجھا ہے کہ لذت زخمِ سوزن میں نہیں

یعنی اگر رقیب کو معلوم ہوتا کہ سوئی کے زخم میں کیا مزہ ہے تو وہ زخم سلوانے پر چارہ جوئی کا طعنہ نہ دیتا۔ مطلب یہ ہے کہ میرا زخم سلوانا چارہ جوئی کے لیئے نہیں بلکہ خلش سوزن کی لذت کے لیے ہے۔ (ذوقِ جراحت)

بسکہ ہم ہیں اک بہارِ ناز کے مارے ہوئے
جلوۂ گل کے سوا گرد اپنے دامن میں نہیں

بہارِ ناز: کنایہ از محبوب نازنین۔ یعنی میں ایک بہارِ حسن کا شیفتہ ہوں اس لیے میرے دامن کی گرد جلوۂ گل ہے گرد نہیں ہے۔ دامن کا گلزار ہونا اشکِ خونیں سے آلودہ ہونا ہے۔ (گوارائی جراحتِ عشق)

قطرہ قطرہ اک ہیولیٰ ہے نئے ناسور سے
خوں بھی ذوقِ درد سے فارغ مرے تن میں نہیں

ہیولیٰ: یعنی مادہ صورت۔ یعنی میرے خون کا ہر قطرہ جس کو مایۂ حیات کہتے ہیں ایک نیا ناسور ہے۔ گویا میرا ہر قطرۂ خون ذوق آشنائے درد ہے۔ (درد مندی عاشق)

لے گئی ساقی کی نخوت قلزم آشامی مری
موجِ مے کی آج رگ مینا کی گردن میں نہیں

یعنی میں اتنا پینے والا ہوں کہ ساقی کا غرور (کہ اس کے پاس اتنی شراب ہے کہ کوئی پی نہ سکے گا) توڑ دیا۔ اب صراحی کی گردن سے شراب کی موج بند ہو چکی ہے یا یوں کہیئے کہ شراب ختم ہو گئی ہے۔ مطلب یہ کہ سب کچھ پی گیا۔ (فخرِ بادہ نوشی) یا (کمالِ مے نوشی)

ہوں فشارِ ضعف میں کیا ناتوانی کی نمود
قد کے جھکنے کی بھی گنجائش مرے تن میں نہیں

یعنی ضعف نے کچھ اس طرح دبوچ لیا ہے کہ قد بھی جھکایا نہیں جا سکتا کہ ناتوانی کا اظہار ہو گویا اتنا ضعف ہے کہ اس سے زیادہ تصور میں نہیں آ سکتا۔ (بیانِ ضعف و ناتوانی)

تھی وطن میں شان کیا غالبؔ کہ ہو غربت میں قدر
بے تکلف ہوں وہ مشتِ خس کہ گلخن میں نہیں

یعنی بے حقیقتی و بے قدری میں میری مثال بالکل اس مشتِ خس کی ہے جو بھاڑ میں نہ ہو کہ اس کی قدر نہ باغ میں ہوتی ہے جو اس کا اصل ٹھکانا یا وطن ہے اور نہ باغ سے باہر نکل کر غربت میں ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر بھاڑ میں ہوتا تو قدر ہوتی۔ غرض اس کی بے قدری کا کیا ٹھکانا جس کی قدر بھی بے قدری کے مترادف ہے۔ (مبالغہ تصریح بے قدری و حسرت)

(۸۸)

عہدے سے مدحِ ناز کے باہر نہ آ سکا
گر اک ادا ہو تو اسے اپنی قضا کہوں

یعنی محبوب کی ادائے ناز کو اپنی قضا سے تعبیر کرنا یا جان لیوا قرار دینا اس کی مدح ضرور ہے لیکن یہ پوری تعریف نہیں ہے کیونکہ اس کی ادائیں بے شمار ہیں اور ہر ادا جانستاں ہے۔ مگر قضا صرف ایک ہے پس مدحِ نازِ محبوب سے کیونکر عہدہ برآ ہو سکتا ہوں۔ (بیانِ جانستانی اداہائے محبوب)

حلقے ہیں چشم ہائے کشادہ بسوئے دل
ہر تارِ زلف کو نگہِ سرمہ سا کہوں

یعنی محبوب کے گیسوئے خم دار کے حلقے بھی دل پر وہی اثر کرتے ہیں جو اس کی چشمِ سرگیں کرتی ہے۔ (دلفریبی اداہائے محبوب)

میں اور صد ہزار نوائے جگر خراش
تو اور ایک وہ نہ شنیدن کہ کیا کہوں

یعنی میں سراپا فریاد ہوں لیکن تو ہے کہ ایک نہیں سنتا۔ (شکوۂ تغافل)

ظالم مرے گماں سے مجھے منفعل نہ چاہ
ہے ہے خدا نہ کردہ تجھے بیوفا کہوں

گماں: بمعنی خیالِ باطل۔ یعنی مجھے یونہی گمان سا تھا کہ تو بے وفا ہے۔ اب اس پر شرمسار نہ کر۔ خدا نہ کرے کہ میں تجھے بے وفا کہوں۔ شاعر اس اندیشے سے خالی نہیں کہ محبوب بے وفا ہے لیکن بے وفائی کا تصور اس درجہ گرانِ خاطر ہے کہ ہر بہانے اسے دل سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ (فریبِ خویشتن)

(۵۹)

مہرباں ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

یعنی عاشق ہر وقت اور بہر حال معشوق کے التفات کا آرزو مند ہے (حسرتِ التفات)

ضعف میں طعنۂ اغیار کا شکوہ کیا ہے
بات کچھ سر تو نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہ سکوں

یعنی ضعف و ناتوانی کے باعث گو سر نہیں اٹھا سکتا لیکن بات تو اٹھا ہی سکتا ہوں لہٰذا طعنۂ اغیار کا شکوہ کیا ہو کہ وہ تکلیف مالایطاق نہیں ہے۔ (صبر بر طعنۂ اغیار)

زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ستمگر ورنہ
کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں

یعنی زہر مل جائے تو کھاؤں لیکن تیرے ملنے کی قسم نہیں کھا سکتا۔ (ترجیح مرگ بر فراق)

(۹۰)

ہم سے کھل جاؤ بوقتِ مے پرستی ایک دن
ورنہ ہم چھیڑیں گے رکھ کر عذرِ مستی ایک دن

یعنی خود بے تکلف ہو جاؤ ورنہ ہم مستی کا بہانہ کر کے چھیڑیں گے۔ (اختلاط طلبی)

غرۂ اوجِ بنائے عالمِ امکاں نہ ہو
اس بلندی کے نصیبوں میں ہے پستی ایک دن

یعنی اس دنیا کے عروج پر مغرور نہ ہو کیونکہ اس عروج کو زوال لازم ہے ہر ممکن فانی ہے۔ (تعلیم ترکِ اعتماد بر دنیا)

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

قرض: یعنی ناسازگاری حالات۔ فاقہ مستی: کنایہ ہے مفلسی سے۔ یعنی یہ جانتے ہوئے بھی کہ مفلسی میں مے نوشی کا انجام برا ہے۔ میں نے ترکِ مے نوشی نہ کی۔

(مذاق و مآل بے خودیٔ عشق)

نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیے
بے صدا ہو جائے گا یہ سازِ ہستی ایک دن

یعنی نوائے غم ہر چند کہ تلخ ہے پھر بھی بے نوائی سے بہتر ہے۔ (اغتنام حیات)

ڈھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالبؔ پیش دستی ایک دن

یعنی یہ خود غماز ہیں جو نازنینوں کو بھونڈی باتیں سکھاتے ہیں۔ (مدیس پاس مراتب)

(۹۱)

ہم پر جفا سے ترکِ وفا کا گماں نہیں
اک چھیڑ ہے وگرنہ مرا امتحاں نہیں

یعنی محبوب کی جفائیں صرف چھیڑ کے لیے ہیں۔ امتحانِ وفا کے طور پر نہیں ہیں کیونکہ اسے یقین ہے کہ ہم ترکِ وفا کر ہی نہیں سکتے۔ پس امتحان کیوں ہوا۔ (فریبِ خوشتن)

کس منہ سے شکر کیجیے اس لطفِ خاص کا
پرسش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں

یعنی محبوب کی ادائے لطف و مہر ہی خاص پرسشِ حال ہے گو وہ منہ سے کچھ نہ کہے بجا ہے

قربانِ جمالِ رخِ آں دوست کہ با من
پنہاں کرمے دارد و پیدا گلہ دارد (الشافی)

(نازشِ التفاتِ پنہانِ محبوب)

ہم کو ستم عزیز ستمگر کو ہم عزیز
نامہرباں نہیں ہے اگر مہرباں نہیں

یعنی محبوب کا مہرباں نہ ہونا ہی مہربانی ہے کیونکہ میں ستم کا طلب گار ہوں اور وہ ستم پسند ہے۔ (ذوقِ ستم کشی)

بوسہ نہیں نہ دیجیے دشنام ہی سہی
آخر زباں تو رکھتے ہو تم گر دہاں نہیں

نفیِ دہن: کنایہ ہے تنگیِ دہن سے جو لوازمات حسن میں سے ہے۔ یعنی اے محبوب تیرے دہن تو ہے نہیں کہ بوسہ دے لیکن زبان تو ہے گالی ہی دے دے۔ کہ قطعِ تعلق بالکل کسی صورت بھی گوارا نہیں۔ (لذتِ دشنامِ محبوب)

ہر چند جاں گدازیِ قہر و عتاب ہے
ہر چند پشت گرمیِ تاب و تواں نہیں
جاں مطربِ ترانۂ ھل من مزید ہے
لب پردہ سنجِ زمزمۂ الاماں نہیں

پشت گرمی: بمعنی طاقت، سہارا۔ پردہ سنج: بمعنی نغمہ سرا۔ ھل من مزید: بمعنی طلبِ مزید۔ (یہ اشعار قطعہ بند ہیں) یعنی اگرچہ محبوب کے قہر و عتاب سے میری جان گھُل گئی اور اگرچہ مجھے تحمل کی طاقت نہیں پھر بھی منہ سے کبھی الاماں کا لفظ نہیں نکلا بلکہ یہی چاہتا ہوں کہ اور زیادہ سختیاں جھیلوں۔ (ذوقِ ایذا طلبی)

خنجر سے چیر سینہ، اگر دل نہ ہو دو نیم
دل میں چھری چبھو مژہ گر خونچکاں نہیں
ہے ننگِ سینہ دل اگر آتش کدہ نہ ہو
ہے عارِ دل نفس اگر آذر فشاں نہیں

(یہ اشعار بھی قطعہ بند ہیں) یعنی دل شکستۂ عشق نہ ہو اور پلکیں خوں فشانِ غم نہ ہوں تو وہ قابلِ تلف ہیں۔ اسی طرح دل اور نفس اگر آتشِ محبت سے خالی ہوں تو وہ بھی قابلِ نفرت ہیں۔ (تحسینِ عشق و جگر سوزیِ عشق)

نقصاں نہیں جنوں میں بلا سے ہو گھر خراب
دو گز زمیں کے بدلے بیاباں گراں نہیں

دو گز زمیں: مراد تھوڑی سی زمین۔ یعنی عشق کے دیوانوں کو گھر دے کر صحرا اختیار کرنے میں گھاٹا نہیں کہ دو گز زمین کے بدلے اتنا وسیع علاقہ مل جاتا ہے۔ (ذوقِ جنوں)

کہتے ہو کیا لکھا ہے تری سرنوشت میں
گویا جبیں پہ سجدۂ بُت کا نشاں نہیں

یعنی میری سرنوشت کا حال میری پیشانی سے ظاہر ہے کہ اس پر سجدۂ بت کا نشان ہے گویا میری قسمت میں بت پرستی لکھی ہے۔ (مناسبتِ ازلی با عشق)

پاتا ہوں داد اس سے کچھ اپنے کلام کی
روح القدس اگرچہ میرا ہم زباں نہیں

یعنی روح القدس (جبرئیل) میری زبان نہ جانتے ہوئے بھی میرے کلام کا مداح ہے یا یہ کہ وہ مجھ سا زبان آور (شاعر) نہیں ہے۔ (تعلّی شاعرانہ)

جاں ہے بہائے بوسہ ولے کیوں کہے ابھی
غالبؔ کو جانتا ہے کہ وہ نیم جاں نہیں

یعنی بوسۂ معشوق کی قیمت جان ہے لیکن وہ یہ بات اس وقت کہے گا جب دیکھے گا کہ میں نیم جان ہوں۔ تاکہ میں پوری قیمت (سالم جان) نہ دے سکوں اور محروم رہ جاؤں۔ (بے رحمیٔ معشوق)

(۹۲)

مانعِ دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں
ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں

پاؤں میں چکر ہونا: یعنی ہمیشہ کا سفر مقدر ہونا۔ یعنی میں پابندِ سلاسل ہو کر

بھی دشت نوردی سے باز نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ یہ تو میرے مقدر میں آ چکی ہے۔ (صحرا نوردی)

شوق اس دشت میں دوڑائے ہے مجھ کو کہ جہاں
جادہ غیر از نگہِ دیدۂ تصویر نہیں

نگہِ دیدۂ تصویر: کنایہ از معدوم۔ یعنی شوق مجھے ایسے صحراؤں میں لے جاتا ہے جہاں راستہ کا نام و نشان نہیں یا جہاں کوئی نہیں پہنچا۔ (بے پایانیٔ شوق)

حسرتِ لذتِ آزار رہی جاتی ہے
جادۂ راہِ وفا جز دمِ شمشیر نہیں

یعنی راہِ وفا میں جان کا جانا ضروری ہے لیکن جان گئے پیچھے لذتِ آزار کہاں۔ (حسرتِ لذتِ آزار)

رنجِ نومیدیٔ جاوید گوارا رہیو
خوش ہوں گر نالہ زبونی کشِ تاثیر نہیں

یعنی یہ بات خوشی کی ہے کہ میرے نالے شرمندۂ اثر نہیں ہیں کہ مراد بر آتی۔ خدا کرے کہ دائمی مایوسی ہی مجھے مرغوب رہے۔ (لذتِ رنجِ ناکامی)

سر کھجاتا ہے جہاں زخمِ سر اچھا ہو جائے
لذتِ سنگ باندازۂ تقریر نہیں

سر کھجانا: محاورہ ہے یعنی مستحقِ تعزیر ہونا۔ یعنی زخم اچھا ہونے پر سر کھجانے لگتا ہے اور پھر خواہشِ زخم پیدا ہوتی ہے۔ زخم کھانے میں ایسا مزہ ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ (ذوقِ جراحت)

جب کرم رخصتِ بیباکی و گستاخی دے
کوئی تقصیر بجز خجلتِ تقصیر نہیں

یعنی محبوب اگر از راہ کرم گستاخی و بیباکی کا موقع دے تو خطا کرنے سے شرمانا بہت ہی بڑی غلطی ہوگی۔ کیونکہ تصور نہ کرنا کرم سے محروم ہونا ہے۔ (تلقینِ اغتنامِ فرصت)

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقولِ ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں

یعنی میر کے پایۂ سخن کو نہ تسلیم کرنا خود بے بہرۂ سخن ہونے کی دلیل ہے۔ (اعترافِ کمالِ سخنوریٔ میر)

(۹۳)

مت مردمکِ دیدہ میں سمجھو یہ نگاہیں
ہیں جمع سویدائے دلِ چشم میں آہیں

سویدائے دلِ چشم: یعنی آنکھ کی پُتلی کی سیاہی۔ یعنی مردمکِ چشم میں نگاہیں نہیں ہیں بلکہ آہیں ہیں جو سویدائے دلِ چشم میں جمع ہیں (تشبیہ نگاہ و دیدبا آہ و سویدائے دل۔ تشبیہ مرکب خیالی) مطلب یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو برائے نام بھی مردم ہے غم سے خالی نہیں ہے۔ (دردمندیٔ دنیا)

(۹۴)

برشگالِ گریۂ عاشق ہے دیکھا چاہیے
کھل گئی مانندِ گُل سو جا سے دیوارِ چمن

یعنی عاشق کی کثرتِ اشکباری نے برسات کی شکل اختیار کر لی اور یہاں تک بارش کی زیادتی ہوئی کہ چمن کی دیوار جا بجا سے پھول کی طرح کھیل کھیل ہو گئی ہے۔ (مبالغۂ جوشِ گریہ و فصلِ بہار)

الفتِ گُل سے غلط ہے دعوئے وارستگی
سرو ہے باوصفِ آزادی گرفتارِ چمن

گُل: استعارہ از معشوق۔ یعنی محبت ہوئے پیچھے چھٹکارا ممکن نہیں چنانچہ سرو کی صفت آزاد مشہور ہے پھر بھی چمن (یا گلستان) کے پھندے سے باہر نہیں نکل سکتا کہ گرفتارِ الفتِ گُل ہے۔ (بے درمانیِ دردِ عشق یا عالمگیریِ حسن)

(۹۵)

عشق تاثیر سے نومید نہیں
جاں سپاری شجرِ بید نہیں

یعنی جاں نثاری یا عشق کا ثمرہ ضرور ملتا ہے۔ یہ عمل شجرِ بید کی طرح بے ثمر نہیں ہے۔
(ترغیبِ جاں نثاری)

سلطنت دست بدست آئی ہے
جامِ مے خاتمِ جمشید نہیں

یعنی جامِ شراب ایک سلطنت ہے جو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں پہنچتی رہتی ہے یہ نہیں کہ جمشید کی انگوٹھی کی طرح ایک ہی ہاتھ میں رہے۔ (فیضِ جامِ عاشقی)

ہے تجلی تری سامانِ وجود
ذرہ بے پرتوِ خورشید نہیں

یعنی جس طرح ذرہ میں سورج کی روشنی عکس پذیر ہوتی ہے کہ اس کے بغیر ذرہ کا وجود ہیچ ہے اسی طرح ہر موجود میں جلوۂ حق موثر ہے کہ اس کے بغیر کوئی شے وجود پذیر نہیں ہو سکتی۔ (فلسفۂ ہمہ از اوست)

راز معشوق نہ رسوا ہو جائے
ورنہ مر جانے میں کچھ بھید نہیں

بھید نہیں: بمعنی رکاوٹ نہیں۔ یعنی یہ صرف افشائے راز کا اندیشہ ہے جو عاشق کو جان دینے سے باز رکھتا ہے۔ (پاسداری سرِ عشق)

گردشِ رنگِ طرب سے ڈر ہے
غمِ محرومیٔ جاوید نہیں

یعنی اس بات کا ڈر نہیں کہ جدائی کے بعد ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاؤں گا بلکہ یہ اندیشہ ہے کہ وہ عیش جو میسر ہے وہ ہم سے منتقل ہو کر رقیبوں کا حصہ نہ ہو جائے۔ (اندیشۂ زوالِ عیش و رشکِ رقیب)

کہتے ہیں جیتے ہیں امید پہ لوگ
ہم کو جینے کی بھی امید نہیں

یعنی انسان جب تک زندہ ہے کوئی نہ کوئی امید رکھتا ہے لیکن ہمیں جینے کی ہی امید نہیں تو امید کیسی؟ اشارہ یہ ہے کہ آس تو وہ لگائے جسے جینے کی امید ہو۔ (بیانِ انتہائے مایوسی)

(۹۶)

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

خیاباں خیاباں کلمۂ کثرت۔ یعنی جہاں محبوب قدم رنجہ فرمائے وہاں بہشت ہی بہشت ہے۔ (نشاطِ قدومِ محبوب)

دل آشفتگاں خالِ کنجِ دہن کے
سویدا میں سیرِ عدم دیکھتے ہیں

دیکھتے ہیں: محاورہ ہے یعنی تصور کرتے یا یقین کرتے ہیں۔ چونکہ دہن معدوم ہے اور کنجِ دہن بدرجۂ اولیٰ معدوم و موہوم ہے۔ اس لیے وہ لوگ جو کنجِ دہن کے تل پر شیدا ہیں انھیں یقین ہے کہ اس سے دل لگانا عدم کی سیر کرنا یا موت سے دوچار ہونا ہے۔ (ناکامیِ الفت مجرب)

ترے سروِ قامت سے ایک قدِ آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں

یعنی قیامت کا فتنہ حشر انگیزی میں تیرے قد کے مقابلہ میں کم ہے بقدر یک قدِ آدم کم ہونے میں یہ اشارہ ہے کہ گویا یہ فتنۂ محشر ہی کا ایک جدا شدہ حصہ ہے۔ (حشر انگیزیِ قامتِ محبوب)

تماشا کر اے محوِ آئینہ داری
تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں

یعنی اے محبوب کہ آئینہ دیکھ کر تو اپنے ہی حسن و جمال پر محو ہے۔ ذرا یہ بھی خیال کر کہ جب تیرا یہ حال ہے تو ہماری تمنا اور محویتِ جمال کا کیا حال ہوگا۔ (داخلِ رکابِ شوق)

سراغِ تفِ نالہ لے داغِ دل سے
کہ شب رَو کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں

یعنی داغہائے دل کو دیکھ کر سوزشِ نالہائے شب کا پتہ چل سکتا ہے جس طرح شب رَو (یا دُزد) کا سراغ اس کے نقوشِ قدم سے مل جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرا دل سوزِ نالہ سے داغ داغ ہے۔ (زخمِ نہاں)

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالبؔ
تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں!

یعنی گر ہم مستغنی ہیں لیکن فقیر بن کر اہلِ کرم کا تماشا دیکھا جا سکتا ہے یا ان کا امتحان لیا جا سکتا ہے کہ آیا وہ جو کریم مشہور ہیں کس کس طرح اہلِ احتیاج سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں یا یہ کہ ہم جیسے اہلِ احتیاج کی حاجت برآری سے کہاں تک عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔
(ریاکاری و بے پروائی اربابِ کرم)

(۹۷)

ملتی ہے خُوئے یار سے نار التہاب میں
کافر ہوں گر نہ ملتی ہو راحت عذاب میں

کافر ہوں: بطور قسم یا تاکیدِ کلام کے لیے لایا جاتا ہے۔ یعنی مجھے عذاب میں آرام کیوں نہ آئے۔ عذاب کی آگ تو محبوب کی عادت سے ملتی ہے کہ دونوں میں بھڑک اٹھنے کی خاصیت ہے۔ (ذوقِ ستم کشی)

کب سے ہوں کیا بتاؤں جہانِ خراب میں
شب ہائے ہجر کو بھی رکھوں گر حساب میں

یعنی اگر دورانِ حیات میں جدائی کی بے پایاں طویل راتوں کو شامل کر لیا جائے تو عرصۂ قیامِ دنیا کی درازی ناقابلِ بیان ہو جائے گی۔ بقول:

زہے عمرِ دراز عاشقاں گر شبِ ہجر از حسابِ عمر گیرند

(طولِ شبِ ہجراں)

تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر
آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں

یعنی محبوب خواب میں آیا اور آنے کا وعدہ کر گیا۔ اب یہ ہوگا کہ انتظار میں کبھی نیند

نہ آئے گی کیونکہ خواب کا وعدہ بیداری کے وعدہ سے زیادہ ناقابلِ اعتبار ہے (توقع و وہم)

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں
میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

یعنی محبوب جیسا کچھ جواب میرے خط کا دے گا وہ تو معلوم ہی ہے کہ کوئی جواب نہ آئے گا، یا پھر انکار ہی ہو گا۔ لہٰذا جواب کا انتظار تو فضول ہے۔ علاوہ ایک اور خط قاصد کے آتے آتے لکھ رکھوں۔ (حسرت جواب نامہ و شکوۂ بے التفاتی)

مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دورِ جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

: معمول کے خلاف آج جو مجھے بھی جامِ شراب دیا جا رہا ہے اس سے ڈر ہے کہ پیالے میں کہیں کچھ (زہر وغیرہ) نہ ملا دیا گیا ہو کیونکہ اس سے کرم کی تو امید نہیں۔ یہ بھی کہیں عتاب بشکلِ التفات نہ ہو۔ (اندیشۂ نامرادی یا بدگمانی)

جو منکرِ وفا ہو فریب اس پہ کیا چلے؟
کیوں بدگماں ہوں دوست سے دشمن کے باب میں

یعنی رقیب کتنا ہی فریب دے محبوب اس کا ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ تو وفا کا دشمن ہے کسی کا دوست بنتا ہی نہیں۔ ایسی حالت میں بدگماں ہونے کا کیا موقع ہے (وفا دشمنیٔ محبوب)

میں مضطرب ہوں وصل میں خوفِ رقیب سے
ڈالا ہے تم کو وہم نے کس پیچ و تاب میں

یعنی اے محبوب مجھے تو وصل میں اطمینان کی بجائے یہ بے اطمینانی ہے کہ مبادا رقیب میرے عیشِ وصال میں خلل انداز ہو۔ تم کو میری اس بے اطمینانی سے کیا وہم ہوا کہ پیچ و تاب میں

جو تمہیں کسی اور غلط فہمی میں نہ پڑنا چاہیے میں صرف تمہارا ہوں۔ (توثیقِ وفا)

میں اور حظِ وصل خدا ساز بات ہے
جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں

یعنی محبوب کا وصال میسر ہوتا تو ایک ایسی خدا کی مہربانی تھی کہ اس پر جان قربان کر دینی چاہیے تھی۔ لیکن وفورِ مسرت میں یہ فریضہ رہ گیا۔ (حسرتِ جاں نثاری)

ہے تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے
ہے اک شکن پڑی ہوئی طرفِ نقاب میں

یعنی گو تہ نقاب میں جو شکن ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معشوق کے ماتھے پر بل ہیں (دشق است و منزا د بدگمانی)

لاکھوں لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا
لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں

نگاہ چرانا: نظر بچا لینا۔ دیکھ کر بے خبر بن جانا۔ یعنی محبوب کا دیکھ کر نگاہ بچا لینا، چھپنا اور خفا ہو کر بگڑنا لگاوٹ اور بناؤ سنگھار سے کہیں زیادہ دلفریب معلوم ہوتا ہے (دل فریبی کج ادائی ہائے محبوب)

وہ نالہ دل میں خس کے برابر جگہ نہ پائے
جس نالہ سے شگاف پڑے آفتاب میں

یعنی مقامِ حیرت ہے کہ میرا نالہ جس کا اثر آسمان تک پہنچتا ہے محبوب کے دل میں مطلق اثر نہیں کرتا۔ (سنگ دلیِ معشوق)

وہ سحر مدعا طلبی میں نہ کام آئے
جس سحر سے سفینہ رواں ہو سراب میں

یعنی ایسا کوئی جادو ہو جو ریت میں کشتی چلاوے تب بھی اس جادو سے مرادِ دل عاشق کا بر آنا ممکن نہیں۔ (دیکھیے اثرِ تدبیر)

غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی
پیتا ہوں روزِ ابر و شبِ ماہتاب میں

یعنی ہر چند کہ خیالِ مے نوشی چھوڑ دیا ہے پھر بھی ابر کے دن یا چاندنی راتوں میں کبھی کبھی پی لیتا ہوں۔ (ذوقِ مے نوشی)

(۹۸)

کل کے لیے کر آج نہ خسّت شراب میں
یہ سوءِ ظن ہے ساقیِ کوثر کے باب میں

یعنی شراب سے اس لیے محروم رکھنا کہ کل نجات کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ ساقیِ کوثر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حق میں سوءِ ظن ہے گویا یقین ہے کہ آنحضرتؐ سب کی خطائیں بخشوائیں گے۔ (دیکھیے شفاعت و رحمت)

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیِ فرشتہ ہماری جناب میں

تلمیح بقصۂ آدم و ابلیس کہ فرشتوں کو ازل میں حکم ہوا تھا کہ آدم کی تعظیم بجا لائیں۔ یعنی بلحاظ مبدء انسان فرشتوں سے برتر ہے لیکن بلحاظ اعمال ذلت میں پڑا ہوا ہے۔ (شرفِ فطرت و ننگِ معصیت)

کیوں جان نکلنے لگتی ہے تن سے دمِ سماع
گر وہ صدا سمائی ہے چنگ و رباب میں

وہ صدا: کنایہ از صدائے محبوب۔ یعنی ساز سے محبوب کی صدائے جاں بخش نکلتی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ سماع کے وقت بدن سے جان سی نکلتی معلوم ہوتی ہے۔ استفہام استعجابیہ اشارہ ہے جانسوزیِ اثرِ نغمہ کی طرف۔ (سوز و سازِ نغمہ)

رَو میں ہے رخشِ عُمر کہاں دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

یعنی عمر ایک ایسا مرکب ہے جس پر سوار کا کوئی بس نہیں۔ ٹھہر جائے تو پھر چلائے نہ بنے۔ (ناگزیریِ اجل)

اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُعد ہے
جتنا کہ وہمِ غیر سے ہوں پیچ و تاب میں

یعنی غیر کے تصور نے جو ایک وہم سے زیادہ نہیں مجھے پیچ و تاب میں ڈال رکھا ہے اور پیچ و تابِ تصورِ غیر جس قدر زیادہ ہے اسی قدر میں اپنی حقیقت (وحدتِ مطلق) سے دُور ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ کثرت کا وہم تصورِ وحدت کے سخت منافی ہے۔ (نظریۂ وحدت الوجود) یا پھر یہ کہ جس قدر ماسویٰ اللہ کے چکر میں ہوں اسی قدر اپنی حقیقت (یا مبداءِ حقیقی) سے دُور ہوں۔ (عوائقِ امورِ دنیا براہِ حق)

اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں؟

یہ شعر، شعرِ بالا کی مزید تشریح ہے۔ واضح ہو کہ مشاہدہ کے معنی ہیں ایک دوسرے کے روبرو ہونا۔ یہ مفہوم تعددِ اشیاء کو مستلزم ہے۔ اب استعجاب اسی پر ہے کہ ہر شے کی حقیقت خواہ وہ شہود ہو یا شاہد یا مشہود یعنی تاثر، مؤثر یا متاثر جب کہ ایک ہے تو پھر

شاہد کس کو کہتے ہیں۔ مشاہدہ کا تصور ہی وجہ حیرت و اضطراب و پیچ و تاب ہے۔ جس کو پہلے شعر میں وہم غیر سے تعبیر کیا ہے۔ (مسئلۂ وحدت الوجود)

ہے مشتمل نمودِ صور پر وجودِ بحر
یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب میں

یعنی قطرہ و موج و حباب در اصل کچھ بھی نہیں۔ سب سمندر ہی کی مختلف صورتیں جلوہ گر ہیں۔ (تمثیل مسئلہ وحدت الوجود)

شرم اک ادائے ناز ہے اپنے ہی سے سہی
ہیں کتنے بے حجاب کہ ہیں یوں حجاب میں

یعنی محبوب کا شرمسار ہونا خواہ وہ اپنے ہی سے ہو گویا ایک ادائے ناز کا دکھانا ہے۔ پس یہ حجاب شرم بھی ایک کھلی بے حجابی ہو گئی کیونکہ حجاب کا مظاہرہ بھی تو بے حجابی ہی ہے۔ بقول:

کہتے ہو ہم کو دیکھ لے کوئی تو جائیں ہم   کیا خود نمائیاں ہیں تمہاری حجاب میں (المشتاق)

(دلفریبی ادائے حجاب)

آرائش جمال سے فارغ نہیں ہنوز
پیش نظر ہے آئنہ دائم نقاب میں

یعنی محبوب حقیقی کے چہرے پر ایک نقاب ہے کہ وہ کسی کو نظر نہیں آتا لیکن آئینۂ مظاہر میں (کہ اسی کا نام حجاب ہے) اس کا جلوہ منعکس ہے۔ گویا وہ نقاب میں خود اپنی صورت کو دیکھتا ہے اور محو آرائش ہے جس سے ہر لحظہ اس کا حسن ایک نئی شان سے جلوہ افروز ہوتا ہے۔ تفسیر: کُلَّ یوم ھو فی شان۔   (جلوہ فرمائی ذات حق)

ہے غیبِ غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود
ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

شہود: یعنی ظہور۔ یعنی جسے ہم ظہور کہتے ہیں وہ دراصل ظہور نہیں بلکہ اور بھی غیاب ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ وہ نیند سے بیدار ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ خواب میں جاگنے والا جو کچھ مشاہدہ کرتا ہے وہ حقیقت کا دیکھنا نہیں۔ بلکہ اور بھی گہری نیند کی بات ہے جس کو غیبِ غیب کہنا چاہیے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کے مشاہدات صرف لاشئ ہی نہیں۔ بلکہ جس قدر وہ سمجھے کہ دیکھا اسی قدر جانو کہ نہیں دیکھا کیونکہ غلط دیکھنا نہ دیکھنے سے بھی بد تر ہے۔ بقول:

ز من گیر ایں کہ مردے کور چشمے   ز بینائے غلط بینے نکوتر (اقبال)

(ظہور و بطون ذاتِ حق)

غالب ندیمِ دوست سے آتی ہے بوئے دوست
مشغولِ حق ہوں بندگیٔ بو تراب میں

بو تراب: کنیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ یعنی گو بظاہر غلامی و فرمانبرداری حضرت کی ہے۔ لیکن مقصود صاحبِ حق ہے۔ کیونکہ حضرت مقربِ حق ہیں اور ان کے وجود باجود سے خوشبوئے حق آتی ہے۔ (فخرِ غلامی حضرت علی کرم اللہ وجہہ)

(۹۹)

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

دل کا رونا مرغوب سے دوری ہے اور جگر کا رونا نامرغوب کی موجودگی۔ شاعر ان دونوں

میں مبتلا ہے۔ یعنی اسبابِ گریہ اس قدر فراہم ہیں کہ اکیلا نوحہ گر رونے سے قاصر تھا۔ ممکن ہوتا تو نوحہ گر کو اس خدمت کے لیے ساتھ رکھتا۔ (نوحۂ غم)

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں
ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں

یعنی غیروں سے محبوب کا گھر پوچھنا باعثِ رشک تھا کہ گویا غیر جانتے ہیں اور میں نہیں جانتا۔ اس لیے نام نہیں لیتا صرف یہ پوچھتا ہوں کہ کدھر کو جاؤں۔ بقول:

نامت ز رشک پیش کسے چوں نمی برم   آیا سراغ از کہ کنم منزل ترا

(حسرتِ آستانۂ محبوب و غیرت بے خبری)   (غیاثی استرآبادی)

جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار
اے کاش جانتا نہ تری رہگزر کو میں

یعنی اے محبوب! افسوس ہے کہ تیرے لیے رقیب کے در پر جانا پڑا۔ کیونکہ اس کا گھر ہی تیری گزرگاہ ہے۔ کاش مجھے معلوم ہی نہ ہوتا کہ تو کدھر کو جاتا ہے۔ (رشک و طنز)

ہے کیا جو کس کے باندھیے میری بلا ڈرے
کیا جانتا نہیں ہوں تمہاری کمر کو میں

یعنی مجھے یہ ڈر نہیں ہے کہ تم جفا کے لیے کمر کس لوگے۔ کیونکہ کمر ہی نہیں ہے تو کوئی کسے گا کیا! (بیانِ نازکیٔ کمر)

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

یعنی کیسا غضب ہے کہ جس کے لیے رسوا اور بدنام ہوا وہی بربادی و رسوائی کا

طعنہ دے۔ (پشیمانیِ عہد وفا) یا (بے مہریِ محبوب)

چلتا ہوں تھوڑی دیر ہر اک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

یعنی اکثر یہ ہوتا ہے کہ ذرا جوش و خروش کا مظاہرہ کسی نے کیا اور ہم اس کے پیچھے ہو لیے۔ حالانکہ یہ پہچان چاہیئے تھی کہ تیز چلنا اور بات ہے اور رہبر ہونا اور بات۔ (خرابیِ تقلیدِ بے تحقیق)

خواہش کو احمقوں نے پرستش دیا قرار
کیا پوجتا ہوں اس بتِ بیداد گر کو میں

یعنی معشوق کی طلب گاری کو پرستاری قرار دینا غلطی ہے۔ کہیں میں ایسے ظالم کو پوج سکتا ہوں۔ طرزِ کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر کی طلب گاری پرستاری کے درجہ پر پہنچ گئی ہے لیکن پرستاریِ معشوق سے انکار اس کی بدسلوکی کی غیرت کے باعث ہے۔ گویا وہ بیداد گر نہ ہوتا تو پرستار کہلانے میں بھی تامل نہ ہوتا۔ (ستم گریِ معشوق و احساسِ غیرت)

پھر بے خودی میں بھول گیا راہِ کوئے یار
جاتا وگرنہ ایک دن اپنی خبر کو میں

یعنی اتنا تو جانتا ہوں کہ میں خود کو کوئے یار میں بھول آیا ہوں لیکن بے خود اس قدر تھا کہ اب اس کے گھر کا راستہ یاد نہیں ورنہ اپنی خبر اس کوچہ میں جا کر لاتا۔ مطلب یہ ہے کہ محبوب کے کوچہ میں جا کر اس قدر بے خودی ہوتی ہے کہ اپنی کچھ خبر نہیں رہتی۔ (بیانِ محویتِ جمالِ محبوب)

اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہلِ دہر کا
سمجھا ہوں دلپذیر متاعِ ہنر کو میں

یعنی متاعِ ہنر (ہنرمندی) کو عزیز سمجھنا صرف لقیا میں خود ہے۔ مگر بیان سے یہ اندیشہ مترشح ہوتا ہے کہ فی الحقیقت ہنر کی عام بے قدری ہے۔ (شکوۂ ناقدریٔ ہنر)

غالبؔ خدا کرے کہ سوارِ سمندِ ناز
دیکھوں علی بہادرِ عالی گہر کو میں

علی بہادر: والیٔ باندہ نواب ذوالفقار علی کے فرزند۔ المتوفی [illegible] غالبؔ نے یہ شعر علی بہادر کے ایامِ نظربندی میں کہا ہے۔ یعنی خدا کرے ایک دن وہ آئے کہ علی بہادر شان کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہوں۔ (دعائے اسپ سواری و اقبالمندیٔ ممدوح)

(۱۰۰)

ذکر میرا بہ بدی بھی اسے منظور نہیں
غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دُور نہیں

یعنی رقیب میری برائیاں محبوب کے سامنے کرتا ہے لیکن وہ میرا ذکر ہی سُننا نہیں چاہتا خواہ برائی سے ہو اس لیے کچھ بعید نہیں کہ رقیب کے تعلقات اس سے خراب ہو جائیں۔ (تنگ مزاجی و بے مہریٔ محبوب)

وعدۂ سیرِ گلستاں ہے زہے طالعِ شوق
مژدۂ قتل مقدر ہے جو مذکور نہیں

یعنی محبوب نے جو سیرِ گل کا وعدہ کیا ہے میں اُسے خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ اس وعدہ میں میرے قتل کی خوشخبری پوشیدہ ہے۔ اس لیے کہ پھولوں کے دیکھنے کا شوق درپردہ بجز آں وہ بسمل کے دیکھنے کا شوق ہے اگرچہ لفظوں میں مذکور نہیں۔ (بیرحمیٔ قاتل) بقولِ شاعر

ہوئے سیرِ گل آئینۂ بے مہریٔ قاتل
کہ اندازِ بخوں غلطیدنِ بسمل پسند آیا

شاہدِ ہستیٔ مطلق کی کمر ہے عالم
لوگ کہتے ہیں کہ "ہے" پر ہمیں منظور نہیں

یعنی جس طرح شاہدانِ مجازی کی کمر کو معدوم تصور کیا جاتا ہے اسی طرح میں عالم کو شاہدِ حقیقی کی کمر تصور کرتا ہوں کہ یہ بود بھی نابود ہے۔ (ہستیٔ بے بودِ عالم)

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن
ہم کو تقلیدِ تنک ظرفیٔ منصور نہیں

یعنی اگرچہ میں بھی منصور کی طرح ایک قطرہ ہوں اور میری حقیقت بھی دریا ہے لیکن اس کی طرح اوچھا بن کر نعرۂ انا الحق بلند کرنا پسند نہیں کرتا۔ (تصورِ وحدت الوجود)

حسرت اے ذوقِ خرابی کہ وہ طاقت نہ رہی
عشقِ پُر عربدہ کی گوں تنِ رنجور نہیں

گوں ہونا: بمعنی صلاحیت کا رکھنا۔ یعنی افسوس ہے کہ برباد ہونے کا شوق ہے لیکن بربادی جھیلنے کی صلاحیت نہیں۔ اب یہ جسمِ ضعیف مصائبِ عشق کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ (دشواریٔ تحملِ مصائبِ عشق)

میں جو کہتا ہوں کہ ہم لیں گے قیامت میں تمھیں
کس رعونت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم حور نہیں

یعنی محبوب کی رعونت دیکھیے کہ وہ خود کو حور سے فائق سمجھتا ہے کہ میں کوئی حور تھوڑا ہی ہوں کہ تمھارے ہاتھ لگ جاؤں۔ (غرورِ حسن)

ظلم کر ظلم اگر لطف دریغ آتا ہے
تُو تغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں

تغافل: بمعنی بے نیازی۔ یا بے پروائی۔ تغافل کا مظاہرہ خواہ کسی رنگ میں ہو ظلم ہے اور لطف و مہر مستلزم ہے عدم تغافل کو۔ یعنی اگر لطف سے پیش آنے میں دریغ ہے تو ظلم ہی کر کہ تغافل کے تجھے سب ڈھنگ آتے ہیں۔ (شکوۂ تغافل) دوسرے معنی یہ ہیں کہ ظلم کر یا لطف۔ تغافل کیوں کرتا ہے۔ آخر تغافل یعنی جان بوجھ کر غافل ہونے کا مظاہرہ کیوں ہو؟

صاف دردی کش پیمانۂ جم ہیں ہم لوگ
وائے وہ بادہ کہ افشردۂ انگور نہیں

کہا جاتا ہے کہ شراب انگوری جمشید کی ایجاد ہے۔ کہتا ہے کہ جو شراب انگور سے بنی ہوئی نہیں اس پر افسوس ہے کیونکہ ہم لوگ جو پیمانۂ جمشید سے پینے والے ہیں ایسی شراب کو تو منہ نہیں لگانے کے۔ (فخرِ صلاحیت)

ہوں ظہوری کے مقابل میں خفائی غالب
میرے دعوے پہ یہ حجت ہے کہ مشہور نہیں

یعنی میں سخنوری میں ظہوری کا مدِ مقابل ہوں۔ چنانچہ میرا نام اس کے مقابلہ میں خفائی موزوں ہے اور صحتِ نام کی دلیل یہ ہے کہ میں مشہور نہیں ہوں۔ (دعوائے ہمسریٔ ظہوری)

(۱۰۱)

نالہ جز حسنِ طلب اے ستم ایجاد نہیں
ہے تقاضائے جفا شکوۂ بیداد نہیں

حسنِ طلب: بمعنی اس طرح مانگنا کہ مانگنا نہ معلوم ہو۔ یعنی میرے نالہ و فریاد کی غرض شکایت نہیں بلکہ جفا طلبی ہے کہ تو نالہ و فریاد سے خفا ہو کر اور بھی ظلم کرے۔

(ذوقِ جفا طلبی)

عشق و مزدوریِ عشرت گہِ خسرو کیا خوب
ہم کو تسلیم نکو نامیِ فرہاد نہیں

یعنی میرے نزدیک فرہاد نیک نام عاشق نہیں تھا۔ بھلا رقیب خسرو کی عشرت گاہ کو بنانے کے لیے مزدوری کرنا کوئی نیک نامی کی بات ہے (غیرتِ خدمتِ رقیب)

کم نہیں وہ بھی خرابی میں پہ وسعت معلوم
دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یاد نہیں

وسعت معلوم: یعنی وسعت معدوم۔ یعنی گو گھر بھی ویران ہے اور دشت بھی۔ لیکن گھر میں دشت کی سی وسعت کہاں۔ مجھے تو جو مزہ دشت میں آیا ہے اس نے گھر کو بھی بھُلا دیا۔ (ذوقِ صحرا نوردی)

اہلِ بینش کو ہے طوفانِ حوادث مکتب
لطمۂ موج کم از سیلیِ استاد نہیں

یعنی اہلِ دانش حوادث عالم سے سبق حاصل کرتا ہے۔ گویا موج کے تھپیڑے استاد کے طمانچے ہیں۔ بقول:

صدمہائے عشق را کے بوالہوس دارد قبول
کے شناسد طفل قدرِ سیلیِ استاد را

(درسِ اعتبار از حوادث) (ظہیر فاریابی)

ہائے محرومیِ تسلیم و بداحالِ وفا
جانتا ہے کہ ہمیں طاقتِ فریاد نہیں

یعنی افسوس ہے کہ شیوۂ تسلیم میں ناکامی اور اعتبارِ وفا میں خرابی ہے چنانچہ میں جو عہدِ وفا پر قائم اور مقتضائے تسلیم کچھ شکوہ شکایت یا نالہ و فریاد نہیں کرتا۔ اس خاموشی

کو محبوب میرے ضعفِ حال پر محمول کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مجھ میں بولنے کی طاقت نہیں ہے۔ اسے یہ احساس نہیں ہے کہ میں نے یہ پاسِ تسلیم و وفا خاموشی اختیار کی ہے۔ (موضوع: ابرام و تسلیم و ضبط)

رنگِ تمکینِ گل و لالہ پریشاں کیوں ہے
گر چراغانِ سرِ رہ گذرِ باد نہیں

تمکین: بمعنی شان و وقار۔ یعنی گل و لالہ کی بھی وہی حیثیت ہے جو ہوا کے سامنے چراغ کی ہے کہ ہر لحظہ معرضِ خطر و ہلاکت میں ہے۔ اگر ایسا نہیں تو اس کی شان و وقار و تمکین کیوں ختم ہوتی جا رہی ہے اور افسردگی کیوں طاری ہوتی جاتی ہے۔ بقول

بہارِ سرخوشِ صد آب و رنگ کیا جانے
کہ تیاغ گل و لالہ ہے خزاں کے لیے
(دلشاد رح)

(فنا آمادگیٔ حسن)

سبدِ گل کے تلے بند کرے ہے گلچیں
مژدہ اے مرغ کہ گلزار میں صیاد نہیں

یعنی باغ میں صیاد نہیں البتہ گلچیں ہے سو مقامِ مسرت ہے کہ وہ بلبل کو پھول کی ٹوکری کے نیچے بند کرتا ہے۔ صیاد ہوتا تو پنجرے میں بند کر کے جانے کہاں لے جاتا۔ مطلب یہ ہے کہ محبوب سے لگاؤ باقی رہے تو سب کچھ گوارا ہے۔ (گوارائی مصائب بشرطِ قربِ محبوب)

نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا
دی ہے جائے دہن اس کو دمِ ایجاد نہیں

یعنی دہنِ محبوب اس قدر تنگ ہے کہ اگر وہ "نہیں" (کلمۂ نفی) نہ کہے تو دہن کا اثبات ہی نہ ہو۔ گویا قدرت نے دہن کی بجائے اسے "نہیں" کا لفظ دیا ہے جس سے اس کے دہن کا کچھ ثبوت ملتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہ اس کے منہ سے کبھی "ہاں" نہیں نکلتی۔ (تنگیٔ دہان و نخوتِ محبوب)

کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچے سے بہشت
یہی نقشہ ہے ولے اس قدر آباد نہیں

یعنی کوچۂ محبوب اور بہشت دونوں ایک ہی جیسے ہیں لیکن بہشت اتنا آباد نہیں جتنا کوچۂ محبوب۔ ظاہر ہے کہ بہشت کے خواہشمندوں کی تعداد بہت کم ہے۔ بقولے :

جنت بھی ہے کوئے یار بھی ہے
ہر چیز میں دلکشی نہیں ہے (مشاعر)

(رشکِ کوچۂ محبوب)

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب
تم کو بے مہریِ یارانِ وطن یاد نہیں

یعنی غریب الوطنی کا رونا تو وہ روئے جس نے اہلِ وطن سے مہر و کرم مشاہدہ کیا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ غالب کے ساتھ اہلِ وطن نے بھی وہی سلوک کیا جو اجنبیوں نے کیا۔ (شکوۂ بے مہریِ اہلِ وطن)

(۱۰۲)

دونوں جہان دے کے وہ سمجھے کہ خوش رہا
یاں آ پڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

یعنی شرفِ انسانیت متقاضی ہے کہ وہ دونوں جہان پر قانع نہ ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ کا طالب ہے۔ اشارہ ہے خود مالکِ دو جہان کے طلب کرنے کی طرف۔ لیکن انسان نے باظہارِ شانِ عبودیت جو کچھ ملا اس پر اکتفا کیا۔ (مقامِ شرفِ انسانیت)

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے
تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

یعنی راہِ سلوک پر چلنے والوں میں سے کوئی بھی مقامِ حقیقت تک نہ پہنچ سکا۔ بقول نے ارشاد نبوی۔ ما عرفناک حق معرفتک   (دشواریِ حق آگاہی)

کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ اہلِ بزم
ہو غم ہی جاں گداز تو غمخوار کیا کریں

یعنی اہلِ بزم شمع کا یوں گھل گھل کر ختم ہونا کب چاہتے ہیں۔ لیکن اس کا کیا علاج جبکہ غم ہی جاں گداز ہے۔ (بے دردیِ دردِ عشق)

(۱۰۳)

ہو گئی ہے غیر کی شیریں بیانی کارگر
عشق کا اس کو گماں ہم بے زبانوں پر نہیں

یعنی محبوب رقیب کی میٹھی میٹھی باتوں میں آ کر انہیں اپنا دوست سمجھنے لگا اور ہم چونکہ بات میں کچھ کہتے سنتے نہیں تو وہ سمجھتا ہے کہ ہم کو محبت ہی نہیں ہے۔ حالانکہ عشق وہی ہے جس کا اظہار نہ کیا جائے۔ (فریب خوردگیِ محبوب)

(۱۰۴)

قیامت ہے کہ سن لیلیٰ کا دشتِ قیس میں آنا
تعجب سے وہ بولا یوں بھی ہوتا ہے زمانے میں

سُن: معنی سن کر۔   یعنی جب محبوب نے سنا کہ لیلیٰ دشتِ قیس میں گئی تو اسے حیرت ہوئی۔ گویا اس کے خیال میں معشوق کا عاشق کی خبرگیری پاسِ حیا کے خلاف اور ایک انوکھی سی بات ہے۔ محبوب کا اس طرح کہنا یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ اس کے نزدیک بھی عشاق کی خبرگیری شیوۂ معشوقی کے خلاف ہے۔ (شکوۂ بے التفاتیِ محبوباں)

دلِ نازک پہ اس کے رحم آتا ہے مجھے غالبؔ
نہ کر سرگرم اس کافر کو الفت آزمانے میں

الفت آزمانا۔ عاشق کو ناقابلِ برداشت تعب میں ڈالنا یا قتل کرنا ہے۔ پس کہتا ہے کہ محبوب کو آزمائشِ الفت پر آمادہ نہ کرنا چاہیے کہ مبادا اس کا دلِ نازک عاشق کے رنج و تعب یا سختیوں اور خستگی کو دیکھ کر برداشت نہ کر سکے۔ (پاسداریٔ طبعِ نازک)

(۱۰۵)

دل لگا کر لگ گیا اس کو بھی تنہا بیٹھنا
بارے اپنی بے کسی کی ہم نے پائی داد یاں

تنہا بیٹھنا لگ گیا۔ یعنی تنہا بیٹھنے کے سوا اور کوئی کام نہ رہا۔ یعنی جو حال محبت میں ہمارا تھا وہی حال اب محبوب کا کسی اور کی محبت میں ہے۔ گویا ہماری بے کسی کی داد مل گئی کہ اب اسے بھی ہماری قدر ہو گی۔ (طعنِ محبتِ غیر)

ہیں زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام
مہرِ گردوں ہے چراغِ رہ گزارِ باد یاں

یعنی ہر چیز زوال پذیر ہے حتیٰ کہ آفتاب بھی ایسا ہے جیسے ہوا میں چراغ۔ بقولِ آیۂ شریفہ۔ کُلُّ شیءٍ ہالکٌ الّا وجہہ (فنا آمادگیٔ عالم)

(۱۰۶)

یہ ہم جو ہجر میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں
کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں

یعنی عاشق منتظرِ صبا یا نامہ بر کی امید میں در و دیوار اور رہگذر کو دیکھتا رہتا ہے۔ (حسرتِ پیام)

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

یعنی میرے گھر محبوب کا آنا مقامِ حیرت ہے کہ اس گھر کو اس عالی مرتبے کی نسبت۔ (افتخار و ابتہاج قدومِ محبوب)

نظر لگے نہ کہیں اس کے دست و بازو کو
یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں!

یعنی زخمِ جگر ایسے گہرے ہیں کہ اس سے شمشیر زن کی قوتِ بازو کا اظہار ہوتا ہے۔ اندیشہ ہے کہ اس کو دیکھنے والے محبوب کی قوتِ بازو پر نظر نہ لگا دیں۔ بقول:

ہر کس کہ زخمِ کاریِ ما را نظارہ کرد   تا حشر دست و بازوئے او را دعا کند

(پاسداریِ خاطرِ محبوب یا کارفرمائیِ حسن)

ترے جواہرِ طرفِ کلہ کو کیا دیکھیں
ہم اوجِ طالعِ لعل و گہر کو دیکھتے ہیں

یعنی جواہرات کا کیا دیکھنا، جواہرات کی قسمت کو دیکھو کہ طرۂ تاجِ شاہی بنے۔ (اشرفِ نسبت)

(۱۰۷)

نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں
شبِ فراق سے روزِ جزا زیاد نہیں

یعنی قیامت کی تمام سختیوں کو مانتا ہوں تاہم وہ شبِ فراق سے زیادہ نہیں۔ (مبالغہ مصائبِ ہجراں)

کوئی کہے کہ شبِ مہ میں کیا برائی ہے
بلا سے آج اگر دن کو ابر و باد نہیں

یعنی مجلسِ نشاط و انبساط کے لیے ابر و بادِ بہار ہو یا شبِ ماہتاب دونوں ہی موزوں ہیں۔ (اغتنامِ فرصتِ عیش)

جو آؤں سامنے ان کے تو مرحبا نہ کہیں
جو جاؤں واں سے کہیں کو تو خیر باد نہیں

یعنی نہ ملنے پر خوش آمدید ہے اور نہ رخصت پر خدا حافظ۔ (بے مروتیِ محبوب)

کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں
کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں

یعنی محبوب میرے وجود کو اپنے لیے مخلِ عیش اور وجہِ فتنہ و فساد سمجھتا ہے۔ کیونکہ عشق بجائے خود ایک فتنہ ہے۔ میں نہیں تو وہ فتنہ بھی نہیں۔ (شکوۂ حق ناشناسی)

علاوہ عید کے ملتی ہے اور دن بھی شراب
گدائے کوچۂ مے خانہ نامراد نہیں

یعنی فیض یابِ مے خانۂ عشق کبھی بند نہیں۔ (دوامِ فیضِ عشق)

جہاں میں ہو غم و شادی بہم ہمیں کیا کام
دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں

یعنی دنیا میں سب کے لیے جہاں غم ہے خوشی بھی ہے لیکن ہمیں تو غم کے سوا خوشی میسر نہیں۔ (شکوۂ دوامِ غم)

تم ان کے وعدے کا ذکر ان سے کیوں کرو غالب
یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ یاد نہیں

یعنی وعدہ کا ذکر کرنے سے کیا فائدہ۔ محبوب تو یہی کہے گا کہ یاد نہیں۔ (فراموش کاریِ محبوب)

(۱۰۸)

تیرے توسن کو صبا باندھتے ہیں
ہم بھی مضموں کی ہوا باندھتے ہیں

باندھنا: اصطلاحِ شعرا میں بمعنی مماثل قرار دینا۔ ہوا باندھنا: بمعنی توقیر کرنا، سکہ بٹھانا۔ یعنی ہم نے تیرے گھوڑے کو صبا سے تشبیہ دے کر اپنے مضمون کی عزت بڑھا دی ہے۔ (فخریہ ادعا)

آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے
ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں

اپنی ہوا باندھنا: بمعنی خودستائی بے جا کرنا۔ یعنی آہ کی تاثیر کا دعوےٰ کرنا ایک شیخی ہے۔ فی الواقع اس میں کوئی اثر نہیں۔ (بے اثری نالہ)

تیری سُرعت کے مقابل اے عمر
برق کو پا بہ حنا باندھتے ہیں

پا بہ حنا باندھنا: بمعنی چلنے سے معذور قرار دینا۔ یعنی تیزیِ رفتارِ عمر کے مقابلہ میں برق کی رفتار ایسی سست ہے گویا اس کے پاؤں میں مہندی بندھی ہے۔ بعض نسخوں میں سُرعت کی بجائے فرصت ہے اور فرصتِ عمر بمعنی مدتِ عمر ہے۔ مطلب وہی ہے۔ (گریز پائی عمر)

قیدِ ہستی سے رہائی معلوم
اشک کو بے سر و پا باندھتے ہیں

۱ باندھنا: بمعنی بندشِ مضمون میں لانا۔ یعنی ہستی کی پابندیوں سے چھٹکارا ممکن نہیں خواہ کوئی کسی حال میں ہو۔ چنانچہ اشک ہر چند کہ بے سر و پا ہوتا ہے اور اس لیے اس کے باندھنے کا

امکان نہیں۔ پھر بھی اسے شعرا باندھ لیتے ہیں خواہ وہ بندش مضمون میں ہی کیوں نہ ہو۔

(استعارہ و صنعتگاری از بندِ حیات)

نشۂ رنگ سے ہے واشدِ گل
مست کب بندِ قبا باندھتے ہیں

یعنی مست کا بندِ قبا کھلا ہی رہتا ہے چنانچہ پھول کو دیکھو کہ نشۂ رنگ سے مست ہو کر وہ بھی اپنی قبا کھولے رکھتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شگفتہ ہوتا ہے۔ (نشاطِ بہار)

غلطی ہائے مضامیں مت پوچھ
لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں

یعنی نالہ کی صفت رسا قرار دینا بھی کیسی غلطی ہے اسے تو کبھی رسا نہیں کہا جا سکتا کیونکہ رسا کے معنی آنے والے ہیں اور نالہ منہ سے خارج ہونے والی چیز ہے۔ بقول،

عمر فریاد میں برباد گئی
نالہ مشہور غلط ہے کہ اثر رکھتا ہے۔

(بے اثری نالہ)

(الیقین)

اہلِ تدبیر کی واماندگیاں
آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں

اہلِ تدبیر: یعنی ساعی۔ واماندگی: بمعنی عاجزی یعنی آبلہ تو تھا ہی مانع حرکت اس پر حنا باندھنے سے کیا حاصل۔ گویا علاج تو خود مرض ہے کہ اس سے حرکت اور بھی دشوار ہو گئی۔ (درد افزائی مساعی)

سادہ پُرکار ہیں خوباں غالبؔ
ہم سے پیمانِ وفا باندھتے ہیں

سادہ۔ کلمۂ مبالغہ یعنی بہت۔ یعنی یہ نازنین بڑے چالاک بنتے ہیں لیکن ہیں سادہ لوح۔ چالاکی تو یہ کہ وعدۂ وفا کر لیا۔ نیت یہ کہ وفا نہ کریں گے اور سادہ لوحی یہ کہ ایسا وعدہ اور کسی سے نہیں ہم سے کرتے ہیں جو ان کے ہتھکنڈوں سے خوب واقف ہے (عیارِ غالبیات)

(۱۰۹)

زمانہ سخت کم آزار ہے بجانِ اسدؔ
وگرنہ ہم تو زیادہ توقع رکھتے تھے

یعنی اپنی جان کی قسم اتنا ستائے جانے پر بھی ہم یہی سمجھتے ہیں کہ زمانے نے کچھ نہیں ستایا۔ گویا زمانہ کتنا ہی ستائے اسے کم جانو کہ اس کا آزار لامحدود ہے۔ (بے نہایتی مسائلِ غالب)

(۱۱۰)

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں
خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں

یعنی کاش آستانۂ محبوب کا پتھر ہوتا کہ ہر دم اس کے در پر پڑا رہتا۔ اس بات کا افسوس ہو رہا۔ (حسرتِ التزامِ آستانۂ محبوب)

کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

یعنی جس میں احساس نہ ہو مثلاً پیالہ یا ساغر وہ تو گردش سے نہ گھبرائے۔ میں کہ انسان ہوں اپنی گردشِ مدام سے کس طرح نہ گھبراؤں۔ (دیارِ کلفتِ آوارگی)

یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے
لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں

حرفِ مکرر: وہ لفظ جو غلطی سے دوبارہ لکھا جائے۔ ایسے لفظ کو بے فائدہ سمجھ کر مٹا دیا جاتا ہے۔ استعجاب اس پہ ہے کہ کوئی شخص لوحِ جہاں کا حرفِ مکرر نہیں ہے یعنی ایک بار ہی پیدا ہوتا ہے پھر کیوں مٹا دیا جاتا ہے۔ (نارسائی فکر در اسرارِ وجود)

حد چاہیے سزا میں عقوبت کے واسطے
آخر گناہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں

یعنی دائمی عذاب کا مستوجب تو کافر ہی ہو سکتا ہے۔ میں کافر نہیں پھر دائمی عذاب میں کیوں مبتلا ہوں؟ میں ایک گناہگار ہوں اور بپاداشِ گناہ سزائے محدود کا مستوجب ہوں نہ کہ سزائے دائمی کا۔ (التجائے کرم)

کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے
لعل و زمرد و زر و گوہر نہیں ہوں میں

یعنی اربابِ کرم کے نزدیک زر و جواہر کی قدر نہیں ہوتی۔ لیکن میں تو زر و جواہر نہیں پھر میری قدر کیوں نہیں۔ ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ میں زر و جواہر سے بالاتر ہوں۔ (استحقاقِ منزلت و التجائے التفات)

رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ
رتبے میں مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں

شاعر خود کو مہر و ماہ کا ہم رتبہ قرار دے کر پھر مترقب ہے کہ محبوب کے قدم اس کی آنکھوں پہ رکھے جائیں۔ گویا یہ حقیقت ہے کہ محبوب کے قدم مہر و ماہ سے کم رتبہ چیز پر نہیں پڑتے۔ (حرمتِ قدمِ محبوب)

کرتے ہو مجھ کو منعِ قدم بوسی کس لیے
کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں؟

ازبسکہ شاعر خود کو آسمان کا ہم پلہ سمجھتا ہے اور محبوب کے قدم آسمان سے کم رتبہ شے پر نہیں پڑتے اس لیے مترقب ہے کہ اس کو قدم بوسی کی اجازت ہو۔ (شرفِ قدم محبوب)

غالب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دُعا
وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں

یعنی مایوسی اور شکوہ کا وقت ختم ہوا۔ اب تو وظیفہ خوار سلطان ہو۔ اس کے دعا گو بن جاؤ۔ (مخدومیتِ سلطان و اظہار جذبات تشکر)

بظاہر یہ چار اشعار قطعہ بند ہیں اور مدح سلطان میں ہیں۔

(۱۱۱)

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

یعنی خدا جانے کتنی حسین و جمیل صورتیں خاک میں مل گئیں کہ ان کی نظیر نہیں۔ البتہ ان میں سے کچھ کا اندازہ لگانا چاہو تو لالہ و گل میں دیکھو۔ سب کا اندازہ ناممکن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خاک میں ملنے والوں کی تعداد لالہ و گل کے شمار سے کہیں زیادہ ہے۔ (عبرت انجامی حیات)

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں

یعنی ایام عیش و بزم آرائی سے اس قدر بعد ہے کہ اب اس کی رنگینیوں اور دلچسپیوں کی یاد بھی محو ہو گئی۔ (حسرت ایام ماضی)

تھیں بنات النعش گردوں دن کے پردے میں نہاں
شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں

بنات النعش: سات ستاروں کے ایک جھرمٹ کا نام ہے۔ یعنی سات ستاروں کا یہ جھرمٹ دن بھر آنکھوں سے اوجھل رہتا ہے اور رات کو نظر عام پر آجاتا ہے۔ یہ کیسے ہوتا ہے۔ سوال حُسن قدرت کی ابجرسکاری کی طرف بڑی توجہ کے لیے کیا گیا ہے۔ لڑکیوں کا عریاں ہوکر سامنے آنا اشارہ ہے دل کشی شب سیارگاں کی طرف۔ (منظر کشی)

قید میں یعقوب نے گو لی نہ یوسف کی خبر
لیکن آنکھیں روزنِ دیوارِ زنداں ہوگئیں

یعنی گو حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے پسر حضرت یوسف علیہ السلام کی خبر زنداں میں نہ لے سکے لیکن ان کی آنکھیں روزنِ زنداں کی طرح بے بصارت ہوکر رہ گئیں۔ اشارہ یہ ہے کہ حضرت یعقوب کی آنکھوں نے روزنِ زنداں کی صورت اس لیے اختیار کی کہ ان کا محبوب فرزند زندان میں تھا۔ (تعلقِ خاطر محب یا محبوب)

سب رقیبوں سے ہوں ناخوش پر زنانِ مصر سے
ہے زلیخا خوش کہ محوِ ماہِ کنعاں ہوگئیں

یعنی میں تو اپنے رقیبوں سے ناخوش ہی رہتا ہوں۔ ایک زلیخا ایسی تھی جو زنانِ مصر سے خوش ہوئی کہ وہ بھی یوسف علیہ السلام پر فریفتہ ہوگئیں اور بے خودی میں لیموں کی بجائے اپنے ہاتھ کاٹ لیے۔ ظاہر ہے کہ زلیخا کی خوشی رقابت کی بنا پر نہ تھی بلکہ اپنی محبت کے بجا ہونے اور طعنِ محبت سے نجات پانے کی بنا پر تھی۔ شاعر یہی ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ عاشق منعِ محبت سے ناخوش اور محبت کے باب میں حوصلہ افزائی احباب سے خوش ہوتا ہے۔ سب رقیبوں سے ہوں ناخوش میں اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ میں زلیخا کے علی الرغم کسی حال میں بھی رقیب کو پسند نہیں کرتا۔ (گرانئ عشق)

جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق
میں یہ سمجھوں گا کہ دو شمعیں فروزاں ہو گئیں

یعنی عالمِ فراق میں اشک ریزی باعثِ دُوریٔ غبارِ باطن و انبساطِ خاطر ہے۔ گویا اشک ریز آنکھیں تاریکی میں دو شمعیں روشن ہو جانے کی مانند ہیں۔ (انبساطِ گریہ)

ان پری زادوں سے لیں گے خلد میں ہم انتقام
قدرتِ حق سے یہی حوریں اگر واں ہو گئیں

یعنی بے نیازیوں کا بدلہ لیں گے اور انھیں اپنا ناز بردار بنائیں گے (حسرتِ التفاتِ حسیناں)

نیند اس کی ہے دماغ اس کا ہے راتیں اس کی ہیں
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں

یعنی محبوب جس کے بازو پر سر رکھ کر ہم خواب ہو اس کی نیند راحت بخش دماغ معطر اور راتیں عیش آگیں ہو جاتی ہیں۔ گویا وصلِ محبوب میسر ہو تو دنیا بھر کا عیش میسر ہے (نشاطِ وصال)

میں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھل گیا
بلبلیں سن کر مرے نالے غزل خواں ہو گئیں

نالے سے مراد سخن۔ یعنی میرے اشعار ایسے درد بھرے ہیں کہ میرے جانے سے تمام باغ میرا سبق پڑھنے لگا گویا مکتب بن گیا اور بلبلیں میرے اشعار پڑھنے لگیں یا ان کو سلیقۂ غزل خوانی آ گیا۔ بقول،

آب و رنگِ گلستانِ عشق اکنوں از من است
عندلیباں ہرچہ مے گویند سخن می است

(تعلّی و ستائشِ شعرِ خود)
(کمال)

وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یارب دل کے پار
جو مری کوتاہیِ قسمت سے مژگاں ہو گئیں

یعنی معشوق کی نظریں تو جگر دوز تھیں ہی۔ لیکن جب وہ میری بدقسمتی سے اپنی نظر شرم کے مارے جھکا لیتا ہے اور اس کی نگاہیں سمٹ کر پلکیں بن جاتی ہیں تو یہ ادائے شرم و حیا اور بھی دل کے پار ہو جاتی ہے۔ (جگردوزی ادائے حیا)

بسکہ روکا میں نے اور سینے میں ابھریں پے بہ پے
میری آہیں بخیۂ چاکِ گریباں ہو گئیں

چاک گریباں کا بخیہ ہو جانا: گریبان کے چاک کا غائب ہو جانا۔ یعنی اگر ضبط سے کام نہ لیتا تو گریبان چاک کر ڈالتا۔ وہ تو سینے میں آہیں بخیہ کے ٹانکوں کی طرح یوں بار بار ابھریں اور دبیں اور جزع و فزع نہ کر سکا گویا چاک گریباں کو انھوں نے سی دیا اور علامات جنوں ظاہر نہ ہوئیں۔ (ضبطِ جنونِ عشق)

واں گیا بھی میں تو ان کی گالیوں کا کیا جواب
یاد تھیں جتنی دعائیں صرفِ درباں ہو گئیں

یعنی بربنائے نیازمندی و فروتنی سختیوں اور گالیوں کا جواب میں دعاؤں سے دیتا ہوں۔ سوچتا یہ ہوں کہ درباں کی سختیوں پر تو ساری دعائیں ختم کر چکا ہوں۔ اب اگر محبوب کے پاس پہنچا اور اس نے گالیاں دیں تو اور دعا کے الفاظ کہاں سے لاؤں گا۔

(ناز بردارئ محبوب و گوارائی ستم)

جاں فزا ہے بادہ جس کے ہاتھ میں جام آ گیا
سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگِ جاں ہو گئیں

یعنی اگر بادہ ہاتھ میں آجائے تو بکمال جانفزائی یا تاک کی تاریں جان کی رگیں بن جاتی ہیں۔ گویا رگ رگ میں زندگی آجاتی ہے۔ (جانفزائی بادہ)

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

ظاہر ہے کہ اختلافِ ملل کا منشا پابندیٔ رسومِ مختلفہ ہے۔ "ولا هذه ملتكم ملة واحدة" کے مصداق حقیقت سب کی ایک ہے (مراد وحدانیت حق) لہٰذا کہنا ہے کہ جس قدر ملتوں یا اعتزازنا رسوم کی پابندی ترک کرتے جاؤ اسی قدر ایمان میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ (تعلیم ترکِ رسوم)

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

یعنی مشکلات سہتے سہتے اُن کا عادی ہو گیا ہوں اور ظاہر ہے کہ جس بات کی عادت ہو جائے وہ کتنی ہی مشکل ہو آسان ہو جاتی ہے۔ (خوئے تحملِ مصائب)

یونہی گر روتا رہا غالب تو اے اہلِ جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

یعنی غالب کی اشکباری کے طوفان سے بستیوں کے ویران ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ (بیانِ شدتِ گریہ)

(۱۱۲)

دیوانگی سے دوش پہ زنّار بھی نہیں
یعنی ہماری جیب میں اک تار بھی نہیں

یعنی دیوانگی کا یہ عالم ہے کہ پیراہن جو دریدہ ہو کر تار تار ہو گیا تھا وہ دوش پر زنار بن

بن کر رہ گیا تھا۔ زنار کا دوش پر ہونا گویا صنم پرستی و کافری عشق کی تکمیل تھی لیکن اب دیوانگی نے اسے بھی ختم کر دیا ہے۔ (مبالغۂ جنون)

دل کو نیازِ حسرتِ دیدار کر چکے
دیکھا تو ہم میں طاقتِ دیدار بھی نہیں

نیاز: بمعنی چڑھاوا۔ یعنی دل وقفِ حسرتِ دیدار ہو کر رہ گیا ہے کہ یہ حسرت کبھی نہ نکلے، کیونکہ اب اس ناتوانی سے دیکھنے کی طاقت نے بھی جواب دے دیا ہے۔ (دوری کامل)

ملنا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

دشوار بھی نہیں: بمعنی محال ہے۔ یعنی تیرا ملنا آسان نہ ہوتا بلکہ دشوار ہوتا تو ہم سہل جانتے لیکن وہ تو دشوار سے بھی بڑھ کر یعنی محال ہے۔ (استحالۂ دیدارِ محبوبِ حقیقی)

بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے اور یاں
طاقت بقدرِ لذتِ آزار بھی نہیں

ظاہر ہے کہ آزار میں کوئی لذت نہیں اور طاقت کا بقدرِ لذتِ آزار نہ ہونا کنایہ ہے بالکل نہ ہونے سے۔ مطلب یہ ہے کہ عشق میرے خواص طبیعت میں سے ہے کہ اس کے بغیر زندگی محال ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ عشق کے لیے جگر چاہیے اور وہ نام کو بھی نہیں۔ (دشواریٔ تحمل شدائدِ عشق)

شوریدگی کے حال سے سر ہے وبالِ دوش
صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں

یعنی ایسا شوریدہ حال صحرا نورد ہوں کہ زندگی وبال ہو گئی ہے۔ لیکن کیا کروں کہ صحرا

میں کوئی دیوار بھی نہیں کہ سر پھوڑ کر جان دے دوں۔ (کلفتِ شدیدہ ہجری)

گنجائشِ عداوتِ اغیار یک طرف
یاں دل میں ضعف سے ہوسِ یار بھی نہیں

یعنی میری ضعف و ناتوانی کا یہ عالم ہے کہ دل شوقِ دیدارِ محبوب کا بار بھی نہیں برداشت کر سکتا جس کے بغیر زندگی ہی نہیں رہ سکتی۔ بھلا عداوتِ اغیار کا بوجھ کیسے جھیل سکتا ہوں۔ (بیانِ ضعف و ناتوانی)

ڈر نالہ ہائے زار سے میرے خدا کو مان
آخر نوائے مرغِ گرفتار بھی نہیں

میرے نالہ و فریاد سے ڈر: یعنی ترکِ ستم کر۔ اور خدا سے ڈر کہ اس کے سامنے جوابدہ ہونا ہے۔ وہی باقی ہے باقی ہر چیز فانی ہے۔ یہاں تک کہ ایک دن مرغِ گرفتار کی آواز بھی ختم ہو جاتی ہے لہٰذا میرا نالہ بھی ختم ہو جائے گا اس وقت افسوس سے کیا حاصل (التجائے کرم)

دل میں ہے یار کی صفِ مژگاں سے روکشی
حالانکہ طاقتِ خلشِ خار بھی نہیں

روکشی: سامنا۔ مقابلہ یعنی کمال ناتوانی سے حال تو یہ ہے کہ کانٹا چبھنے کی تاب نہیں اور ارادہ یہ ہے کہ صفِ مژگاں سے مقابلہ کروں۔ (عزمِ تحمل شدائدِ عشق)

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

یعنی معشوق کے بھولے پن پر جان جاتی ہے کہ بغیر تلوار کے آمادۂ قتال ہے اور اپنی سادگی ہی سے اسے ڈراتا ہے۔ (بیانِ سادگی حسنِ سادۂ محبوب)

دیکھی اسدؔ کو خلوت و جلوت میں بارہا
دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں

یعنی عاشق نہ دیوانہ ہوتا ہے نہ ہوشیار۔ دیوانہ یوں نہیں کہ عشق نام ہے کمال معرفت کا اور ہوشیار یوں نہیں کہ کمالِ معرفت ہی بے خودی ہے۔ بقول: خراب بادۂ لعل تو ہوشیاراں اند۔ (حافظ) (تحسینِ سودائے عشق)

(۱۱۳)

نہیں ہے زخم کوئی بخیہ کے درخور مرے تن میں
ہوا ہے تارِ اشکِ یاس رشتہ چشمِ سوزن میں

یعنی میرے زخم ایسے گہرے ہیں کہ اس میں ٹانکا نہیں لگ سکتا۔ اسی حال سے سوئی بھی مایوس ہو کر اشک ریز ہے گویا اس کے ناکے کا تاگا، آنسو کا تار ہے۔

(سلیے درکارِ دردِ عشق)

ہوئی ہے مانعِ ذوقِ تماشا خانہ ویرانی
کفِ سیلاب باقی ہے برنگِ پنبہ روزن میں

خانہ: مراد خانۂ دل۔ روزن: مراد آنکھ۔ یعنی میری آنکھوں سے سیلابِ اشک کچھ اس طرح جاری ہوا کہ خانۂ دل ویران ہوگیا۔ لیکن ویرانی کا تماشا دکھائی نہیں دیتا کیونکہ روزنِ چشم میں کفِ سیلاب کے باعث روئی سی ٹھسی ہوئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میری آنکھوں کے دیکھنے سے ویرانۂ دل کا حال نہیں کھلتا کیونکہ اشک خشک ہوچکا ہے۔
کہ میرے آنسو نہ ہوں تو دل کی کیفیت کس طرح معلوم ہو۔ (بیانِ کثرتِ گریہ)

ودیعت خانۂ بیدادِ کاوش ہائے مژگاں ہوں
نگینِ نامِ شاہد ہے مرا ہر قطرۂ خوں تن میں

یعنی میرا ہر قطرۂ خوں ایک نگینہ ہے جس پر محبوب کا نام کندہ ہے۔ گویا یہ تمام وجود مژگان یار کی ستم کاریوں کا سپرد کردہ ایک امانت خانہ ہے۔ وہ جب چاہے میرے خون کے ہر قطرہ کو اپنی تخمیر کے لیے کام میں لا سکتا ہے۔ بقول غالب ع خون جگر ودیعت مژگان یار تھا۔ (غالب)

(فداکاری عاشق)

بیاں کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستاں کی
شب ماہ ہو جو رکھدیں پنبہ دیواروں کے روزن میں

یعنی میری خوابگاہ اس قدر تاریک ہے کہ اگر روزنِ دیوار میں روئی رکھ دی جائے تو اس کی سفیدی بھی اس تاریکی کے مقابلے میں چاند کی روشنی معلوم ہو۔ (مبالغۂ ظلمت کاشانۂ عاشق)

نکوہش مانع بے ربطیٔ شورِ جنوں آئی
ہوا ہے خندۂ احباب بخیہ جیب و دامن میں

خندہ: بمعنی خندۂ ملامت۔ بے ربطی: بمعنی بدعنوانی۔ یعنی احباب کی سرزنش و ملامت کے باعث دیوانہ پن کی بدعنوانیاں مجھ سے ظاہر نہ ہوئیں۔ گویا احباب کے ہنسی اڑانے سے میرے جیب و دامن کا چاک سل گیا اور میرے جنون کا اظہار نہ ہوا۔ (پاس نکوہش احباب)

ہوئے اس مہروش کے جلوۂ تمثال کے آگے
پرافشاں جوہر آئینہ مثل ذرہ روزن میں

تمثال: بمعنی عکس رخ۔ پرافشاں: عبارت ہے اضطراب شوق سے۔ یعنی اس رشید لقا کی شکل جب آئینہ میں منعکس ہوئی تو جوہر آئینہ اس طرح اضطراب شوق میں اڑنے لگا یسے سورج کی روشنی میں روزن کے ذرات۔ (مبالغۂ تابانیٔ رخ محبوب)

نہ جانوں نیک ہوں یا بد ہوں پر صحبت مخالف ہے
جو گل ہوں تو ہوں گلخن میں جو خس ہوں تو ہوں گلشن میں

یعنی قطع نظر اس کے کہ میں اچھا ہوں یا برا مجھے جن سے سابقہ ہے ان کی طبیعت مجھ سے ایسی ہی متضاد ہے جیسے پھول کو بھاڑ میں رکھا جائے یا خس و خاشاک کو باغ میں۔

(کلفتِ صحبتِ ناجنس)

ہزاروں دل دیے جوشِ جنونِ عشق نے مجھ کو
سیہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرۂ خوں تن میں

دل محلِ عشق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جنونِ عشق کا اتنا جوش ہے کہ ایک دل میں نہ سمایا اس لیے ہزاروں دل پیدا ہو گئے اور میرے خون کا ہر قطرہ سویدا کے دل بن گیا۔ (دیوانگیٔ عشق)

اسد زندانیٔ تاثیرِ الفت ہائے خوباں ہوں
خمِ دستِ نوازش ہو گیا ہے طوق گردن میں

یعنی حسینوں کی محبت کا اثر یہ ہوا کہ میں ان کا قیدی ہو گیا۔ گویا ان کی الفت کی باہیں میری گردن کا طوقِ غلامی بن گئیں۔ (اسیریٔ الفتِ محبوباں)

(۱۱۴)

مزے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں
سوائے خونِ جگر سو جگر میں خاک نہیں

یعنی دنیا میں اگرچہ کچھ مزہ ہے تو خونِ جگر کے پینے میں ہے۔ لیکن جگر میں جب خون نہ ہو تو گویا دنیا میں کچھ مزہ ہی نہ رہا۔ (تلخ کامیٔ حیات)

مگر غبار ہوئے پر ہوا اڑا لے جائے
وگرنہ تاب و تواں بال و پر میں خاک نہیں

گر: بمعنی شاید۔ یعنی اڑ کر درِ محبوب تک پہنچنے کے تمام وسائل ناکارہ ہو چکے ہیں۔ البتہ مرنے کے بعد شاید غبار کو ہوا اڑا لے جائے۔ (حسرتِ کوچۂ یار)

یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے
کہ غیرِ جلوۂ گل رہگذر میں خاک نہیں

یعنی یہ کون آنے والا ہے کہ تمام راستے پر پھول ہی پھول ہیں خاک نہیں ہے۔ (نشاطِ قدومِ محبوب)

بھلا اسے نہ سہی کچھ مجھی کو رحم آتا
اثر مرے نفسِ بے اثر میں خاک نہیں

یعنی میری آہ بالکل بے اثر ہے نہ محبوب کو ترس آیا کہ مجھ پر کرم فرماتا اور نہ مجھے اپنے اوپر رحم آیا کہ اپنا کام تمام کر لیتا۔ یہ کیا کہ آہ و نالہ جاری ہے اور اثر خاک نہیں۔ (بے اثریِ نالۂ عشق)

خیالِ جلوۂ گل سے خراب ہیں میکش
شراب خانہ کی دیوار و در میں خاک نہیں

یعنی یہ جلوۂ گل (رخسارِ محبوب) کا تصور ہے جس نے میخواروں کو مست و بے خود بنا رکھا ہے ورنہ مے خانہ میں کیا رکھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہلِ معرفت کائنات پر نہیں خالقِ کائنات پر فریفتہ ہوتے ہیں۔ (نشاطِ جلوۂ حسنِ حقیقی)

ہوا ہوں عشق کی غارتگری سے شرمندہ
سوائے حسرتِ تعمیر گھر میں خاک نہیں

یعنی عشق سے شرمندہ ہوں کہ اس کی غارتگری کے لیے میرے گھر میں اب کچھ نہیں ہے۔ صرف حسرتِ تعمیر باقی ہے۔ گویا جو چیز باقی ہے وہ غارتگریِ عشق کے لائق نہیں۔ (مبالغۂ ویرانی و بربادی یا ذوقِ کمالِ نذرداری)

ہمارے شعر ہیں اب صرف دل لگی کے اسدؔ
کھلا کہ فائدہ عرضِ ہنر میں خاک نہیں

یعنی جب کہ ہنرمندی کو صرف دل لگی کا سامان سمجھا جانے لگا تو اظہارِ ہنر سے کیا فائدہ۔

(شکوۂ ناقدریٔ ہنر)

(۱۱۵)

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں؟
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں؟

یعنی منع کرنے سے رونا نہیں تھمتا۔ البتہ کوئی نہ ستائے تو رونا کیوں ہو۔ (التجائے ترکِ ستم)

دیر نہیں حرم نہیں در نہیں آستاں نہیں
بیٹھے ہیں رہگذر پہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کیوں؟

یعنی ہمارا مقام ایک رہگذر ہے جو کسی کے لیے مخصوص نہیں۔ نہ وہ مسلم کا ہے نہ غیر مسلم کا۔ یہ جگہ کسی کا گھر یا در بھی نہیں گویا مقام یا مسلکِ عشق میں نہ کسی مذہب کو دخل ہے نہ کسی کے ذاتی حقوق میں مداخلت ہے پھر کوئی ہم سے مزاحم یا طریقِ عشق سے مانع کیوں ہو۔ (مقامِ عشق و آزادمنشی)

جب وہ جمالِ دلفروز صورتِ مہرِ نیمروز
آپ ہی ہو نظارہ سوز پردہ میں منہ چھپائے کیوں!

یعنی محبوب خورشید لقا کے جمالِ جہاں تاب کو دیکھنے کی تاب ہی کسی میں نہیں تو اسے منہ چھپانے کی کیا ضرورت ہے۔ (تابشِ جمال) یا (بیان خیرہ چشمی اہلِ نظارہ)

دشنۂ غمزہ جاں ستاں ناوکِ ناز بے پناہ
تیرا ہی عکسِ رخ سہی سامنے تیرے آئے کیوں

یعنی تیرا ناز و غمزہ ہلاکت آفریں ہے۔ کوئی بھی اس کے سامنے نہیں ٹھیرتا خواہ وہ تیرا عکس رخ ہی کیوں نہ ہو تیرا مد مقابل وہ بھی نہیں ہو سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ مظاہر حق کی ذاتِ حق کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں۔ (بے مثالی حسن محبوب)

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں؟

یعنی زندگی اور غم باہم ایسے متلازم ہیں کہ گویا ایک ہی ہیں۔ لہٰذا انسان جب تک زندہ ہے غم سے نجات نہیں پا سکتا۔ بقول شخصے:

؎ ہم سے بن مرگ کیا جدا ہو ملال   جان کے ساتھ ہے دل ناشاد (میر)

(تلازم غم و حیات)

حُسن اور اس پہ حُسنِ ظن رہ گئی بوالہوس کی شرم
اپنے پہ اعتماد ہے غیر کو آزمائے کیوں؟

یعنی محبوب اول تو فی الواقع حسین ہے اور پھر اسے اپنے متعلق یہ گمان ہے کہ جو کوئی اسے دیکھے گا شیفتہ ہوئے بغیر نہ رہے گا اس لیے اس نے رقیب کو آزمانے کا خیال ہی نہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس بوالہوس کی شرم رہ گئی۔ اگر کہیں آزما لیتا تو اس کے دعوئے عشق کی قلعی کھل جاتی۔ (حسن پر تعلق رقیب)

واں وہ غرورِ عز و ناز، یاں یہ حجابِ پاسِ وضع
راہ میں ہم ملیں کہاں بزم میں وہ بلائے کیوں؟

یعنی راہ میں ملنا ان کی شان کے خلاف ہے اور محفل میں بن بلائے جانا اپنی وضع کے خلاف تو ملنا معلوم۔ (حوائج عزت و ناموس در بابِ عشق)

ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں؟

روئے سخن ناصح کی طرف ہے۔ یعنی تم جو محبت سے مانع آتے ہو کہ محبوب خدا پرست نہیں اور بے وفا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہاں ہے۔ آپ کو دین و دل عزیز ہیں تو نہ جائیے اس کی گلی میں۔ ہم تو جائیں گے کہ ہمیں اس کی خاطر نہ دین کی پروا ہے نہ دل کی۔ (مرہم عاشق)

غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں
روئیے زار زار کیا؛ کیجئے ہائے ہائے کیوں

مطلب یہ کہ رونا کسی کی موت کا نہیں بلکہ ناروائی کار کا ہوتا ہے۔ (طنز بر تعلقات اہل دنیا

(۱۱۶)

غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں
بوسہ کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یوں

یعنی منہ سے بوسے کو بتا کر یوں لب بند کر کے لیا جاتا ہے۔ غنچہ کو دکھا کر اشارہ سے نہ بتا۔ (التجائے اختلاط)

پرسشِ طرزِ دلبری کیجئے کیا کہ بن کہے
اس کے ہر اک اشارہ سے نکلے ہے یہ ادا کہ یوں

یعنی دل لبھانے کا طریقہ کیا پوچھنا۔ یہ تو اس کی ہر ادا خود ہی بتا رہی ہے کہ یوں دل لیتے ہیں۔ بقول:

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم کرشمہ دامن دل مے کشد کہ جا ایں جاست

(شیوہ طرازی محبوب)

رات کے وقت مے پیے ساتھ رقیب کو لیے
آئے وہ یاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کہ یوں

یعنی خدا کرے محبوب آئے لیکن رقیب کو ساتھ لیے عالم سرخوشی میں نہ آئے۔ (ناگوارئ صحبت اغیار)

غیر سے رات کیا بنی یہ جو کہا تو دیکھیے
سامنے آن بیٹھنا اور یہ دیکھنا کہ یوں

یعنی میں نے پوچھا کہ رقیب کے ساتھ کس طرح گزری تو محبوب میرے سامنے آن بیٹھا گویا دکھایا کہ یوں ہم آمنے سامنے بیٹھے رہے۔ اب دیکھیے کہ کس طرح اس کا یہ دکھانا مجھے دیکھنا پڑا۔ (رشک رقیب)

بزم میں اس کے روبرو کیوں نہ خموش بیٹھیے
اس کی تو خامشی میں بھی ہے یہی مدعا کہ یوں

یعنی محبوب کی خاموشی میں یہ ایما ہے کہ یوں خاموش رہوں۔ لہٰذا خاموش ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ جو بولنا ہی نہ چاہے اس سے کیونکر بولا جائے۔ (پاس خاطر محبوب)

میں نے کہا کہ بزم ناز چاہیے غیر سے تہی
سن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں؟

"اٹھا دیا" کے آگے "اور کہا" محذوف ہے۔ یعنی میں نے کہا کہ تمہاری محفل میں غیر کی موجودگی نہ ہونی چاہیے۔ یہ سن کر اس نے مجھے محفل سے اٹھا دیا کہ گویا میں ہی غیر تھا اور کہنے لگا کہ یہی مطلب تھا نہ تمہارا؟ (ستم ظریفی محبوب)

مجھ سے کہا جو یار نے جاتے ہیں ہوش کس طرح
دیکھ کے میری بیخودی چلنے لگی ہوا کہ یوں!

یعنی میں کہ بے خود تھا محبوب کو نہ بتا سکا کہ ہوش کس طرح جاتا ہے لیکن ہوا نے چل کر بتایا کہ یوں ہوش اُڑ جاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ماحول ہی بعض اوقات ترجمانی حال کر دیتا ہے (جنونِ عشق)

کب مجھے کوئے یار میں رہنے کی وضع یاد تھی
آئنہ دار بن گئی حیرتِ نقشِ پا کہ یوں

یعنی عاشق حیران کوئے یار میں کس طرح جا پڑتا ہے کہ پھر نہیں اٹھتا۔ یہ کیفیت نقشِ پا سے ظاہر ہوتی۔ (التزام کوچۂ محبوب)

گر ترے دل میں ہو خیال وصل میں شوق کا زوال
موج محیطِ آب میں مارے ہے دست و پا کہ یوں

یعنی یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ وصل حاصل ہو تو شوق زائل ہو جاتا ہے۔ دیکھو موج واصل بحر ہے لیکن لطفِ شوق میں پھر بھی ہاتھ پاؤں مارتی رہتی ہے۔ گویا بتاتی ہے کہ شوق اس طرح برقرار رکھتا ہے۔ بقول غالب: ع شوق است کہ در وصل ہم آرام ندارد۔ صوفیا کہتے ہیں۔ المحب لا یشبع۔ (اضطرابِ دوامِ عاشق)

جو یہ کہے کہ ریختہ کیونکہ ہو رشکِ فارسی
گفتۂ غالب ایک بار پڑھ کے اسے سنا کہ یوں

کیونکہ: یعنی کیونکر۔ مطلب یہ ہے کہ غالب کے اردو اشعار زبانِ فارسی کے لیے قابلِ رشک ہیں۔ (تعلّی شاعرانہ)

و

(۱۱۷)

حسد سے دل اگر افسردہ ہے گرمِ تماشا ہو
کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے وا ہو

گرم تماشا ہونا: مشاہدہ میں وسعت پیدا کرنا۔ حسد دلِ تنگ باہم سبب اور مسبب ہیں یعنی حسد تنگ چشمی سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر دل حسد سے نجات چاہے تو اس کا علاج یہ ہے کہ وسعتِ نظر پیدا کرو تب خوشی ہوگی کہ بہت سے اشخاص خود تیری جیسی حالت کے شخص ہیں۔ بقول سعدی:

زمانہ بگیں گفت غم مخور بسیار ۔ بسا کسا کہ بروزِ تو آرزومند است

نیز یہ بھی واضح ہوگا کہ محسودوں کی برتری اور حاسدوں کی پستی بے وجہ نہیں جوہرِ ذاتی کی بدولت ہے نیز ان کی ترقی بجا ہے۔ (علاج حسد)

بقدرِ حسرتِ دل چاہیے ذوقِ معاصی بھی
بھروں یک گوشۂ دامن گر آبِ ہفت دریا ہو

یعنی جتنی زیادہ آرزوئیں ہوں گی اتنا ہی زیادہ گناہ کا شوق بھی ہوگا۔ چنانچہ میری کثرتِ آمال کی یہ حالت ہے کہ اگر ہفت دریا سے معصیت ہو تو میرا صرف ایک گوشۂ دامن تر ہوگا اور مکمل تر دامنی نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ حسرتیں بے شمار ہیں جو گناہ کراتی ہیں۔ بقول:

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک ۔ میرا سرِ دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

(معصیت کثرتِ آمال)

اگر وہ سرو قد گرمِ خرامِ ناز آجائے
کفِ ہر خاکِ گلشن شکلِ قمری نالہ فرسا ہو

یعنی اگر محبوب خراماں خراماں باغ میں آجائے تو گلشن کی ہر کفِ خاک قمری کی طرح اس کی محبت کا راگ الاپنے لگے۔ (دل ربائی قامتِ محبوب)

(۱۱۸)

کعبہ میں جا رہا تو نہ دو طعنہ کیا کہیں
بھولا ہوں حقِ صحبتِ اہلِ کنشت کو؟

کیا کہیں بھولا ہوں: استفہام انکاری: مطلب یہ ہے کہ کعبہ میں آنے کے بعد بھی بت خانے سے تعلقِ خاطر باقی ہے۔ اس شعر کے دو مفہوم ہیں ایک تو یہ کہ مذہب مخلِ عاشقی نہیں۔ دوسرے یہ کہ ہمارا اسلام شائبۂ کفر سے خالی نہیں ہے۔ (گیرائیِ عشق) یا (خامیِ طاعت)۔

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

دوزخ میں ڈال دو: یعنی اس کا خیال چھوڑ دو۔ یعنی طاعتِ الٰہی میں اگر پیشِ نظر صرف نعمائے بہشت مثلاً شراب و شہد ہیں تو یہ طاعت خالص اور بے لاگ نہیں ہے ایسی بہشت کی خواہش کو ہی ختم کر دینا چاہیے۔ (تعلیمِ اخلاص)

ہوں منحرف نہ کیوں رہ و رسمِ ثواب سے
ٹیڑھا لگا ہے قطِ قلمِ سرنوشت کو

یعنی راہِ ثواب سے منحرف ہونا ہی میرے مقدر میں تھا۔ (اعترافِ معصیت)

آئی اگر بلا تو جگر سے نہیں ٹلے
ایرا ہی دے کے ہم نے بچایا ہے کشت کو

ایرا دینا: شطرنج کی اصطلاح میں حریف کے مہرہ کی زد سے بچانے کے لیے بادشاہ کو اپنی جگہ سے ہٹانے کی بجائے کسی اور مہرے کو درمیان میں لانا۔ کشت: یعنی شہ (بادشاہ پر زد پڑنا) یعنی بلا کے سامنے سے ہٹ جانا میرا شیوہ نہیں بجائے بچنے کے اپنے

وجود پر) اس بلا کو انگیز کر لیتا ہوں۔ (عزم و ثبات)

غالب کچھ اپنی سعی سے لہنا نہیں مجھے
خرمن جلے اگر نہ ملخ کھائے کشت کو

لہنا: بمعنی فائدہ۔ حاصل۔ یعنی مجھے اپنی محنت کا پھل کبھی نہیں ملتا۔ اگر کھیتی کو ٹڈی سے بچاؤں تو خرمن پر بجلی گر پڑتی ہے۔ (ناکامیِ تدبیر)

(۱۱۹)

وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو
کیجے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو

وارستہ ہیں: بمعنی ہم بے پروا ہیں۔ ظاہر ہے کہ محبوب ہر حال میں عداوت ہی کرے گا اس لیے عاشق چاہتا ہے کہ تعلق باقی رہے۔ اس سے غرض نہیں کہ محبت ہی ہو۔ (حسرتِ رابطہ با محبوب)

چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگ اختلاط کا
ہے دل پہ بار نقشِ محبت ہی کیوں نہ ہو

نقشِ محبت: بمعنی تصویرِ محبت۔ یعنی میل جول رکھنے کی تاب نہیں اب تو محبت کا خیال بھی گرانِ خاطر ہے۔ (خستگیِ یاس)

ہے مجھ کو تجھ سے تذکرۂ غیر کا گلہ
ہر چند بر سبیلِ شکایت ہی کیوں نہ ہو

یعنی میں تو رقیب کا ذکر ہی سننا نہیں چاہتا خواہ بر سبیلِ شکایت ہی کیوں نہ ہو۔ (رشک)

پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر درد کی دوا
یوں ہو تو چارۂ غمِ الفت ہی کیوں نہ ہو

یعنی یہ جو بتایا ہے کہ ہم درد کی دوا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ اگر یہ درست ہوتا تو درد الفت کا بھی علاج ہوتا۔ (بے درمانی درد عشق)

ڈالا نہ بے کسی نے کسی سے معاملہ
اپنے سے کھینچتا ہوں خجالت ہی کیوں نہ ہو

یعنی ایسا بے کس ہوں کہ کسی سے واسطہ ہی نہیں کہ اس کا شرمندۂ احسان ہوتا۔ اگر خجالت بھی کھینچی تو اپنے آپ سے کھینچی، غیر سے نہیں کھینچی۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی کام بنا تو اپنے ہی سے بنا غیر سے کبھی نہیں۔ ایک مفہوم بعید یہ بھی ہے کہ بے کسی کے باعث کسی سے معاملہ نہ ہونا خود میرے لیے باعث شرم ہے۔ (بے نیازی و بے تعلقی)

ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

یعنی خلوت میں بھی ایک محشر خیال برپا ہے۔ گویا تنہائی بھی ایک انجمن ہے۔ (ذوق تصور)

ہنگامۂ زبونیٔ ہمت ہے انفعال
حاصل نہ کیجے دہر سے عبرت ہی کیوں نہ ہو

ہنگامہ: یعنی زیادتی۔ انفعال: یعنی اثر پذیری۔ اسی کو عبرت بھی کہتے ہیں۔

یعنی دوسروں کا اثر لینے سے کم ہمتی بڑھتی ہے۔ لہٰذا دنیا سے کچھ لینا خواہ وہ عبرت ہی کیوں نہ ہو پست ہمتی ہے۔ (درس خود اعتمادی)

وارستگی بہانۂ بیگانگی نہیں
اپنے سے کر نہ غیر سے وحشت ہی کیوں نہ ہو

وارستگی: یعنی آزادگی۔ دیوانگی۔ یعنی آزاد منش ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے

زسب سے بیگانہ ہو جاؤ۔ اگر بیگانہ ہونا ہے تو اپنے سے ہو، منشا یہ ہے کہ [illegible]
سے تو خوش کسی سے تعلق پہ دل ہے۔ (تعلق و بستگی با محبوب)

شتاب ہے فوتِ فرصتِ ہستی کا غم کوئی
عمرِ عزیز صرفِ عبادت ہی کیوں نہ ہو

یعنی ہر چند کہ عمر کو عبادت میں صرف کیا جائے زندگی کے گھٹنے کا غم ہی رہتا ہے کیونکہ خاطر خواہ عبادت کا موقع پھر بھی نہیں تھا۔ مطلب یہ ہے کہ مہلتِ حیات سے زیادہ قابل قدر کوئی شے نہیں۔ (قدرِ فرصتِ حیات)

اس فتنہ خو کے در سے اب اٹھتے نہیں اسد
اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو

یعنی خواہ قیامت آجائے اب درِ محبوب سے نہ اٹھیں گے۔ (عزمِ التزامِ کوچۂ محبوب)

(۱۲۰)

قفس میں ہوں گر اچھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو
مرا ہونا برا کیا ہے نوا سنجانِ گلشن کو

یعنی جو آزاد ہیں انھیں مجھ گرفتار کی فریاد سے اگر کچھ فائدہ نہیں تو نقصان بھی کیا ہے جب کہ میں قفس میں ہوں اور وہ چمن میں۔ پھر میرا ہونا انھیں کیوں ناگوار ہے۔ (شکوہ آزردگی بے سبب)

نہیں گر ہمدمی آساں نہ ہو یہ رشک کیا کم ہے
نہ دی ہوتی خدایا آرزوئے دوست دشمن کو

یعنی مانا کہ رقیب محبوب کا ہمدم نہیں ہو سکتا لیکن میرے لیے تو یہی رشک بہت ہے

کہ اس کے دل میں میرے محبوب کا خیال رہے۔ بقولِ اُنکے:

شرکتِ غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری غیر کی ہو کے رہے یا شبِ فرقت میری

(رشکِ رقیب)

نہ نکلا آنکھ سے تیری اک آنسو اس جراحت پر
کیا سینے میں جس نے خونچکاں مژگانِ سوزن کو

یعنی زخم سلنے کے وقت سوئی کی آنکھ سے بھی بوجہ رقت خون کے آنسو نکل پڑے لیکن افسوس کہ تجھے رحم نہ آیا۔ (شکوۂ بے رحمی) یا (التجائے کرم)

خدا شرمائے ہاتھوں کو کہ رکھتے ہیں کشاکش میں
کبھی میرے گریباں کو کبھی جاناں کے دامن کو

یعنی میرے ہاتھ کے دو ہی کام ہیں یا تو وحشت میں گریبان چاک کرنا اور یا اضطراب میں جاتے ہوئے محبوب کا دامن کھینچنا گویا وحشت یا اضطراب سے کبھی خالی نہیں۔

(بیان دوام اضطراب)

ابھی ہم قتل گہ کا دیکھنا آساں سمجھتے ہیں
نہیں دیکھا شناور جوئے خوں میں تیرے توسن کو

یعنی مقتل کا دیکھنا (یا عشق کی آزمائش میں پڑنا) جبھی تک آسان معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے اے محبوب تیرے گھوڑے کو دریائے خون میں تیرتے نہیں دیکھا۔ گویا تیری سفاکی ابھی آزمائش میں نہیں آئی۔ (مشکلاتِ عشق)

ہوا چرچا جو میرے پاؤں کی زنجیر بننے کا
کیا بیتاب کاں میں جنبشِ جوہر نے آہن کو

یعنی میری بے قراری کے پیش نظر جب میرے پاؤں کی زنجیر بننے کا چرچا ہوا تو کانوں کے ریشے میں بھی اضطراب پیدا ہو گیا کہ کسی بیقرار کی زنجیر پا بننے والا ہوں۔ لوہے کی تپیدن جو ہر آہن کی جنبش (دھمک) سے عیاں ہے۔ (مبالغۂ اضطراب)

خوشی کیا کھیت پر میرے اگر سو بار ابر آئے
سمجھتا ہے کہ ڈھونڈے ہے ابھی سے برق خرمن کو

یعنی میری مایوسی کا یہ عالم ہے کہ اگر کھیت پر بادل آتے ہیں تو کوئی امید بندھنے کی بجائے مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ بجلی ابھی سے میرا خرمن ڈھونڈھنے آگئی ہے۔ ایسے زمانے میں بادل سے کیا خاک خوشی ہو۔ (مایوسی و نامرادی)

وفاداری بشرط استواری عین ایماں ہے
مرے بتخانے میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

یعنی اصل ایمان وفا و استقامت ہے۔ خواہ کسی سے بھی ظاہر ہو۔ چنانچہ اگر برہمن بھی بت خانہ کا وفادار ہو کر وہیں پر جان دے دے تو میرے نزدیک وہ بھی ایسا مومن ہے کہ اس کو کعبہ میں دفن کیا جائے۔ (مدح وفا و استقامت)

شہادت تھی مری قسمت میں جو دی تھی یہ خو مجھ کو
جہاں تلوار کو دیکھا جھکا دیتا ہوں گردن کو

یعنی تلوار کو دیکھ کر گردن جھکا دینے کی عادت اس امر کا ثبوت ہے کہ قسمت میں شہید ہونا لکھا ہے۔ (ذوق سرفروشی) یا (عشق آمادگی فطری)

نہ لٹتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا
رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

یعنی رہزن کا شکریہ کہ سب کچھ لوٹ کر لے گیا اب۔ مجھے کسی چیز کا فکر نہیں رہتا و آرام سے سوتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ جاہ و مال کے ہنگامے میں کبھی سکون حاصل نہیں ہو سکتا۔ (دوری ترک) یا (مذمت متاع دنیا)

سخن کیا کہہ نہیں سکتے کہ جویا ہوں جواہر کے
جگر کیا ہم نہیں رکھتے کہ کھودیں جا کے معدن کو

(یعنی ہمارا سخن جوہر ہے اور ہمارا جگر معدن (فخر سخنوری و جگرداری)

مرے شاہِ سلیماں جاہ سے نسبت نہیں غالبؔ
فریدون و جم و کیخسرو و داراب و بہمن کو

یعنی میرے ممدوح کی شان شاہانِ عجم سے فائق تر ہے کہ وہ مرتبہ میں حضرت سلیمان جیسا ہے۔ (مدح سلطان)

(۱۲۱)

دھوتا ہوں میں جو پینے کو اس سیم تن کے پانو
رکھتا ہے ضد سے کھینچ کے باہر لگن کے پانو

یعنی محبوب ایسا ضدی ہے کہ اس کا پاؤں دھوکر پینا چاہتا ہوں تو لگن سے پاؤں کھینچ لیتا ہے۔ (عربدہ جوئی محبوب)

دی سادگی پہ جان، پڑوں کوہ کن کے پانو
ہیہات کیوں نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پانو

سادگی: یعنی خلوص اور مکر و فریب سے خالی ہونا   پانو پڑنا: توقیر بجا لانا۔

یعنی فرہاد کی جان یوں گئی کہ وہ پرخلوص تھا اور فریب ناآشنا تھا لہٰذا اس کی توقیر واجب

ہے یعنی بڑھاپا قریب تھا۔ وہ شخص جو شعر ... کے منہ کی جھوٹی چیز [illegible]
بات ... تو ... عشق ... ہیں کہ ... سے ... کی جھوٹی [illegible]

بھاگے تھے ہم بہت سو اسی کی سزا ہے یہ
ہو کر اسیر دابتے ہیں راہزن کے پانو

پاؤں دبانا: کنایہ ہے مطیع و خادم و فرمانبردار ہونے سے۔ [illegible]
نسبت۔ یعنی ہم جس قدر محبت سے بھاگے اتنا ہی اور محبت میں گرفتار ہیں۔ یہ شعر ایک
تشبیہ ہے عشق پر ... کی ... ابتدا ہے آگے عشق۔

مرہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دور دور
تن سے سوا فگار ہیں اس خستہ تن کے پانو

مطلب یہ ہے کہ تن سے زیادہ اذیت علاج کی جستجو میں ہے۔ (تعلیم ... رضا)

اللہ رے ذوقِ دشت نوردی کہ بعدِ مرگ
ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پانو

یعنی میرے ذوقِ صحرا نوردی کا یہ عالم ہے کہ مرنے کے بعد بھی میرے پاؤں خود بخود
ہلتے ہیں۔ (مبالغہ مذاقِ دشت نوردی)

ہے جوشِ گل بہار میں یاں تک کہ ہر طرف
اڑتے ہوئے الجھتے ہیں مرغِ چمن کے پانو

یعنی چمن میں پھولوں کی اتنی کثرت ہے کہ اڑتے وقت مرغانِ چمن کے پاؤں پھولوں
میں الجھ جاتے ہیں۔ (... بیانی و نزاکت جلوہ حسن)

شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں
دکھتے ہیں آج اس بتِ نازک بدن کے پانو

یعنی محبوب اتنا نازک ہے کہ پیروں سے چل کر آنے کا تو ذکر کیا اگر کسی کے خواب میں بھی آئے تو اس کے پاؤں میں چھالے پڑ جائیں۔ (مبالغۂ نزاکت محبوب)

غالب مرے کلام میں کیونکر مزہ نہ ہو
پیتا ہوں دھو کے خسروِ شیریں سخن کے پانو

خسروِ شیریں سخن: مراد بادشاہ۔ یعنی میرے کلام کی غذوبت نتیجہ ہے خسروِ شیریں سخن کے پاؤں دھو دھو کر پینے کا۔ (مدحِ سلطان)

(۱۲۲)

واں اس کو ہولِ دل ہے تو یاں میں ہوں شرمسار
یعنی یہ میری آہ کی تاثیر سے نہ ہو

یعنی مجھے یہ شرمندگی ہے کہ مبادا میری آہ کے اثر سے معشوق کو اختلاجِ قلب لاحق نہ ہو۔ (پاسداریٔ خاطرِ محبوب)

اپنے کو دیکھتا نہیں ذوقِ ستم تو دیکھ
آئینہ تاکہ دیدۂ نخچیر سے نہ ہو

تاکہ: بمعنی جب تک۔ یعنی کشتۂ نازِ معشوق کی پتھرائی ہوئی آنکھ کا آئینہ جب تک نہ ہو وہ اپنی صورت نہیں دیکھتا۔ مطلب یہ ہے کہ اس کی صورت صرف کشتگانِ حسن کی آنکھوں ہی میں دیکھی جا سکتی ہے۔ (مبالغۂ جاں ستانیٔ حسن)

(۱۲۳)

واں پہنچ کر جو غش آتا پئے ہم ہے ہم کو
صد رہ آہنگِ زمیں بوسِ قدم ہے ہم کو

یعنی کوچۂ محبوب میں پہنچ کر جو بار بار غش آرہا ہے یہ غش نہیں بلکہ سینکڑوں بار زمین قدم کو چومنے کے لیئے جھکتا ہوں کہ اس نے مجھے یہاں تک پہنچایا۔ (مقام کوچۂ محبوب) یا (فخر زیارت کوئے محبوب)

دل کو میں اور مجھے دل محوِ وفا رکھتا ہے
کس قدر ذوقِ گرفتاریٔ ہم ہے ہم کو

"دل" اور "میں" غالباً استعارہ ہے جذبات و خیالات سے۔ یعنی عشق کے باب میں میرے جذبات اور خیالات ایک دوسرے کے وفادار (مؤید) ہیں۔ یا "ہم" یعنی غم اور مراد غمِ عشق (غلو)

ضعف سے نقشِ پئے مور ہے، طوقِ گردن
تیرے کوچہ سے کہاں طاقتِ رم ہے ہم کو

طوقِ گردن ہونا یا گلے کا پھندا ہونا: یعنی ہلنے سے باز رکھنا۔ یعنی میری ناتوانی کا یہ عالم ہے کہ چیونٹی کا نقشِ قدم بھی طوقِ گردن کی طرح مانعِ حرکت یا گراں معلوم ہوتا ہے کہ اس سے باہر نہیں نکل سکتا۔ پس جب کہ یہ حال ہے تو تیرے کوچہ سے بھاگ کر کہاں جا سکتا ہوں۔ (مبالغۂ ضعف و التزام کوچۂ محبوب)

جان کر کیجے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو
یہ نگاہِ غلط انداز تو سم ہے ہم کو

نگاہِ غلط انداز: وہ نظر جو غلطی سے پڑ جائے۔ تغافل: بمعنی اظہارِ بے نیازی۔ یعنی اگر یہ معلوم ہو کہ جان کر بے التفاتی کا اظہار کیا گیا ہے تو پھر بھی التفات کی امید رہتی ہے۔ کیونکہ دانستہ بے التفاتی بھی ایک طرح کا التفات ہے۔ لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ یہ

نظر پڑی تھی وہ غلطی سے تھی تو زخم یا سامانِ موت ہے۔ (تلخیٔ احساسِ بے التفاتیٔ محبوب)

رشکِ ہم طرحی و دردِ اثرِ بانگِ حزیں
نالۂ مرغِ سحر تیغِ دو دم ہے ہم کو

یعنی مرغِ سحر کی آواز مجھ پر دو دھاری تلوار کا اثر رکھتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ دو طرح سے جان لیتا ہے۔ ایک تو اس لیے کہ مجھے رشک آتا ہے کہ اس کی آواز میری آواز کی طرح درد بھری ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں فی الواقع درد ہے جس سے میں متاثر ہوتا ہوں۔ (دردمندیٔ دلِ حزیں)

سر اڑانے کے جو وعدے کو مکرر چاہا
ہنس کے بولے کہ ترے سر کی قسم ہے ہم کو

یعنی جب میں نے کہا کہ اچھا پھر وعدہ کرو کہ میرا سر ضرور اڑا دو گے تو محبوب نے مسکرا کر کہا کہ "مجھ کو تیرے سر کی قسم ہے" یعنی ضرور اڑاؤں گا۔ اب یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ جس سر کو کاٹنے کا ارادہ ہے اسی سر کی قسم کھائی جا رہی ہے۔ اسی سے اعتبارِ قسم بھی معلوم ہوا۔ لیکن ظاہر ہے کہ سر کاٹنے کے مطالبہ پر محبوب کا مسکرانا اور اسی سر کی قسم کھانا کیسی شرارت آمیز شوخی ہے۔ (بیانِ ستم ظریفیٔ محبوب)

دل کے خوں کرنے کی کیا وجہ ولیکن ناچار
پاسِ بے رونقیٔ دیدہ اہم ہے ہم کو

یعنی ہم دل کا خون کرنے پر اس لیے آمادہ ہوئے کہ ہمیں اپنی آنکھوں کی بے رونقی کا اندیشہ تھا۔ گویا آنکھ کی رونق اشکِ خونیں سے ہے۔ (ذوقِ خوں فشانی)

تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو
ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو

یعنی تم میری خاموشی کو شکایت سمجھتے ہو اور میں تمہاری غفلت شعاری کو ستم سمجھتا ہوں اگرچہ بظاہر نہ وہ فغاں ہے نہ یہ ستم لیکن تمہاری نازک مزاجی اور میری عاجزی کے پیشِ نظر فی الواقع ایسا ہی ہے۔ (معاملۂ ناز و نیاز)

لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھلتا یعنی
ہوسِ سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہم کو

یعنی سیر و تماشا کا شوق تو ہمیں تھا نہیں پھر یہ ہم لکھنؤ کیوں آگئے۔ یہ اشارہ ہے کسی شخص کے جذبۂ پنہاں کی طرف۔ (کششِ احباب)

مقطعِ سلسلۂ شوق نہیں ہے یہ شہر
عزمِ سیرِ نجف و طوفِ حرم ہے ہم کو

یہ شعر تفریع ہے شعر بالا کی یعنی در حقیقت محض لکھنؤ آکر ہمارا سلسلۂ شوق منقطع نہیں ہوگا کیونکہ نجفِ اشرف کی زیارت اور طوافِ حرم کا بھی ارادہ ہے۔ (حسرتِ زیارات)

لیے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالبؔ
جادۂ رہ کششِ کافِ کرم ہے ہم کو

یہ شعر بھی شعر بالا پر متفرع ہے۔ یعنی میں جو غیر شعوری طور پر محوِ سفر ہوں تو یقیناً کوئی توقعِ پنہاں لیے جا رہی ہے اور میں کسی کے کرم کا امیدوار ہوں۔ گویا کششِ کافِ کرم میرا راستہ بن گئی ہے۔ (جذبۂ باطنِ مطلوب)

(۱۲۴)

تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو
مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

ہر چند کہ عاشق اپنے محبوب کا تعلق غیر سے گوارا نہیں کرتا تاہم وہ جو یوں کہتا ہے کہ غیروں کے ساتھ مجھے بھی پوچھ لیا کرو تو یہ ایک طنز کے طور پر ہے اور در پردہ یہ بھی التجائے ترکِ تعلقِ رقیب ہے۔ بقولے :

کون کہتا ہے نہ غیروں پہ تم امداد کرو ہم فراموش شدوں کو بھی کبھی یاد کرو [illegible]

(طنز تعلق بارقیب و التجائے التفات)

بچتے نہیں مواخذۂ روزِ حشر سے
قاتل اگر رقیب ہے تم تو گواہ ہو

گواہ : بمعنی موجود الوقت۔ یعنی تم سے یہ پوچھا جائے گا کہ اگر رقیب نے قتل کیا تو تم جو وہاں موجود تھے کیوں نہ مانع آئے۔ (شکوۂ رقیب نوازی)

کیا وہ بھی بے گنہ کش و حق ناشناس ہیں
مانا کہ تم بشر نہیں خورشید و ماہ ہو

یعنی چاند سورج تو ایسے ستم شعار نہیں پھر تم کیسے چاند یا سورج ہو۔ منشائے استفہام شکوۂ معشوق ہے۔ (شکوۂ جور و ستم معشوق)

ابھرا ہوا نقاب میں ہے ان کے ایک تار
مرتا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو

یعنی نقاب کا ایک تار جو ابھرا ہوا ہے اس میں کوئی شے ضرور الجھی ہوگی۔ اندیشہ ہے کہ الجھنے والی چیز کسی کی نگاہ نہ ہو۔ (شاعر کو نگاہ۔ تو کیا نگاہ کے مشابہ بھی کوئی چیز گوارا نہیں (تشکیک بیجا)

جب میکدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید
مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو

یعنی میکدہ کی کیا بات ہے کہ یہ جگہ بنی ہی مے نوشی کے لیے تھی۔ اگر وہ چھٹ گیا تو اب خواہ کیسی ہی نا موزوں جگہ ہو مثلاً مسجد وغیرہ سب برابر ہے کہیں بھی پی لو۔ ناگاہ کہ کنج خلوت صاجداں مکانی نیست۔ (سعدی) (ذوقِ مے نوشی)

سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست
لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو

شاعر یہ نہیں کہنا چاہتا کہ بہشت کی نعمتیں بے حقیقت ہیں لیکن اس کے باوجود یہ دعا کہ خدا کرے وہ محبوب کی جلوہ گاہ ہو۔ اشارۃً یہ جتانا ہے کہ اگر یہ نہ ہو تو وہ سب ہیچ ہے۔ (مقامِ جلوۂ محبوب)

غالبؔ بھی گر نہ ہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں
دنیا ہو یارب اور مرا بادشاہ ہو

یعنی دعا ہے کہ بادشاہ غالب کے بعد بھی اسی طرح دنیا کا حکمران رہے کہ غالب کے نہ ہونے سے شانِ تجملِ شاہ میں کوئی حرج نہ ہوگا۔ پہلا مصرعہ وجودِ شاعر کی اہمیت پر دال ہے۔ یعنی ہر چند کہ غالب کی اہمیت اپنی جگہ پر ہے پھر بھی وہ نہ ہو تو مضائقہ نہیں۔
(دعائے دوامِ دولت و اقبالِ سلطان)

(۱۲۵)

گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیونکر ہو
کہے سے کچھ نہ ہوا پھر کہو تو کیونکر ہو

یعنی قطع نظر اس سے کہ محبوب سے عرضِ حال کا موقع کس طرح ملے۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ موقع ملا اور عرضِ حال کیا اور پھر اس کا کچھ اثر نہ ہوا تو کیا ہوگا؟ مطلب یہ ہے

کہ اس کا مہربان ہونا کسی طور ممکن نہیں۔ (درماندگیٔ التجا)

ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہے نام وصال
کہ گر نہ ہو تو کہاں جائیں ہو تو کیونکر ہو

یعنی وصال کا تو امکان ہی نہیں، ہمارے نزدیک بس یہی وصال ہے کہ اس کے استحالہ و امکان کے متعلق غور و فکر کرتے رہیں۔ (استحالۂ وصال محبوب)

ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجے
حیا ہے اور یہی گومگو تو کیونکر ہو

یعنی ہم پاسِ ادب سے عرضِ مدعا نہیں کرتے اور وہ شرم سے ہچکچاتے ہیں۔ ایسی صورت میں حصولِ مقصد معلوم۔ (دشواریٔ حصولِ تمنا)

تمھیں کہو کہ گزارہ صنم پرستوں کا
بتوں کی ہو اگر ایسی ہی خُو تو کیونکر ہو

یعنی دوسرے معشوق بھی اگر تمھارے ہی جیسے ہو جائیں تو عاشقوں کا کیا حال ہو؟

(شکوۂ بے نیازیٔ محبوب)

اُلجھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ
جو تم سے شہر میں ہوں ایک دو تو کیونکر ہو

یعنی تم کہ آئینہ میں بھی اپنا مدِ مقابل نہیں دیکھ سکتے۔ اگر شہر میں فی الواقع تم جیسا کوئی دوسرا ہو تو نہ معلوم کیا قیامت برپا ہو۔ مدعا یہ جتانا ہے کہ کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔ (یکتائی محبوب)

جسے نصیب ہو روزِ سیاہ میرا سا
وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو

یعنی سیہ بختی کے باعث میرا دن بھی اس قدر تاریک ہے کہ اس کے مقابلہ میں رات باوجود اس قدر سیاہ ہونے کے دن معلوم ہوتی ہے یا اپنی سیاہ روزی کے باعث رات کو دن ہی تصور کرتا ہوں۔ (مبالغۂ سیہ بختی)

ہمیں پھر ان سے اُمید اور انھیں ہماری قدر
ہماری بات ہی پوچھیں نہ وہ تو کیونکر ہو

یعنی جو بات تک نہ پوچھے اس سے اُمید التفات یا اسے ہماری قدر کیا ہو سکتی ہے؟ (شکوۂ ناقدریٔ خویشتن)

غلط نہ تھا ہمیں خط پر گماں تسلی کا
نہ مانے دیدۂ دیدار جو تو کیونکر ہو

یعنی نامۂ محبوب سے تسلی پانا کوئی خلافِ توقع امر نہ تھا لیکن آنکھیں جو شائقِ دید ہیں وہ مطمئن نہ ہوں تو کیا کیا جائے۔ (حسرتِ دیدار)

بتاؤ اس مژہ کو دیکھ کر کہ مجھ کو قرار
یہ نیش ہو رگِ جاں میں فرو تو کیونکر ہو

یعنی ایسی مژگان جگر دوز کی محبت میں قرار کس طرح آسکتا ہے۔ (جگر دوزیٔ مژگان)

مجھے جنوں نہیں غالبؔ ولے بقولِ حضور
فراقِ یار میں تسکین ہو تو کیونکر ہو

حضور: مراد بہادر شاہ   مصرعِ ثانی غالباً انھیں کا ہے۔ یعنی یہ حالت جو بظاہر جنون ہے دراصل فراقِ محبوب میں اضطرابی کیفیت ہے جس کا کچھ علاج نہیں۔ (بیان اضطرابِ حال)

(۱۳۶)

کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنجِ فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

یعنی عاشق دلدادہ کو فریاد زیبا نہیں کیونکہ جب دل ہی نہ ہو تو حسرت فریاد کہاں۔ (تلقین تحمل)

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
سبک سر بن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

یعنی محبوب ترکِ ستم نہیں کرتا تو ہمیں بھی ضبط و تحمل کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے کیونکہ اس سے اس اشکل کا سبب پوچھنا بھی تقاضائے رضائے محبوب کے خلاف اقدام موجب خفت ہے۔ (تلقین صبر برشدائدِ عشق)

کیا غمخوار نے رسوا لگے آگ اس محبت کو
نہ لائے تاب جو غم کی وہ میرا رازداں کیوں ہو

یعنی میرے ہمدرد نے بنا بر محبت و تعلق میرے غم و ملال کو دیکھ کر اس قدر جزع و فزع کیا کہ دوسروں کو بھی میرے غم پنہاں کا حال معلوم ہو گیا۔ گویا اس کی ہمدردی نے مجھے رسوا کر دیا۔ اگر اس میں تاب تحمل غم نہ تھی تو میرا رازداں بننے کی کوشش ہی نہ کرتا۔ (مبالغۂ غم و اضطراب)

وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو

یعنی اگر غم عشق کا علاج سر پھوڑنے کے سوا ہے ہی نہیں تو پھر اس کے لیئے وفاداری محبت کا سہارا لینے اور محبوب کے ہی سنگِ آستانہ پر سر پھوڑنے کی کیا ضرورت ہے مطلب

جان دینے سے بے کہیں درِ مسعود۔ بظاہر شعر دفعاتے بیزاری کا اظہار ہے لیکن پیرایۂ سوال معنی خیز ہے کہ آخر کیا بات ہے کہ تیرِ مسعود کے سوا اور کوئی جگہ سر پھوڑنے کی نہیں۔

(بیزاری از زیست و ناگزیری غمِ الفت)

قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

شاعر بزبانِ طائرِ مقید تلخ حقائق کو شبہات کے پردے میں چھپا دینا چاہتا ہے چنانچہ وہ اپنے ہمدم طائرِ آزاد سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تو چمن میں بجلی گرنے کے واقعہ کو بیان کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کر۔ کیا ضروری ہے کہ وہ بجلی میرے ہی آشیانہ پر گری ہو۔ گویا طائرِ مقید کے تحت الشعور میں یہ اندیشہ موجود ہے لیکن اس کے لیے یہ حادثہ اس قدر اندوہناک ہے کہ اس کا تصور بھی دل سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ (فریبِ خویشتن)

یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں، پر یہ بتلاؤ
کہ جب دل میں تمھیں تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو

پہلا مصرعہ استفہامِ اقراری ہے۔ یعنی ایسے کا جو ہر وقت دل میں موجود ہے آنکھوں سے اوجھل ہونا کیا فائدہ۔ (التجائے دیدار)

غلط ہے جذبِ دل کا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے
نہ کھینچو گر تم اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو

یعنی میرے جذبِ دل کے اثر سے تم جو ایک کشمکش میں مبتلا ہو اس میں قصور خود تمہارا ہے کہ خود کو کھینچتے ہو اگر خود کو نہ کھینچو اور میرے جذبِ دل کے تحت کھنچ کر چلے آؤ تو یہ کھینچا تانی ہی کیوں پیدا ہو۔ (التجائے قدوم)

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جس کے اس کا دشمن آسماں کیوں ہو

یعنی تمھارے عشق میں مبتلا ہونا ہی ایک بڑی مصیبت ہے۔ گویا تمھاری دوستی کے بعد آسمان کی دشمنی کی ضرورت نہیں۔ بقول،

آن را کہ توئی یار چہ بے یار کسی است   وان را کہ توئی دوست چہ دشمن کام است
(دفع انجاح عشق)   (جمال الدین اصفہانی)

یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں
عدو کے ہو لیے جب تم تو میرا امتحاں کیوں ہو

یعنی امتحان تو اس لیے تھا کہ اگر امتحان میں پورا اترا تو تم میرے ہو جاؤ گے۔ لیکن تم پہلے ہی غیر کے ہو گئے تو اب میرا امتحان کیوں ہو؟ مطلب یہ ہے کہ غیروں سے تعلق میرے ستانے کے لیے ہے امتحانِ وفا کے لیے نہیں۔ (طعن تعلق با رقیب)

کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی
بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو

معشوق کا یہ کہنا کہ غیر سے ملنے میں رسوائی کیا ہے ایک ایسی بات ہے کہ وہ خود اس کا قائل نہیں۔ یعنی غیر سے ملنے میں اگر رسوائی نہیں تو خود شاعر سے نہ ملنے کے لیے یہی بہانہ کیوں کیا جاتا ہے — تکرارِ قول کا مطالبہ معشوق کی اسی کمزوری کی نشان دہی کرتا ہے۔ (طعن تعلق اغیار و بہانہ جوئی معشوق)

نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالب
ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پہ مہرباں کیوں ہو

یعنی طعنۂ بے مہری سے معشوق کا مہربان ہو جانا تو ممکن ہے لیکن تجھ پہ مہربان ہونا کیا ضرور ہے۔ علاوہ اس کے طعنہ بری بات کے ارتکاب پر ہوتا ہے اور معشوق بے مہری کو بری بات ہی نہیں سمجھتا تو اس طعنہ کا کیا اثر ہوگا۔ (شکوۂ بے مہری)

(۱۲۷)

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو
بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے
کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو
پڑیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیمار دار
اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

یہ غزل ایک مسلسل نظم ہے جس میں ابنائے زمانہ سے الگ تھلگ رہنے اور ہنگامۂ دنیا سے کنارہ کشی کی آرزو ظاہر کی گئی ہے۔ (بیزاری ابنائے زمانہ)

ہ

(۱۲۸)

از مہر تا بہ ذرہ دل و دل ہے آئینہ
طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ

دل کنایہ از جلوہ گاہ جس کو آئینہ سے تعبیر کیا ہے۔ طوطی استعارہ از شاعر یا سخنور یعنی دنیا کی ہر چیز جلوہ گاہِ حقیقت ہے اور سخنور کی مثال اس دنیا میں ایسی ہے جیسے

طوطی کے سامنے ہر طرف آئینہ ہو کہ جدھر دیکھتا ہے سامانِ کشش موجود ہے۔ اس حیرت کدہ
میں وہ حیران ہے کہ کیا سمجھے اور کیا کہے۔ (کثرتِ جلوہ)

(۱۲۹)

ہے سبزہ زار ہر در و دیوارِ غم کدہ
جس کی بہار یہ ہو پھر اس کی خزاں نہ پوچھ

یعنی ہماری بہار یہ ہے کہ گھر کے در و دیوار پر گھاس اگ رہی ہے گویا وہ کیفیت ہے جو خانہ ویرانی کے نتائج میں سے ہے۔ اب اندازہ لگاؤ کہ جس کو ہم بہار کہتے ہیں وہ مؤید ویرانی ہے تو خزاں کا کیا عالم ہوگا۔ (مبالغۂ خانہ ویرانی)

ناچار بے کسی کی بھی حسرت اٹھائیے
دشواریٔ رہ و ستمِ ہمرہاں نہ پوچھ

یعنی دشواریٔ راہ کے ساتھ ہمراہیوں نے جو ناقابلِ بیان ستم ڈھایا ہے اس کے پیشِ نظر تو مجھے اب یہی حسرت ہے کہ بے کسی ہی رہے۔ (ستم ہائے ہمرہاں شکوۂ ابنائے زماں)

ی

(۱۳۰)

صد جلوہ روبرو ہے جو مژگاں اٹھائیے
طاقت کہاں کہ دید کا ساماں اٹھائیے

دید کا ساماں: کنایہ از مژگانِ چشم۔ یعنی پلک اٹھاتے ہی جلوۂ محبوب سامنے ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ پلک اٹھانے کی بھی تاب نہیں۔ (دشواریٔ تابِ جلوہ)

بے سنگ پر براتِ معاشِ جنوں کا عشق
یعنی ہنوز منتِ طفلاں اٹھائیے

براتِ معاش: یعنی گزارا۔ یعنی اہلِ جنوں کا گزارا ان پتھروں پر ہے جو دیوانوں پر لڑکے پھینکتے ہیں۔ لہٰذا اس کے لیے لڑکوں کا ہی زیرِ بارِ احسان ہونا پڑے گا۔ (کوائفِ مصائبِ عشق)

دیوار بارِ منتِ مزدور سے ہے خم
اے خانماں خراب نہ احسان اٹھائیے

یعنی خرابۂ زندگی کی تعمیر کے لیے کسی کا احسان نہ اٹھانا چاہیئے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دیوار مزدور کے بارِ احسان سے جھکی جاتی ہے۔ گویا تعمیر کے ساتھ تخریب کے آثار عیاں ہیں۔ پس ایسی تعمیر کیا جس کا انجام تخریب ہے۔ (رنج انہماک عیش دیکھا)

یا میرے زخمِ رشک کو رسوا نہ کیجیے
یا پردۂ تبسمِ پنہاں اٹھائیے

پردہ اٹھانا: یعنی سبب کا ظاہر کرنا۔ یعنی یا تو سبب معلوم ہو کہ یہ چھپی مسکراہٹ جو بالعموم حقارت آمیز ہوتی ہے کیوں ہے؟ اگر یہ راز نہیں بتایا جاتا تو میرے زخمِ رشک کو کیوں بدنام کیا جاتا ہے کہ یہ رشک بے سبب ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ معشوق کے در پردہ مسکرانے سے مجھے رشک ہوتا ہے اور زخم پر نمک پاشی کی جاتی ہے۔ (طرزِ تعلق با رقیب)

(۱۳۱)

مسجد کے زیرِ سایہ خرابات چاہیے
بھوں پاس آنکھ قبلۂ حاجات چاہیے

یہ ایک شوخی آمیز رندانہ طنز ہے کہ محرابِ ابرو کے نیچے چشمِ مست کا ہونا جو اپنی جنبش سے سب کی مراد پوری کرے یا سب کو مست کر دے ایسا ہی ہے جیسے مسجد کے زیرِ سایہ میخانہ۔ (بیانِ مستی انگیزیٔ نگاہ)

عاشق ہوئے ہیں آپ بھی ایک اور شخص پر
آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیئے

یعنی اب کہ کسی سے عشق ہو گیا ہے آپ کو بھی، اسی طرح ستم سہنے پڑیں گے جیسا کہ عشاق سہتے ہیں۔ (مکافاتِ عمل یا طلبِ تعلقِ رقیب)

دے داد اے فلک دلِ حسرت پرست کی
ہاں کچھ نہ کچھ تلافیٔ مافات چاہیئے

یعنی اے آسمان اگر کوئی حسرت نہیں نکلتی تو کم از کم اس کی داد تو ملنی چاہیئے کہ میرے دل میں کتنی حسرتیں ہیں جن کی پرستش کرتا ہوں یا دل سے قدر کرتا ہوں۔ (بیانِ کثرتِ آمال)

سیکھے ہیں مہ رخوں کے لیے ہم مصوری
تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہیئے

یعنی ہم نے مصوری اس لیے سیکھی ہے کہ حسینوں سے ملاقات کی راہ نکلے۔ (ذوقِ نظر)

مے سے غرض نشاط ہے کس رو سیاہ کو
اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے

یعنی شراب اس لیے پیتا ہوں کہ بیخود رہوں اس لیے نہیں کہ نشاط حاصل ہو۔ بقول:

مے خوردنِ من نہ از برائے طرب است نے بہرِ فساد و ترکِ دین و ادب است
خواہم کہ بہ بے خودے بر آرم نفسے مے خوردن و مستیم ازیں سبب است

(خاقان بے خودکا)

ہے رنگِ لالہ و گل و نسریں جدا جدا
ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے

یعنی پھولوں کے رنگ مختلف اس لیے ہیں کہ ہر رنگ میں (ہر طرح سے) بہار ثابت ہو۔ سخت غلطی ہوگی اگر مختلف رنگوں کو دیکھ کر ان کے مختلف اسباب کا تصور کیا جائے۔ (ظہور وحدت در کثرت)

سر پائے خُم پہ چاہیے ہنگامِ بیخودی
رُو سوئے قبلہ وقتِ مناجات چاہیے
یعنی بحسبِ گردشِ پیمانۂ صفات
عارف ہمیشہ مستِ مئے ذات چاہیے

یہ دو اشعار قطعہ بند ہیں۔ پہلے شعر میں مصرعِ ثانی تمثیل ہے مصرعِ اولیٰ کی۔ یعنی مست و بے خود کو اپنا سر خُمِ شراب کے قدموں میں جھکانا چاہیے کہ یہ مستی وہی بخشتا ہے۔ چنانچہ مثلاً حاجت مانگنے کے وقت حاجت روا کی جانب منہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ دوسرا شعر اس تمثیل کا مدعا ہے کہ اہلِ معرفت جو پیمانۂ صفات میں بار بار معرفتِ ذاتِ حق کی شراب پیتا ہے وہ ہمیشہ پیمانۂ صفات سے قطع نظر مئے ذات سے ہی مست و بیخود رہتا ہے گویا پیمانۂ صفات اسے ذاتِ حق سے غافل نہیں کرتا۔ (مشاہدۂ وحدت در کثرت)

نشو و نما ہے اصل سے غالبؔ فروع کو
خاموشی ہی سے نکلے ہے جو بات چاہیے

مصرعِ ثانی تمثیل ہے مصرعِ اولیٰ کی۔ یعنی "اصل" مبدا ہے "فرع" کا۔ جس طرح "خاموشی" مبدا ہے "سخن" کا کہ اس کی ابتدا خاموشی ہے۔ مدعائے تمثیل یہ ہے کہ تمام کائنات کی

اصل ذاتِ واحد ہے اور یہ ایک ایسی بات ہے جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اس باب میں خاموش رہنا ہی بیان کر دینا ہے۔ (ہمہ وحدت الوجود)

(۱۲۲)

بساطِ عجز میں تھا ایک دل یک قطرہ خوں وہ بھی
سو رہتا ہے بانداز چکیدن سرنگوں وہ بھی۔

بساط: بمعنی اثاثہ۔ یعنی مجھ عاجز کا کل اثاثہ عجز ایک دل کے کہ صرف یک قطرہ خون ہے اور کیا تھا۔ سو یہ قطرہ خون بھی بس ایسا ہے کہ گویا اب گرا کہ گرا۔ بقول:

دریاب کہ ماندہ است ز دل قطرہ خونے — آں قطرہ ہم از دست تو لبریز چکیدن

(تباہ حالی عاشق) — (نعمت خاں عالی)

رہے اس شوخ سے آزردہ ہم چندے تکلف سے
تکلف بر طرف تھا ایک اندازِ جنوں وہ بھی

تکلف بر طرف: بمعنی در حقیقت۔ یعنی در حقیقت یہ بھی ایک دیوانہ پن ہی تھا کہ ہم بہ تکلف محبوب سے روٹھے رہے کہ شاید مائل بہ التفات ہو۔ لیکن اس طرح التفات کی توقع پاگل پن ثابت ہوئی۔ (شکوہ بے التفاتی)

خیالِ مرگ کب تسکیں دلِ آزردہ کو بخشے
مرے دامِ تمنا میں ہے اک صیدِ زبوں وہ بھی

صیدِ زبوں: بمعنی ناکارہ شکار جو شکاری کے کام کا نہ ہو۔ یعنی خیال تھا کہ کاش موت آ جائے تو دلِ آزردہ کو تسکین ہو۔ لیکن یہ تمنائے موت بھی منجملہ اور تمناؤں کے ایک بے کار سی تمنا ہے کہ وہ پوری ہوتی معلوم نہیں ہوتی۔ (دوامِ اضطراب)

نہ کرتا کاش نالہ مجھ کو کیا معلوم تھا ہمدم
کہ ہوگا باعثِ افزائشِ دردِ دروں وہ بھی

یعنی نالہ و زاری سے سکون کی بجائے اور بھی دردِ دل میں اضافہ ہو گیا۔ (دوامِ اضطراب)

نہ اتنا بُرّشِ تیغِ جفا پر ناز فرماؤ
مرے دریائے بے تابی میں ہے اک موجِ خوں وہ بھی

یعنی میری بے تابی تمھاری جفا کی مرہونِ منت نہیں ہے۔ تیغِ جفا کی تیزی و تندی بھی میرے بیتابی و اضطراب کے دریا کی صرف ایک موج ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرا اضطراب جفا پر موقوف نہیں۔ یہ نہ ہو تب بھی اضطراب رہے گا۔ اس سے تو صرف اتنا اضافہ ہوا جیسے کہ دریا میں ایک موج۔ (مبالغۂ اضطراب)

مئے عشرت کی خواہش ساقیٔ گردوں سے کیا کیجے
لیے بیٹھا ہے اک دو چار جامِ واژگوں وہ بھی

یعنی آسمان کسی کو شراب عیش کیا دے سکتا ہے اس کے پاس خود چند پیالے ہیں وہ بھی اوندھے (خالی) پیالوں سے مراد آسمان خود یا اس کے چاند، سورج اور سیارے۔ بقول:

آسماں جام نگوں داں کز مے عشرت تہی است
جستن مے از تہی ساغر نشانِ ابلہی است

(نایابیٔ عیش)

مرے دل میں ہے غالب شوقِ وصل و شکوۂ ہجراں
خدا وہ دن کرے جا اس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی

یعنی یہ دل چاہتا ہے کہ ایک دن محبوب کے سامنے اشتیاقِ وصل بھی بیان کروں اور جدائی کی شکایت بھی۔ (حسرتِ عرضِ حال)

(۱۲۲)

ہے بزمِ بتاں میں سخن آزردہ لبوں سے
تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامد طلبوں سے

سخن لبوں سے آزردہ ہے: یعنی لب کچھ بولنا نہیں چاہتے۔ یعنی خوشامد پسندوں نے اظہارِ حق سے روک دیا اور اس قدر تنگ کیا ہے کہ اب میں معشوقوں کی بزم میں بھی کلماتِ تحسین ادا نہیں کرنا چاہتا۔ (مذمت خوشامد)

ہے دورِ قدح وجہِ پریشانیٔ صہبا
اک بار لگا دو خمِ مے میرے لبوں سے

یعنی شراب کو یہ زحمت کیوں دو کہ پیالہ میں تھوڑی تھوڑی نکلے اور باری باری سے میخوار کو ملے۔ کیوں نہ مٹکا ہی سیدھے منہ سے لگا دیا جائے۔ (مذاق مے نوشی)

رندانِ درِ میکدہ گستاخ ہیں زاہد
زنہار نہ ہونا طرف ان بے ادبوں سے

طرف ہونا: یعنی آمادۂ مخالفت ہونا۔ یعنی اے زاہد رند گستاخ ہیں ان سے مقابلہ نہ کرنا۔ ان کی پاسداری کا اظہار در پردہ رندوں کی برتری کا اظہار ہے اور مدعا یہ ہے کہ رندوں کے مقابلہ میں زاہد آیا تو اس کی بے حرمتی ناگزیر ہے۔ (آزاد منشیٔ رنداں)

بیدادِ وفا دیکھ کہ جاتی رہی آخر
ہر چند میری جان کو تھا ربط لبوں سے

یعنی تیری وفاداری نے یہ غضب کیا کہ میری جان کو آخر لبوں سے بھی جہاں پر وہ آ لگی ہوئی تھی جدا کر دیا۔ یا یہ کہ جان بلب تو تھا ہی اب جان جاتی ہی رہی۔ (جاں گدازیٔ وفا شعاری)

۱۴۴

تا ہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا
سن لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے

یعنی محبوب کی ہوشیاری دیکھو کہ ہمارا ذکر تو کرتا نہیں لیکن کوئی اور کرے تو سن لیتا ہے تاکہ ہمیں شکوے کی جگہ نہ رہے کہ وہ میرا ذکر سننا پسند نہیں کرتا۔ (عیاری معشوق)

غالب ترا احوال سنا دیں گے ہم ان کو
وہ سن کے بلا لیں یہ اجارا نہیں کرتے

یعنی یقین نہیں کہ خستہ حالی عاشق کو سن کر محبوب اسے اپنے پاس بلا لے۔ ویسے رحم و [illegible] محبوب

(۱۴۵)

گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اسے غارت کرتا
وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرت تعمیر سو ہے

یعنی گھر میں پہلے ہی کچھ نہیں تھا جسے غم عشق برباد کرتا۔ ایک تعمیر کی حسرت تھی سو اب بھی ہے یعنی ازل سے خانہ ویران ہوں۔ (خانہ ویرانی ازلی)

۱۴۶

غم دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اٹھانے کی
فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی

تقریب: بمعنی واسطہ۔ ذریعہ۔ یعنی اول تو غم دنیا سے سر اٹھانے کی فرصت نہیں اگر کچھ فرصت ملی اور سر اٹھایا تو آسمان پر نظر پڑی جسے دیکھتے ہی تیری یاد آ جاتی ہے کہ تو

بھی ایسا ہی ستمگر ہے۔ اور تیری یاد بجائے خود ایک غم ہے گویا غمِ دنیا سے سر اٹھایا تو تیرا غم موجود ہے۔ (جاودانیٔ غم)

کھلے گا کس طرح مضموں مرے مکتوب کا یارب
قسم کھائی ہے اس کافر نے کاغذ کے جلانے کی

قسم کھانا دو مفہوم رکھتا ہے۔ کسی کام کے کرنے کا عہد کرنا یا کسی کام کے نہ کرنے کا عہد کرنا۔ بصورتِ اوّل یہ معنی ہوں گے کہ اس کو میرے مکاتیبِ محبت سے اتنی نفرت ہے کہ اس نے ہر کاغذ کو جلا دینے کی قسم کھائی ہے۔ اب میرے خط کا مضمون کیونکر کھلے گا۔ بصورتِ ثانی یہ مطلب ہوگا کہ مکتوب میں میری سوختہ سامانی کی جو کیفیت مذکور ہے اس کا نقشہ کاغذ کو جلا کر ہی پیش کیا جا سکتا تھا لیکن محبوب نے قسم کھائی ہے کہ کاغذ نہ جلائے گا تو عرضِ مدعا کیوں کر ہو۔ (دشواریٔ عرضِ حال)

لپٹنا پرنیاں میں شعلۂ آتش کا آساں ہے
ولے مشکل ہے حکمت دل میں سوزِ غم چھپانے کی

یعنی آگ کے شعلوں کا پرنیاں میں لپیٹ لینا تقابلتاً آسان ہے لیکن سوزِ غم کو دل میں چھپا لینے کی تدبیر مشکل ہے۔ بقول شیخ:

دلے کہ عاشق و صابر بود مگر سنگ است   ز عشق تا بصبوری ہزار فرسنگ است (سعدیؒ)

(دشواریٔ اخفائے عشق)

انھیں منظور اپنے زخمیوں کا دیکھ آنا تھا
اٹھے تھے سیرِ گل کو دیکھنے شوخی بہانے کی

یعنی اپنے زخمیوں (عشاق) کو دیکھنے کا ارادہ تھا لیکن اٹھے یہ کہہ کر کہ سیرِ گل کو جاتا ہو

یہ شوخی قابلِ دید ہے کہ گویا زخمی دلوں کو دیکھنا اور پھولوں کی سیر ان کے نزدیک ایک ہی بات ہے۔ بقولے:

جلوے یہ تجلّی آئینۂ بے مہریِ قاتل کہ اندازِ بخوں غلطیدنِ بسمل پسند آیا

(بے رخیٔ معشوق)

ہماری سادگی تھی التفاتِ ناز پہ مرنا
ترا آنا نہ تھا ظالم مگر تمہید جانے کی

یعنی تیرے آنے کو ہم نے تیری مہربانی سمجھا اور اس التفاتِ ناز پر مرتے تھے حالانکہ تو صرف اس لیے آیا تھا کہ آ کر چلا جائے اور ہم کو مبتلائے رنجوریِ فرقت کر جائے۔ (التفاتِ ناز آفریں)

لکدکوبِ حوادث کا تحمل کر نہیں سکتی
مری طاقت کہ ضامن تھی بتوں کے ناز اٹھانے کی

یعنی میرے ضعف کا یہ عالم ہے کہ حوادثِ عالم کی ٹھوکریں بھی نہیں جھیل سکتا حالانکہ میں معشوقوں کے ناز اٹھانے کی طاقت رکھتا تھا۔ گو ناز برداریِ محبوباں اتنا مشکل ہے کہ حوادثِ عالم اس کے مقابلے میں کچھ نہیں۔ (سختیِ تحملِ نازِ محبوباں)

کہوں کیا خوبیِ اوضاعِ ابنائے زماں غالب
بدی کی اس نے جس سے ہم نے کی تھی بارہا نیکی

خوبی طنزاً بمعنی برائی۔ یعنی اہلِ دنیا کے ڈھنگ کیسے برے ہیں کہ جس سے نیکیاں کیں اس نے ہم سے برائی کی۔ (ناحق شناسیِ ابنائے زماں)

۱۳۷

حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ اے آرزو خرامی
دل جوشِ گریہ میں ہے ڈوبی ہوئی اسامی

آرزو خرامی: یعنی آرزو سے گزرنا۔ ڈوبی ہوئی اسامی: یعنی ایسا صاحبِ معاملہ جس سے کچھ وصول ہونے کی امید نہ ہو۔ یعنی دل میں کتنی ہی آرزوئیں آئیں اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کہ وہ جوشِ گریہ میں ڈوبا ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ خالی رونے سے کیا حاصل ہوتا ہے۔ گویا دل ایک ایسی ڈوبی ہوئی اسامی ہے جس سے کچھ حاصل ہونے کی امید نہیں۔ (بیانِ یاس)

اس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بجھائے
میں بھی جلے ہوؤں میں ہوں داغِ ناتمامی

داغ ہونا: یعنی متاسف ہونا۔ یعنی بجھی ہوئی شمع جس کو شمع کشتہ کہتے ہیں۔ کشتہ ہوکر بھی ختم یا ناتمام نہیں ہو جاتی۔ یہی حال میرا ہے کہ کشتہ ہوں اور خستہ لیکن مجھے اپنی ناتمامی پہ افسوس ہے کہ ختم نہیں ہوا جس کی حسرت ہے۔ بقول شخصے: ع

اے ناتمامیِ نفسِ شعلہ بار حیف! (حسرتِ مرگ)

(۱۳۸)

کیا تنگ ہم ستم زدگاں کا جہان ہے
جس میں کہ ایک بیضۂ مور آسمان ہے

یعنی ہم مظلوموں پر دنیا ایسی تنگ معلوم ہوتی ہے کہ میری گنجائش تو کیا ہوتی وہاں تو ایک چیونٹی کا انڈا بھی آسمان کے برابر معلوم ہوتا ہے۔ (تنگیِ عرصۂ حیات)

ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے
پرتو سے آفتاب کے ذرے میں جان ہے

جان: مراد چمک اور حرکت: یعنی جس طرح ذرہ میں آفتاب سے چمک اور حرکت پیدا ہوتی ہے اسی طرح تمام جہان کو حرکت میں لانے والی چیز تیرا شوق ہے۔ بقول:

مرحب انار ورنہ ما شیشہ ساری است (مقامِ عشق)

حالانکہ ہے یہ سیلیِ خارا سے لالہ رنگ
غافل کو میرے شیشے پہ مے کا گمان ہے

شیشہ: مراد از وجودِ ضعیف۔ سیلیِ خارا: مراد مصیبت و آلامِ زندگی۔

یعنی میرا وجود تو مصائب سے خستہ ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ عیشِ زندگی سے مالا مال ہوں

بقول باری تعالیٰ: یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ۔ غمِ نہاں

کی اس نے گرم سینۂ اہلِ ہوس میں جا
آوے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے

یعنی محبوب نے اہلِ ہوس کے دل میں اس لیے گھر کیا ہے کہ وہ ٹھنڈی جگہ ہے اس اعتبار سے کہ سوزِ عشق سے خالی ہے۔ (طعن تعلق با اہلِ ہوس)

کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا
بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے

مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ میں کچھ کہنے یا راز افشا کرنے پر مجبور ہو جاؤں۔ (طعن و رشک)

بیٹھا ہے جو کہ سایۂ دیوارِ یار میں
فرمانروائے کشورِ ہندوستان ہے

یعنی محبوب کے سایۂ دیوار میں بیٹھنا عیشِ سلطانی سے کم نہیں۔ واضح ہو کہ ہندو کے معنی بیضۂ خروق کے بھی ہیں۔ ہندوستان اس لحاظ سے شہر تیمل ہوا اور اس میں رہنا کشورِ ہندوستان کی فرمانروائی ہے۔ (نشاط کوچۂ محبوب)

ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا
کس سے کہوں کہ داغ جگر کا نشان ہے

یعنی فراوانیٔ غم کے باعث جگر گداختہ ہو گیا اور صرف داغِ جگر کا نشان رہ گیا ہے۔ لیکن اس بات کو تسلیم کون کرے گا جگر یا ہستی اس قدر مٹی کہ اب نشان دہی سے بھی اس کا سراغ مشکل ہے۔ صرف غم ہی کا غم باقی ہے۔ (رہا لفظ غم خستی)

ہے بائے اعتماد وفاداری اس قدر
غالب ہم اس میں خوش ہیں کہ نامہرباں ہے

یعنی خوشی کی بات یہ ہے کہ محبوب کی نامہربانی اس اعتمادِ وفا پر ہے کہ خواہ کتنا ہی جفا کرے میں ترکِ وفا نہ کروں۔ (بہ نکتۂ عزمِ وفا و فریب خویشتن)

(۱۲۹)

درد سے میرے ہے تجھ کو بیقراری ہائے ہائے
کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہائے ہائے
تیرے دل میں گر نہ تھا آشوبِ غم کا حوصلہ
تو نے پھر کیوں کی تھی میری غمگساری ہائے ہائے
کیوں مری غمخوارگی کا تجھ کو آیا تھا خیال
دشمنی اپنی تھی میری دوستداری ہائے ہائے
عمر بھر کا تو نے پیمانِ وفا باندھا تو کیا
عمر کو بھی تو نہیں ہے پائیداری ہائے ہائے
زہر لگتی ہے مجھے آب و ہوائے زندگی
یعنی تجھ سے تھی اسے ناسازگاری ہائے ہائے
گلفشانی ہائے نازِ جلوہ کو کیا ہو گیا
خاک پر ہوتی ہے تیری لالہ کاری ہائے ہائے

شرمِ رسوائی سے جا چھپنا نقابِ خاک میں
ختم ہے الفت کی تجھ پر پردہ داری ہائے ہائے
خاک میں ناموسِ پیمانِ محبت مل گئی
اٹھ گئی دنیا سے راہ و رسمِ یاری ہائے ہائے
ہاتھ ہی تیغ آزما کا کام سے جاتا رہا
دل پہ اک لگنے نہ پایا زخمِ کاری ہائے ہائے
کس طرح کاٹے کوئی شب ہائے تارِ برشگال
ہے نظر خو کردۂ اختر شماری ہائے ہائے
گوش مہجورِ پیام و چشم محرومِ جمال
ایک دل تس پہ یہ نا امیدواری ہائے ہائے
عشق نے پکڑا نہ تھا غالب ابھی الفت کا رنگ
رہ گیا تھا دل میں جو کچھ ذوقِ خواری ہائے ہائے

یہ غزل ایک مسلسل نظم اور بظاہر کسی محبوبِ حقیقی کا مرثیہ ہے۔ شاعر اپنے محبوبِ مہجور سے عالمِ خیال میں خطاب کرتا ہے۔ ہر شعر کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ:

اے محبوبِ عالمِ بالا! کیا تجھے میرے درد و محبت کا احساس ہو گیا ہے جو ہی تقاضا جو دنیا میں تھا اسے کام میں لا۔

اگر تجھ کو میرا غم دیکھنے کا یارا نہ تھا تو تُو نے میری غمگساری ہی نہ کی ہوتی۔ میرے ساتھ ہمدردی تو نے کیا کی کہ اپنے ساتھ دشمنی کر لی۔

تیرا وعدہ تمام عمر ساتھ رہنے کا بے فائدہ رہا جب عمر کو ہی وفا نہیں۔

زندگی آب دیدہ ہوا۔ مجھے ناخوشگوار ہے کہ اس نے تیرے ساتھ سازگاری نہ کی۔

کہاں تو تو اپنے جلووں سے پھول بکھیرتا تھا آج تیری قبر پہ پھول چڑھائے جا رہے ہیں۔

الفت کو چھپانے کے لیے تو خود خاک میں جا چھپا گویا راز محبت کا چھپانا تجھ پر ختم ہے۔

تو گویا جسم پیمان محبت تھا۔ یا رسم دوستی، کہ تیرے ساتھ۔ دونوں ہی ختم ہیں۔

افسوس ہے کہ تیری محبت کا زخم کاری میرے سینہ پر نہ لگا کہ میرا کام تمام کر دیتا اس کی بجائے تیرا ذوق خنجر آزمائی ہی باقی رہی۔

تیری جدائی میں یہ برسات کی راتیں کیسے کٹیں۔ پہلے تو تارے گن گن کر کاٹتا تھا اب کہ برسات میں وہ تارے بھی نہیں۔

کان تیرے پیغام سے اور آنکھیں تیرے جمال سے محروم ہیں۔ ایک دل کو کیسی کیسی ناامیدیوں کا سامنا ہے۔

ابھی تک غالب کی محبت نے جنوں کا رنگ اختیار نہ کیا تھا افسوس یہ ہے کہ ذلت و خواری کا جو شوق دل میں تھا وہ نہ نکلا اور اے محبوب تجھے موت آ گئی۔" (مرثیہ)

(۱۴۰)

سرگشتگی میں عالم ہستی سے یاس ہے
تسکیں کو دے نوید کہ مرنے کی آس ہے

یعنی اس وجہ سے پریشان ہوں کہ دنیا کی ہر چیز سے مایوسی ہے۔ البتہ موت کی آس باقی ہے جو باعث تسکین ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مرنے سے پہلے عالم ہستی سے نجات ممکن نہیں۔ ([illegible])

لیتا نہیں مرے دلِ آوارہ کی خبر
اب تک وہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے

یعنی محبوب کی بے نیازی دیکھو کہ وہ اب تک یہی سمجھتا ہے کہ میرا دل اس کے پاس نہیں، بلکہ میرے ہی پاس ہے۔ لہٰذا دلنوازی کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ (شکوۂ بے نیازیٔ معشوق)

کیجے بیاں سرورِ تپِ غم کہاں تلک
ہر مو مرے بدن پہ زبانِ سپاس ہے

یعنی غمِ عشق کی تڑپ میں جو مزہ ہے اسے کہاں تک بیان کروں، میرے بدن کا رواں رواں گویا زبانِ سپاس بنا ہوا ہے۔ (نشاطِ غم)

ہے وہ غرورِ حُسن سے بیگانۂ وفا
ہر چند اس کے پاس دلِ حق شناس ہے

یعنی محبوب حق ناشناسی کے باعث بیگانۂ وفا نہیں ہے۔ بلکہ غرورِ حسن کے باعث ہے۔ (شکوۂ غرورِ حسن و التماسِ وفا)

پی جس قدر ملے شبِ مہتاب میں شراب
اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے

اخلاط میں سے خلطِ بلغم کا رنگ سفید اور مزاج سرد تصور کیا گیا ہے۔ اسی بنا پہ شبِ ماہتاب کو بلغمی مزاج کہا ہے۔ یعنی چاندنی رات میں خوب شراب پینی چاہیے کیونکہ شراب کا مزاج حار ہے اور چاندنی رات بلغمی مزاج رکھنے کے باعث سرد ہے۔ لہٰذا اصولِ علاج و اعتدالِ مزاج کے مطابق یہی موزوں ہے کہ سرد مزاج والے گرم تاثیر کی چیزیں استعمال کریں۔ (گلابانی مے کشی در شبِ ماہ)

ہر اک مکان کو ہے مکیں سے شرف اسدؔ
مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگل اداس ہے

یعنی ازبسکہ جنگل کو اہلِ جنوں سے شرف ہے لہٰذا مجنوں کی موت سے جنگل اداس ہے کہ مایۂ شرف سے خالی ہوگیا۔ (در منزلتِ اہلِ جنوں)

(۱۶۱)

گر خامشی سے فائدہ اخفائے حال ہے
خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے

یعنی خوشی کی بات ہے کہ لوگ میری بات نہیں سمجھتے لہٰذا میرے بولنے میں وہ فائدہ ہے جو خاموش رہنے میں کہ حالِ دل ظاہر نہیں ہوتا۔ (در دشواریٔ فہمِ مطالبِ غالب)

کس کو سناؤں حسرتِ اظہار کا گلہ
دل فردِ جمع و خرچ زباں ہائے لال ہے

یعنی دل کی مثال ایسی ہے جیسی گونگوں کی زبانوں کا دفترِ حساب کتاب یا ایسی باتیں جنھیں نہ ظاہر کرسکا سینے ہی میں ہیں۔ (در کثرتِ آمال و حسرتِ حزیں مآل)

کس پردے میں ہے آئنہ پرداز اے خدا
رحمت، کہ عذر خواہ لبِ بے سوال ہے

آئینہ پرداز: یعنی خود آرائی یا بہ حالِ بے نیازی۔ رحمت جیسا کہ خود ہے جز آئینہ پرداز کا۔ یعنی اے خدا تیری رحمت کس بے نیازی کے پردے میں ہے۔ میں کہ بزبانِ خاموشی معذرت طلب ہوں۔ (مناجات)

ہے ہے خدا نخواستہ وہ اور دشمنی
اے شوقِ منفعل یہ تجھے کیا خیال ہے

شوقِ منفعل: یعنی ایسا شوق جو پشیمانی پر منتج ہوا ہو یا آرزو سے ناکام۔ یعنی مشتاقِ وصالِ حبیب کو ناکامیوں پر یوں سوچنا چاہیے کہ محبوب، خدانخواستہ دشمنوں پر آمادہ ہے گویا ہر چند کہ محبوب کا طرزِ عمل بظاہر دشمنوں کا سا ہے لیکن اس تصور کو بلطائف الحیل دل سے دور کرنا چاہتا ہے اور خود کو فریب دے کر تسلی کی کوشش کرتا ہے۔ (فریبِ خوشی)

مشکیں لباسِ کعبہ علی کے قدم سے ہے
نافِ زمین ہے نہ کہ نافِ غزال ہے

مشکیں: یعنی مشک بیز یا معطر۔ یعنی کعبہ کا لباس مشک۔ آلود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے شرفِ قدم سے ہے کہ ان کی ولادت وہیں ہوئی تھی ورنہ یہ جگہ نافِ زمین ہے نافِ غزال تھوڑا ہی تھی جو مشک بیز ہوتی۔ (منقبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ)

وحشت پہ میری عرصۂ آفاق تنگ تھا
دریا زمین کو عرقِ انفعال ہے

یعنی عرصۂ جہاں میری وحشت اور صحرا نوردی کے لیے اس قدر ناکافی ہے کہ زمین اپنی اس تنگی کے احساس سے منفعل ہوئی اور پسینہ پسینہ ہو گئی۔ چنانچہ یہ دریا اسی کا عرقِ انفعال ہے۔ (دیوانہ وحشت)

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسد
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

یعنی دنیا کی ہر چیز خیال ہے اور اس کا کوئی حقیقی وجود نہیں ہے۔ خیالی کو حقیقی سمجھ لینا دھوکا ہوگا۔ (بے حقیقتیِ عالم)

(۱۴۲)

تم اپنے شکوہ کی باتیں نہ کھود کھود کے پوچھو
حذر کرو میرے دل سے کہ اس میں آگ دبی ہے

آگ سے مراد چھپا ہوا شکوہ و شکایت ہے۔ یعنی میرا دل شکایتوں سے پُر ہے۔ اگر تم نے کرید کرید کر پوچھا تو انھیں ظاہر کرنا پڑے گا اور اس سے تم پر بھی آنچ آئے گی۔
(سعیِ اخفائے شکوہ)

و

دلا یہ درد و الم بھی تو مغتنم ہے کہ آخر
نہ گریۂ سحری ہے نہ آہِ نیم شبی ہے

یعنی یہ نالہ و فریاد بھی تب تک ہے کہ زندگی ہے۔ لہٰذا اس درد و الم کو غنیمت سمجھنا چاہیے کہ زندگی کا سراغ ہے۔ بقول اسے:

نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیے   بے صدا ہو جائے گا یہ سازِ ہستی ایک دن
(تلازمِ حیات و غم)   (غالب)

(۱۴۳)

ایک جا حرفِ وفا لکھا تھا وہ بھی مٹ گیا
ظاہرا کاغذ ترے خط کا غلط بردار ہے

غلط بردار: بمعنی ربر یا مداد پاک کن۔ یعنی تیرے خط میں ایک جگہ لفظ وفا آیا تھا سو وہ بھی مٹ گیا۔ چونکہ وفا ایک لفظ غلط ہے اس لیے ظاہر ہوتا ہے کہ تیرے خط کا کاغذ غلط لفظ کو ربر کی طرح خود ہی مٹا دیتا ہے۔ گویا طنزاً شاعر بتانا چاہتا ہے کہ وفا معشوق کے نزدیک غلطی ہے۔ (شکوۂ وفا ناآشنائی)

جی جلے ذوقِ فنا کی ناتمامی پر نہ کیوں
ہم نہیں جلتے نفس ہر چند آتش بار ہے

جی کیوں نہ جلے : یعنی افسوس کیوں نہ ہو۔ یعنی اس امر پر افسوس آتا ہے کہ میرا فنا ہو جانے کا شوق پورا نہ ہوا۔ باوجود اس کے کہ میری آہ سے آگ نکلتی ہے میں نہیں جلتا۔ (ذوقِ فنا = شوقِ مرگ)

آگ سے پانی میں بجھتے وقت اٹھتی ہے صدا
ہر کوئی واماندگی میں نالے سے ناچار ہے

یعنی آگ باوجود خاموشی و دلسوزی جب پانی سے بجھائی جاتی ہے تو اس سے بھی صدائے فریاد نکلتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بے بسی کے عالم میں ہر کوئی فریاد پر مجبور ہو جاتا ہے۔ (نالہ = فریاد)

ہے وہی بد مستیٔ ہر ذرہ کا خود عذر خواہ
جس کے جلوے سے زمیں تا آسماں سرشار ہے

عذر خواہ : یعنی طالبِ معذرت طلبی یا معذرت کو پسند کرنے والا۔ یعنی وہ ہستی جس کے جلوے سے زمین و آسمان کی تمام اشیا از خود رفتہ ہیں وہ خود ہر ذرہ سے پوچھتا ہے کہ تم عذر بے خودی کیوں پیش نہیں کرتے کہ الٰہی میں معذرت خواہ ہوں کیوں کہ مجھے اپنے اوپر اختیار نہیں۔ بقول اسے : ھل من مستغفر استغفر لہ۔ (طلبِ استغفار)

مجھ سے مت کہہ تو ہمیں کہتا تھا اپنی زندگی
زندگی سے بھی مرا جی ان دنوں بیزار ہے

یعنی میں جو کہتا تھا کہ تو میری زندگی ہے اب اس بات کو یاد مت دلا۔ کیونکہ میں اپنی

زندگی سے بیزار ہوں۔ یہ کیسے گوارا ہوگا کہ میں تجھے ایسی شے سے تعبیر کروں جس سے خود بیزار ہوا۔ حالانکہ تجھ سے بیزار نہیں ہوں۔ (بیزاری از زیست)

آنکھ کی تصویر سرنامہ پہ کھینچی ہے کہ تا
تجھ پہ کھل جائے کہ اس کو حسرتِ دیدار ہے

یعنی آنکھ کی تصویر کا خط کے اوپر بنانا ظاہر کرتا ہے کہ تیرے دیدار کی تمنا ہے۔

(حسرتِ دیدار)

(۱۴۴)

پینس میں گزرتے ہیں جو وہ کوچے سے میرے
کندھا بھی کہاروں کو بدلنے نہیں دیتے

یعنی میرے کوچہ میں بضرورت ٹھہرنا بھی گوارا نہیں۔ (شکوۂ احتراز)

(۱۴۵)

مری ہستی فضائے حیرت آبادِ تمنا ہے
جسے کہتے ہیں نالہ وہ اسی عالم کا عنقا ہے

یعنی میری زندگی شوقِ بے نہایت کی حیرانیوں سے پُر ہے۔ اس عالم میں نالہ و فریاد کہاں؟ ظاہر ہے کہ انسان کتنا ہی رنجیدہ ہو عالمِ حیرانی میں نالہ و فریاد غائب ہوتا ہے

(حیرانِ شوق)

خزاں کیا، فصلِ گل کہتے ہیں کس کو کوئی موسم ہو
وہی ہم ہیں، قفس ہے اور ماتم بال و پر کا ہے

یعنی مرغِ گرفتارِ قفس کو نہ خزاں سے مطلب ہے نہ بہار سے۔ اسکے نزدیک قفس اور

۔ اور غم بے بال و پری کے اور کچھ دیکھا ہی نہیں۔ (تمثیلِ گرفتارانِ بلا)

وفائے دلبراں ہے اتفاقی ورنہ اے ہمدم
اثر فریادِ دلہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے

یعنی معشوق اتفاق سے کبھی وفا بھی کر لیتے ہیں ورنہ نالہ و فریاد میں کوئی اثر نہیں۔ (دلیلِ بے اثریٔ نالہ)

نہ لائے شوخیٔ اندیشہ تابِ رنجِ نومیدی
کفِ افسوس ملنا عہدِ تجدیدِ تمنا ہے

شوخیٔ اندیشہ = یعنی خیالات کا تلوّن۔ یعنی ناکامِ تمنا ہو کر جو کفِ افسوس مل رہا ہوں وہ اس لیے نہیں کہ مایوس ہو گیا۔ بلکہ اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر تجدیدِ تمنا کا عہد کر رہا ہوں کہ میرا خیالات کا تلوّن ناامیدی کی سختی کو نہ جھیل سکے اور مایوسی قطعِ امید کا باعث بن جائے۔ (مزجِ یاس)

(۱۴۶)

رحم کر ظالم کہ کیا بودِ چراغِ کشتہ ہے
نبضِ بیمارِ وفا دودِ چراغِ کشتہ ہے

چراغِ کشتہ: استعارہ از بیمارِ وفا بہ قرینۂ مصرعِ ثانی۔ یعنی نبضِ بیمارِ وفا ایسی ہے جیسے بجھے ہوئے چراغ کا دھواں۔ کہ اس سے چراغ کا سراغ تو ملتا ہے لیکن زندگی نہیں ہوتی۔ یہی حال بیمارِ وفا کا ہے کہ نبض سے آثارِ زندگی تو مترشح ہیں لیکن چراغِ کشتہ کی طرح اس میں زندگی نہیں ہوتی۔ اب اس میں کیا دھرا ہے کہ اس پر ظلم و ستم روا رکھا جائے۔ (التجائے کرم)

دل لگی کی آرزو بے چین رکھتی ہے ہمیں
ورنہ یاں بے رونقی سودِ چراغِ کشتہ ہے

بے رونقی، کنایۃً افسردگی چراغ۔ یعنی اگر چراغ نہ جلے تو اس کا فائدہ یہی ہے کہ اس کا مادۂ حیات (تیل) باقی رہتا ہے۔ میری بھی یہی مثال ہے کہ آتشِ عشق میں نہ جلوں تو بہتر ہے۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ طبیعت ہر وقت یہ چاہتی ہے کہ چراغ کی طرح دل میں آگ لگی رہے۔ (مذاقِ دل سوزیِ عشق)

(۱۴۷)

چشمِ خوباں خامشی میں بھی نوا پرداز ہے
سرمہ تو کہوے کہ دودِ شعلۂ آواز ہے

یعنی حسین اور سرمگیں آنکھیں خاموشی میں بھی کچھ کہتی رہتی ہیں۔ (مثلاً یہ کہ مجھ پر فدا ہو جاؤ) گویا سرمۂ چشم شعلۂ آواز کا دھواں ہے۔ (دلکشیِ چشمِ محبوباں)

پیکرِ عشاق سازِ طالعِ ناساز ہے
نالہ گویا گردشِ سیارہ کی آواز ہے

یعنی عاشقوں کا وجود طالعِ بدبختی کا ایک ساز ہے۔ اور اس ساز سے جو نالہ و فریاد کی صدا نکل رہی ہے اس کو طالعِ ناساز کی صدائے گردش سمجھو۔ (بدطالعیِ عشاق)

دستگاہِ دیدۂ خونبارِ مجنوں دیکھنا
یک بیاباں جلوۂ گل فرشِ پا انداز ہے

یک بیاباں کلمۂ کثرت: یعنی جنگل بھر کر۔ فرشِ پا انداز: یعنی پائیدان یعنی مجنوں کی آنکھوں کو گلفشانی کی ایسی قدرت حاصل ہے کہ جہاں قدم رکھتا ہے وہاں پھول ہی پھول

بکھر جاتے ہیں۔ (خونباریٔ عاشق)

۱۴۸

عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سہی
میری وحشت تیری شہرت ہی سہی

یعنی تیری شہرت کا سبب اگر میرا عشق نہیں وحشت ہی سہی۔ یعنی عشق ہو یا جنون نتیجہ کے اعتبار سے ایک ہی شے ہے۔ (التجائے قدرِ عاشق)

قطع کیجے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

عاشق کو محبوب سے عداوت کے سوا اور بھی کوئی امید نہیں۔ لہذا طلب ہے کہ قطع تعلق نہ کرو۔ دوستی کا نہ سہی عداوت ہی کا تعلق سہی۔ (منعِ قطعِ تعلق)

میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی
اے وہ مجلس نہیں خلوت ہی سہی

یعنی مانا کہ بہ اندیشۂ رسوائی ہم مجلس میں نہیں ملتے تو خلوت ہی میں ملیں۔ اس میں تو رسوائی نہ ہوگی۔ (التجائے وصل)

ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے
غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی

یعنی کسی شخص کا تیری محبت میں مبتلا ہونا مجھے تیری محبت سے باز نہیں رکھ سکتا۔ کیونکہ ترکِ محبت تو میری ہلاکت کا موجب ہے اور میں اپنا دشمن نہیں ہوں کہ تجھ سے قطع تعلق کر کے ہلاک ہو جاؤں۔ (جبرِ محبت)

اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو
آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی

مطلب یہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ معرفتِ نفس حاصل کرے یا ترکِ خویشتن کرے۔ غیر کو پہچاننا یا نہ پہچاننا دونوں ہی لاحاصل ہے۔ (دروں خود آگہی یا ترکِ خودی)

عمر ہر چند کہ ہے برق خرام
دل کے خوں کرنے کی فرصت ہی سہی

یعنی فرصتِ حیات کتنی ہی مختصر ہو دل کا خون کرنے یا اختیارِ عشق کے لیے کافی مہلت ہے۔ (تلقینِ عشق)

ہم کوئی ترکِ وفا کرتے ہیں
نہ سہی عشق مصیبت ہی سہی

یعنی اس عشق کو عشق نہ سمجھو مصیبت ہی سمجھو جب بھی ہم ترکِ وفا نہیں کریں گے۔ (استواریٔ عزیمِ عاشق)

کچھ تو دے اے فلکِ نا انصاف
آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی

یعنی اگر مراد حاصل نہیں ہوتی تو رخصتِ فریاد ہی مل جائے۔ یہ کیا کہ فریاد کی بھی اجازت نہ ہو۔ (بیانِ تلخیٔ جبرِ قفس)

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تیری عادت ہی سہی

ظاہر ہے کہ ذاتِ بے نیاز کے آگے خوئے تسلیم و رضا ہی واجب ہے۔ (تعلیمِ تسلیم)

یار سے چھیڑ چلی جائے اسدؔ
گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

یعنی محرومِ وصال ہو کر مایوس نہ ہو جانا چاہیے۔ بلکہ حسرتِ وصال کو باقی رکھنا چاہیے تاکہ محبوب سے اظہارِ شوق جاری رہے۔ (دفعِ یاس)

(۱۳۹)

ہے آرمیدگی میں نکوہش بجا مجھے
صبحِ وطن ہے خندۂ دنداں نما مجھے

یعنی غربت اور صحرا نوردی چھوڑ کر وطن میں آرام کرنا یقیناً قابلِ مذمت ہے اسی لیے تو وطن کی صبح ایک خندہ ملامت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خود وطن کو یہ پسند نہیں کہ میں وطن میں رہوں۔ (ذوقِ صحرا نوردی)

ڈھونڈے ہے اس مغنیِ آتش نفس کو جی
جس کی صدا ہو جلوۂ برقِ فنا مجھے

یعنی کاش کوئی ایسا مغنی ہو جو اپنے جانگداز نغموں سے میرے وجود پر بجلی گرا دے۔ (تمنائے ہمدمِ جاں نواز) یا (ذوقِ جانگدازی)

مستانہ طے کروں ہوں رہِ وادیِ خیال
تا بازگشت سے نہ رہے مدعا مجھے

یعنی جس طرزِ خیال کو میں نے اپنایا ہے اب اس سے بازگشت کا ارادہ نہیں اس لیے مستوں کی طرح عالمِ بے خودی میں، اور نشاناتِ راہ سے بے خبر ہو کر اسی طریقہ پر گامزن ہوں گا۔ (استواریِ عزمِ عشق)

کرتا ہے بسکہ باغ میں تو بے حجابیاں
آنے لگی ہے نکہتِ گل سے حیا مجھے

یعنی نکہتِ گل کی بے حجابی اور بے راہ روی پر مجھے اعتراض تھا اب تیری بے حجابیوں سے اس کے سامنے مجھے شرمندہ ہونا پڑا۔ (شکوۂ بے باکی و بے حجابی محبوب)

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

دل کا معاملہ: مراد عشق۔ کسی: کنایہ از محبوب یا عوام۔ یعنی میرے اشعار میرے عشق کے غماز ہیں۔ بقول:

رازِ دیرینہ ز رخ پردہ برانداخت دریغ حالِ ما شہرہ بافسانۂ غزل ساخت دریغ

(دیوانِ ترجمانِ احساس)

(۱۵۰)

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالبؔ
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

یعنی میری زندگی ایسی کس مپرسی کی حالت میں گزری ہے کہ گویا میرا کوئی خدا ہی نہیں تھا جو فریاد کو سنتا۔ بقولے:

گفتنی نیست کہ بر غالبِ ناکام چہ رفت می‌توان گفت کہ این بندہ خداوند نداشت

(التجائے فضلِ الٰہی)

(۱۵۱)

اس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کیے
بیٹھا رہا اگرچہ اشارے ہوا کیے

یعنی معشوق کی بزم میں بے حیا بن کر بیٹھنا پڑتا ہے۔ چنانچہ میرے خلاف رقیبوں کے اشارے ہوتے رہے لیکن ناچار بیٹھا رہا۔ (جبرِ عشق)

دل ہی تو ہے سیاستِ درباں سے ڈر گیا
میں اور جاؤں در سے ترے بے صدا کیے؟

یعنی سختیِ درباں کے اندیشے سے دل جو میرے بس میں نہیں ہے ڈر گیا ورنہ میں صدا دیئے بغیر ترے دروازے سے نہ جاتا۔ (حسرتِ التجا)

پہلوئے معرفت یہ ہے کہ راہِ سلوک میں ایسے عوائق آتے ہیں جن سے عہدہ برآ ہونا دشوار ہے

رکھتا پھروں ہوں خرقہ و سجادہ رہنِ مے
مدت ہوئی ہے دعوتِ آب و ہوا کیے

یعنی آب و ہوا کا تقاضا تھا کہ بادہ نوشی ہو جسے ایک مدت ہو گئی کہ توفیق نہ ہوئی۔ اس لیے خرقہ و سجادہ کو گروی رکھنے کی فکر میں ہوں۔ (ذوقِ بادہ نوشی)

بے صرفہ ہی گزرتی ہے ہو گرچہ عمرِ خضر
حضرت بھی کل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کیے؟

یعنی حضرت خضر بھی کل کو یہی کہیں گے کہ ہم نے کچھ نہ کیا اس سے ظاہر ہے کہ عمر خواہ کتنی ہی طویل ہو بے مصرف ہی گزر جاتی ہے۔ (تلقینِ اغتنامِ فرصتِ حیات)

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے؟

گنج ہائے گراں مایہ: کنایہ از رفتگانِ عدم۔ یعنی اگر زمین سے استفسار ممکن ہوتا تو پوچھتا کہ اے خاک تو نے جن وفات یافتگاں کو بخیلوں کی طرح اپنے پاس رکھ چھوڑا ہے

وہ مگر کیا کرے گی؟ اشارہ یہ ہے کہ موت کے بعد ایسی ممکن نہیں۔ (تعیینِ اختتامِ حیات)

کس روز تہمتیں نہ تراشا کیے عدو
کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کیے

یعنی رقیب ہمیشہ ہی ہمارے خلاف الزام تراشنے اور ایذا دینے کی کوشش میں رہتے ہیں۔ (شکوۂ رقیب و ناگزیری مصائبِ عاشق)

صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ خو
دینے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کیے

یعنی بغیر التجا بوسہ دینا بظاہر التفات ہے لیکن اس کا یہ ناخوشگوار پہلو بھی ہے کہ مبادا یہ عادت رقیبوں کی صحبت میں پڑی ہو۔ بدگمانی جو عشق کے لوازمات میں سے ہے۔ (رشک و بدگمانی)

ضد کی ہے اور بات مگر خو بری نہیں
بھولے سے اس نے سیکڑوں وعدے وفا کیے

یعنی محبوب کی فطرت میں برائی نہیں ہے یوں ضد میں آکر بے وفائی کرے تو اور بات ہے چنانچہ اس نے اپنی فطرت کے تقاضے سے سیکڑوں وعدے وفا کیے۔ اگر اپنی ضد پر آجاتا تو ایک بھی وفا نہ کرتا۔ (شکوۂ عداوت و بے وفائی معشوق)

غالب تمہیں کہو کہ ملے گا جواب کیا
مانا کہ تم کہا کیے اور وہ سنا کیے

یعنی عرضِ حال بھی مفیدِ مطلب ہے کہ معشوق مائل بہ لطف ہو ورنہ کیا حاصل۔ (منعِ اشاعتِ التجا)

(۱۵۲)

رفتارِ عمر قطعِ رہِ اضطراب ہے
اس سال کے حساب کو برق آفتاب ہے

یعنی عمر اس سرعت سے گذر رہی ہے جیسے کوئی بے قرار قطع راہ کرتا ہو۔ گویا اس کے سال کا حساب گردشِ آفتاب سے نہیں لمحۂ برق سے ہے کہ ایک سال چمکِ برق کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ (گریز پائی عمر)

مینائے مے ہے سروِ نشاطِ بہار سے
بالِ تدرو جلوۂ موجِ شراب ہے

یعنی شراب کی رنگت ایسی ہے جیسے عہدِ مسرت آفریں بہار میں سرو اور لہریں ایسی ہیں جیسے سرو پر سرخاب کے پر۔ (رنگینی و نظر نوازیٔ شراب)

زخمی ہوا ہے پاشنہ پائے ثبات کا
نے بھاگنے کی گوں نہ اقامت کی تاب ہے

مطلب یہ ہے کہ غمِ عشق ایسی چیز ہے کہ نہ اس سے بھاگا جا سکتا ہے نہ اس پر قائم رہنا آسان ہے۔ گویا استقامت کے پاؤں کی ایڑی زخمی ہو گئی۔ بقول شخصے:

ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نبردِ عشق میں زخمی
نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے

(دشواریٔ استقامت در حالِ عشق)

جاداد بادہ نوشیِ رنداں ہے شش جہت
غافل گماں کرے ہے کہ عالم خراب ہے

خراب = بمعنیٰ ویران اصطلاحاً مے خانہ۔ جاداد = دے د

ٹھکانا پایئے خانہ۔ یعنی تمام دنیا رندوں کا مے خانہ ہے۔ نادان لوگ اسے دنیائے خرابہ کہتے ہیں۔ بقول: ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار۔ (عرفان بخشی کائنات)

نظارہ کیا حریف ہو اس برقِ حُسن کا
جوشِ بہار جلوے کو جس کے نقاب ہے

یعنی محبوب کے جلوہ گر ہوتے ہی بہارِ حُسن کا ایسا جوش ہوتا ہے کہ اس کا حُسن ہجومِ بہار میں چھپ جاتا ہے کیونکہ انسان حیران ہو جاتا ہے کہ کیا کیا دیکھے۔ اب ایسی صورت میں اس برقِ حُسن کا نظارہ کس طرح ممکن ہے۔ (حیرت افزائی جلوہ)

میں نامراد دل کی تسلی کو کیا کروں
مانا کہ تیرے رُخ سے نگہ کامیاب ہے

یعنی ہر چند کہ نظر کامیابِ نظارہ ہے لیکن حسن دیکھنے سے دل سیر نہیں ہوتا۔ بقول:

قانع بہ تجلی نشود شائقِ دیدار   پروانہ بہ مہتاب تسلی نتواں کرد۔

(حسرتِ وصال)

گزرا اسدؔ مسرتِ پیغامِ یار سے
قاصد پہ مجھ کو رشکِ سوال و جواب ہے

یعنی قاصد سے محبوب کی بات چیت پر مجھے رشک آتا ہے۔ میں ایسے پیغامِ یار کی خوشی سے باز آیا جس میں جلنا پڑے۔ (رشک)

(۱۵۴)

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آ جائے ہے
میں اسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

یعنی بدقسمتی دیکھو کہ محبوب کے دیکھنے کا ارادہ بھی کرتا ہوں تو مجھے خود اپنے اوپر رشک آجاتا ہے اور نہیں دیکھ سکتا۔ بقول ؎ غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم۔ عاشق خود کو بھی اپنے سے غیر سمجھتا ہے۔ (کمالِ رشک و محرومی)

ہاتھ دھو دل سے یہی گرمی گر اندیشے میں ہے
آبگینہ تندیٔ صہبا سے پگھلا جائے ہے

گرمیٔ اندیشہ: یعنی تندیٔ فکر یا جانسوزیٔ تخیل۔ دوسرا مصرعہ تمثیلِ مرکب خیالی ہے یعنی میرے تخیل کی گرمی دل کو پھونکے ڈالتی ہے۔ گویا یہ ایک ایسی تیز شراب ہے جس سے بوتل پگھل جا رہی ہے۔ (گرمیٔ اندیشہ)

غیر کو یارب وہ کیونکر منعِ گستاخی کرے
گر حیا بھی اس کو آتی ہے تو شرما جائے ہے

یعنی محبوب اتنا شرمیلا ہے کہ حیا کا اظہار کرتے ہوئے بھی اسے شرم آتی ہے جس کے باعث معشوق غیر کو گستاخی سے منع نہیں کر سکتا۔ بالفاظِ دیگر معشوق رقیب کی گستاخیوں سے حیا محسوس کرتا ہے لیکن بہ پاسِ مروت منع کرتے ہوئے شرماتا ہے۔ (سادہ لوحیٔ محبوب یا ذکرِ حیائے محبوب)

شوق کو یہ لت کہ ہر دم نالہ کھینچے جائیے
دل کی وہ حالت کہ دم لینے میں گھبرا جائے ہے

یعنی ضعفِ دل کا یہ عالم ہے کہ سینے میں سانس نہیں سماتا اور شوق کا یہ تقاضا کہ ہر دم نالہ و فریاد کرتا رہوں گویا ادھر ضعف، ادھر فراوانیٔ غم غرض بڑی مشکل درپیش ہے۔
(اضطرابِ حالِ عاشق)

دور چشم بد تری بزم طرب سے واہ وا
نغمہ ہو جاتا ہے واں گر نالہ میرا جائے ہے

یعنی اس کی بزم میں میری آہ و زاری نغمہ کی طرح خوش آئند ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ معشوق ستم گار کو میری دل آزاری مرغوب ہے۔ (طربیہ رنگِ عشق)

گرچہ ہے طرز تغافل پردہ دار راز عشق
پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے

یعنی اگرچہ بے پروائی کا اظہار کر کے رازِ عشق چھپایا جا سکتا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ تغافل وہی کر سکتا ہے جو اپنے آپ میں رہے۔ میں تو اسے دیکھ کر کچھ ایسا بے خود ہو جاتا ہوں کہ وہ میری بے خودی سے میری محبت کا راز پا جاتا ہے۔ (بیان بے خودی)

اس کی بزم آرائیاں سن کر دل رنجور یاں
مثل نقش مدعائے غیر بیٹھا جائے ہے

نقش مدعا بیٹھنا: بمعنی نقش جمنا یا مراد حاصل ہونا۔ دل بیٹھنا: ناکامی سے دو چار ہونا۔ یعنی یہ سنتا ہوں کہ محبوب کی بزم آراستہ ہو رہی ہے تو میرا دل بیٹھ جاتا ہے ادھر رقیب کا نقش مدعا بیٹھتا ہے کہ اس کو محفل محبوب میں بار ہے اور اس کا مقصد حاصل ہے۔ (رشک)

ہو کے عاشق وہ پری رخ اور نازک بن گیا
رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اڑتا جائے ہے

رنگ کھلنا: بمعنی رنگت کا نکھر جانا۔ رنگ اڑنا: بمعنی مبتلائے غم یا مبتلائے رنج ہونا۔ یعنی غم عشق کے باعث محبوب کے چہرے میں زیادہ نزاکت اور نزاکت کے باعث

نکھار پیدا ہو گیا ہے۔ (کارفرمائی عشق)

نقش کو اس کے مصور پر بھی کیا کیا ناز ہیں
کھینچتا ہے جس قدر اتنا ہی کھنچتا جائے ہے

یعنی محبوب کی تصویر اپنے مصور سے ناز کرتی ہے کہ محبوب حقیقی کی جو تصویر بھی ذہن میں کھینچو گے وہ حقیقت سے دور تر ہوتی جائے گی۔ یہی اس کا کھنچنا ہے۔ (مصوری محبوب حقیقی)

سایہ میرا مجھ سے مثلِ دود بھاگے ہے اسدؔ
پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے؟

یعنی میں آتش بجاں ہوں اس طرح جل رہا ہوں کہ سایہ بھی مجھ سے دھوئیں کی طرح دور بھاگتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس شے میں آگ لگ جائے اس کا سایہ نہیں ہوتا (بیانِ بے کسی)

(۱۵۴)

گرمِ فریاد رکھا شکلِ نہالی نے مجھے
تب اماں ہجر میں دی بردِ لیالی نے مجھے

شکلِ نہالی: یعنی تصویر بستر و لحاف وغیرہ جو سامانِ زینت و عیش میں سے ہے۔

بردِ لیالی: یعنی ٹھنڈی راتوں کی سردی۔ یعنی بسترِ عیش کو محبوب سے خالی پا کر گرمِ فریاد رہا تب جا کر رات کی ٹھنڈ سے اماں ملی۔ گویا گرمئ فریاد سرما کی ٹھنڈ پر غالب آ گئی۔

(مبالغۂ گرمئ فریاد)

نسیہ و نقدِ دو عالم کی حقیقت معلوم
لے لیا مجھ سے مری ہمتِ عالی نے مجھے

یعنی یہ عالم نقد ہے اور وہ عالم ادھار اور دونوں کی حقیقت میرے نزدیک ہیچ ہے

لہٰذا میں ان دونوں میں سے کسی کے ہاتھ نہ بکا۔ بلکہ میری علو ہمتی نے مجھے سنبھال لیا کہ دونوں عالم سے بے نیاز رہا۔ مطلب یہ ہے کہ عاشق کو نہ دنیا سے غرض ہوتی ہے نہ آخرت سے سو اس لحاظ سے بڑا عالی ہمت ہے کیونکہ عشق کا کمال ہی یہ ہے کہ کسی غرض سے وابستہ نہ ہو۔ (بے نیازیٔ عاشق)

کثرت آرائیِ وحدت ہے پرستاریٔ وہم
کر دیا کافر ان اصنامِ خیالی نے مجھے

یعنی جو لوگ سمجھتے ہیں کہ وحدت اس کثرت میں ہے وہ وہم میں مبتلا ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ان سب سے ماورا ہے۔ پس اگر ایسا سمجھوں تو گویا خیالی بت کا پجاری اور حقیقت کا منکر ہوں۔ (ماورائیتِ حق)

ہوسِ گل کا تصور میں بھی کھٹکا نہ رہا
عجب آرام دیا بے پر و بالی نے مجھے

یعنی بے بال و پر ہو کر مایوسی کے اس عالم میں ہوں کہ اب پھول کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا یہ مکمل مایوسی میرے لیے راحت بخش ہو گئی ہے کہ سامانِ طلب ہی موجود نہیں تو رنج و تعبِ طلب بھی نہیں۔ بقول:

اگر امید نہ ہمسایہ ہو تو خانۂ یاس   بہشت ہے ہمیں آرام جاوداں کے لیے

(کلفتِ آمال) یا (راحتِ بے املی)

(۱۵۵)

کارگاہِ ہستی میں لالہ داغ ساماں ہے
برقِ خرمنِ راحت خونِ گرمِ دہقاں ہے

خونِ گرمِ دہقاں : کنایہ از محنتِ ایجاد۔ برقِ خرمن : کنایہ از اسبابِ فقدان۔ یعنی دیکھنا چاہیے کہ وہ لہو جسے کسان اپنی محنت و مشقت سے عرقِ ہستی میں لاتا ہے وہ کیسا داغدار ہے اور داغ علامت ہے فقدانِ راحت کی۔ پس ثابت ہوا کہ کسان کی محنت کا حاصل ابتلائے فقدانِ عیش و راحت ہے۔ گویا جو چیز بھی وجود میں آئی، وہ راحت سے محروم ہو گئی۔ (غمِ ناگزیرِ ہستی)

غنچہ تا شگفتن ہا برگِ عافیت معلوم
باوجودِ دل جمعی خوابِ گل پریشاں ہے

معلوم : بمعنی معدوم۔ یعنی کلی کو کھلنے سے پہلے بھی عافیت میسر نہیں۔ گویا پھول اپنی اس دل جمعی کی حالت میں بھی جب کہ اس کی پنکھڑیاں ہنوز بکھری نہیں، ایک خوابِ پریشاں دیکھ رہا ہے یا گویا وہ انتشار ہے کیونکہ اس کا انتشار بالقوہ اس کی فطرت میں ودیعت ہے۔ (اضطرابِ ناگزیرِ زندگی)

ہم سے رنجِ بیتابی کس طرح اٹھایا جائے
داغِ پشتِ دستِ عجز شعلہ خس بدنداں ہے

پشتِ دستِ عجز : اظہارِ عاجزی کے لیے پشتِ دست کو زمین پر رکھنا۔ خس بدنداں ہونا : محاورہ ہے بمعنی اظہارِ عجز کرنا۔ یعنی داغ اور شعلہ کہ عبارت ہے بے چینی اور اضطراب سے، خود اپنی صورتِ حال سے عاجزی کا اظہار کر رہے ہیں یا کہ داغ گویا پشتِ دستِ عجز ہے اور شعلہ گویا خس بدنداں ہے۔ پس جب کہ یہ دونوں اضطراب کی سختیوں کے جھیلنے سے عاجز ہیں تو میں اس سختی کو کس طرح جھیل سکتا ہوں۔ (عجزِ تحملِ شدائدِ عشق)

(۱۵۶)

اُگ رہا ہے در و دیوار پہ سبزہ غالب
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

یعنی میں گھر چھوڑ کر جنگلوں میں پھر رہا ہوں اور گھر ویران ہے کہ وہاں گھاس اُگ آئی ہے۔ (مبالغۂ خانہ ویرانی)

(۱۵۷)

سادگی پر اس کی مر جانے کی حسرت دل میں ہے
بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کفِ قاتل میں ہے

یعنی تمنا تو یہ ہے کہ اس کی سادگی اور بھولی بھالی اداؤں پر جان دے دوں لیکن مجبوری یہ ہے کہ وہ خنجر ہی سے ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ (ستم کوشیِ محبوب)

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

یعنی اس کی باتیں ایسی دلنشین ہیں کہ جو کچھ وہ کہتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ میرے ہی دل کی بات تھی۔ (دلنشینیِ کلامِ محبوب)

گرچہ ہے کس کس برائی سے ولے بایں ہمہ
ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

یعنی میں اس محفل میں نہیں ہوں لیکن میرا ذکر اس محفل میں ہے۔ اس لیے میرا تذکرہ مجھ سے اچھا ہے اگرچہ برائی کے ساتھ ہوتا ہے۔ گویا خواہ کسی حال میں ہو کوئی ہو اگر تیری محفل میں ہے تو سب سے اچھا ہے۔ بقول:

بست صد حسرت بجان از غیبت بدگو مرا   چوں بایں ترتیب می آرد بیاد او مرا

(فخر ذکر خویشتن)   (شرف تردیدی)

لیں ہجومِ ناامیدی خاک میں مل جائے گی
یہ جو اک لذت ہماری سعیٔ بے حاصل میں ہے

یعنی حصولِ مدعا کی کوشش میں بڑا مزہ ہے خواہ وہ بے نتیجہ ہی ثابت ہو۔ ظاہر ہے کہ اس لذت کا موجب ایک امید ہوتی ہے خواہ وہ کتنی ہی موہوم کیوں نہ ہو۔ لہذا چاہیئے کہ امید بالکل منقطع نہ ہو جائے ورنہ پھر حقِ حصولِ مقصد رہے گی نہ اس کی لذت۔ (دوری احتراز از یاس)

رنجِ رہ کیوں کھینچیے واماندگی کو عشق ہے
اٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہے

عشق: یعنی آفریں (چراغِ ہدایت) یعنی واماندگی کا بھلا ہو کہ جہاں پر ہمارا قدم پہنچ گیا ہے وہی جگہ منزل ہو گئی۔ اب رنجِ سفر کیوں اٹھایا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ واماندگی عشق بجائے خود فوز و فلاح و کامیابی ہے۔ (واماندگیِ عشق)

جلوہ زارِ آتشِ دوزخ ہمارا دل سہی
فتنۂ شورِ قیامت کس کی آب و گِل میں ہے

یعنی گو دل میں دوزخ کی سی آگ بھڑک رہی ہے لیکن یہی فخر کیا کم ہے کہ شورِ قیامت کا سا یہ فتنہ جو میری خمیر میں ہے وہ کسی اور میں کہاں ہے! یا یہ کہ اگر میرا دل آتشِ دوزخ کا نمونہ ہے تو تمہاری فطرت میں بھی شورِ قیامت ہے۔ بقول:

بلبل اگر بسوخت ز سوز درون خویش   آتش بجانِ گل زدہ یعنی گناہ کیست (دلشاد)

(فخر اضطراب)

ہے دلِ شوریدۂ غالبؔ طلسمِ پیچ و تاب
رحم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہے

یعنی میرا دل جس میں تیری تمنا ہے وہ پیچ و تاب میں مبتلا ہے۔ پس دل پر نہیں اپنی تمنا پر رحم کر۔ مطلب یہ ہے کہ اسے نکل جانے دے۔ (التجائے تمنا برآمدن)

(۱۵۸)

دل سے تری نگاہ جگر تک اُتر گئی
دونوں کو ایک ادا میں رضامند کر گئی

یعنی دل و جگر دونوں کو آرزوئے جراحت تھی جس کو تیری ایک نگاہ نے پورا کر دیا۔ (رفعِ جراحت طلبی)

شق ہو گیا ہے سینہ خوشا لذتِ فراق
تکلیفِ پردہ داریِ زخمِ جگر گئی

یعنی زخمِ جگر سینہ میں چھپا ہوا تھا۔ صدمۂ فراق سے سینہ پھٹ گیا اور وہ زخم ظاہر ہو گیا۔ اب پردہ داری کی زحمت سے نجات ہوئی۔ (ناگزیریٔ افشائے رازِ عشق) یا (نجات از زحمت اخفائے راز)

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں
اٹھیے بس اب کہ لذتِ خوابِ سحر گئی!

یعنی لطفِ بادہ نوشی ختم ہوا۔ اب مستی کا وقت نہیں خوابِ سحر سے بیدار ہونا چاہیے۔ (یادِ ایامِ عشرتِ فانی) یا (تنبیہِ نفس)

اڑتی پھرے ہے خاک مری کوئے یار میں
بارے اب اے ہوا ہوسِ بال و پر گئی

یعنی خاک ہو کر کوچۂ دلدار میں پہنچ گیا۔ اب یہاں دیر سے کیا کرتا ہے۔ (یاس یا عدم ترکِ وسائل)

دیکھو تو دل فریبیِ اندازِ نقشِ پا
موجِ خرامِ یار بھی کیا گل کتر گئی

موجِ خرام: یعنی طرزِ عمل یا روش۔ گل کترنا: یعنی عجوبہ کاری دکھانا۔

یعنی محبوبِ ناز آفریں کے نقوشِ پا میں کتنی دل فریبی ہے کہ اس کا ہر طرزِ عمل دل پسند دل کش ہے۔ (خوبیِ ادا ہائے محبوب)

اس شعر میں نعت کا پہلو بھی ہے کہ حضورؐ کا نقشِ قدم یا اسوہ غایت درجہ دلکش ہے۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی

یعنی اہلِ ہوس نے عاشقانِ صادق کی قدر کھو دی۔ (مذمتِ اہلِ ہوس)

نظّارے نے بھی کام کیا واں نقاب کا
مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی

بکھر جانا: یعنی از خود رفتہ ہو جانا یا شوق سے بیتاب ہو جانا۔ یعنی نظر تیرے حسن کو دیکھ کر کچھ ایسی بے خود ہوئی کہ چہرے پر نہ جم سکی۔ گویا اس کیفیت نے چہرہ پر نقاب کا کام کیا کہ آنکھ کچھ نہ دیکھ سکی۔ (خیرہ سازیِ جمالِ محبوب)

فردا و دی کا تفرقہ اک بار مٹ گیا
کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی

یعنی کل محبوب کا جانا قیامت برپا کر گیا۔ گویا دیروز فردائے قیامت بن گیا۔ اور

قرد اور پی ایک ہو گئے۔ (کیفیتِ فراقِ یار)

مارا زمانے نے اسداللہ خاں تمھیں
وہ ولولے کہاں وہ جوانی کدھر گئی

یعنی گردشِ ایام نے جوانی اور ولولوں کا خاتمہ کر دیا۔ (فرسودگیٔ عمر رسیدگی)

(۱۵۹)

تسکین کو ہم نہ روئیں جو ذوقِ نظر ملے
حورانِ خلد میں تری صورت مگر ملے

یعنی رونا اس بات کا ہے کہ اگر بہشت میں گئے تو تیرے بغیر تسکین کیونکر ہوگی تاہم اگر وہاں ذوقِ نظر میسر آ جائے تو صبر کروں گا لیکن حورانِ خلد میں تیری جیسی صورت مل جائے تب بات ہے۔ (یکتائیٔ حسنِ محبوب)

اپنی گلی میں مجھ کو نہ کر دفن بعدِ قتل
میرے پتے سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے

یعنی مجھے اس بات کا رشک ہوگا کہ لوگ میرے نشانِ قبر کے پتہ پر تیرے کوچے میں پہنچ جائیں۔ اس لیے التجا ہے کہ مجھے اپنے کوچے میں نہ دفن کیجیو۔ (رشک)

ساقی گری کی شرم کرو آج ورنہ ہم
ہر شب پیا ہی کرتے ہیں مے جس قدر ملے

یعنی یوں تو ہم روز ہی پیتے ہیں۔ آج تم پلا رہے ہو تو اپنی شان کے شایاں پلاؤ۔ مطلب یہ کہ اور زیادہ پلاؤ۔ (نشاطِ صحبت)

تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم
میرا سلام کہیو اگر نامہ بر ملے

یعنی اے دوست وہ جو تم نے آدمی دیا تھا کہ یہ خط محبوب تک پہنچا دے گا اس کا یہ حشر ہوا کہ خط لے گیا اور رقیب ہے۔ اب اس میں تمہارا تو قصور نہیں کہ وہ محبوب پر فریفتہ ہو کر کیوں سر پھرا ہو گیا۔ لیکن اگر احیاناً مل جائے تو میرا سلام کہیو کہ کیوں جی تم جو دعوئے پاک نظری کرتے تھے وہ خوب نبھایا۔ (عالم فریبی حسنِ محبوب)

تم کو بھی ہم دکھائیں کہ مجنوں نے کیا کیا
فرصت کشاکشِ غمِ پنہاں سے گر ملے

ظاہر ہے کہ اہلِ جنون غم و حزن سے خالی ہوتا ہے پس مطلب یہ ہے کہ اگر ہمیں غمِ پنہاں سے نجات ہو جائے جیسے تیرے مجنوں کو ہو گئی تھی تو ہم دکھائیں کہ مجنوں نے جو کچھ کیا وہ تقابلۃً ہیچ تھا کیونکہ ہمیں تو غمِ پنہاں سے نجات ملتی ہی نہیں۔ (تفضیلِ غمِ پنہاں بر جنون)

لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں
مانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے

یعنی ہمارے نزدیک خضر کی حیثیت زندگی کے ایک ہمسفر کی سی ہے لیکن راہِ عشق میں ان کا مقام فروتر ہے کہ میری کا رہبری وہ نہیں کر سکتے۔ (استبدادِ عشق)

اے ساکنانِ کوچۂ دلدار دیکھنا
تم کو کہیں جو غالبِ آشفتہ سر ملے

یعنی غالبِ آشفتہ سر کوچۂ محبوب کے سوا اور کہاں ہو سکتا ہے وہیں دیکھنا چاہیئے۔ (التزامِ کوچۂ محبوب)

کوئی دن گر زندگانی اور ہے
ہم نے اپنے دل میں ٹھانی اور ہے

یہ نہیں بتایا کہ کیا ٹھانی ہے؟ لیکن ظاہر ہے کہ ایک انسان جو زندگی سے بیزار اور خستہ و غمزدہ ہے وہ کسی ایسے ہی اقدام کا ارادہ رکھتا ہے جو باعثِ تشویش ہو۔ یعنی قطع تعلق یا کچھ اور۔ (اظہارِ غم و بیزاری)

آتشِ دوزخ میں یہ گرمی کہاں
سوزِ غم ہائے نہانی اور ہے

یعنی غمِ پنہاں عشق، آتشِ دوزخ سے زیادہ جاں گداز ہے۔ (مبالغۂ سوزِ غم)

بارہا دیکھی ہیں اُن کی رنجشیں
پر کچھ اب کے سرگرانی اور ہے

یعنی شاید رقیبوں نے اس دفعہ اس کو میری طرف سے بہت ہی برگشتہ کر دیا ہے۔ (اندیشۂ غمازیِ رقیباں)

دے کے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر
کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے

یعنی محبوب کا خط دے کر قاصد کچھ زبانی پیغام بھی سنانا چاہتا ہے لیکن تذبذب میں ہے کہ نہ معلوم اس کا مجھ پر کیا اثر ہو؟ اس لیے میرا منہ دیکھ رہا ہے کہ پہلے خط کا چہرے سے تاثر دیکھے۔ پھر پیغام سنائے۔ قیاس ہے کہ وہ پیغام کچھ ایسا ہے جسے محبوب نے لکھنا مناسب نہیں جانا۔ نہ معلوم عتاب ہے یا التفات۔ (مصلحتاً تشویشِ عاشق)

قاطعِ اعمار ہیں اکثر نجوم
وہ بلائے آسمانی اور ہے

وہ: کنایہ از عشق۔ یعنی نجوم جن کے ساتھ آسمانی بلائیں منسوب ہیں، عمر کا خاتمہ تو کر دیتے ہیں لیکن عشق وہ بلا ہے جو خاتمہ بھی نہیں کرتا اور زندہ بھی نہیں رہنے دیتا۔ (ابتلائے عشق)

ہو چکیں غالبؔ بلائیں سب تمام
ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

یعنی سوائے مرگِ ناگہانی کے اور کوئی ایسی مصیبت نہیں تھی جو مجھ پر نہ آئی ہو۔ (کثرتِ مصائب و آلام)

(۱۶۱)

کوئی اُمید بر نہیں آتی
کوئی صورت نظر نہیں آتی

یعنی نہ امید بر آتی ہے نہ ایسی صورت نظر آتی ہے جو امید بر لائے۔ (عالمِ یاس)

موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

یعنی یہ حال ہے کہ موت آتی ہے نہ نیند آتی ہے۔ (اضطرابِ فراق)

آگے آتی تھی حالِ دِل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

یعنی یوں تو مجھے کسی بات پر بھی ہنسی نہیں آتی البتہ دل کی حالت پر ہنسی آ جاتی تھی کیونکہ اس کی حرکتیں دیوانوں کی سی ہیں۔ لیکن اب کمالِ ضعف و ناتوانی سے یہ حال ہے

کہ اس پر بھی ہنسی نہیں آتی۔ (بیانِ ناتوانی)

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

یعنی مجھے طبعاً طاعت و زہد سے لگاؤ نہیں ہے۔ (ازعشرتِ فطری)

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں
ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

یعنی میرا کچھ کہنا باعثِ رسوائی ہے یا موجبِ برہمیٔ معشوق ہوگا۔ لہذا خاموش ہوں۔
(پاسِ خاطرِ محبوب)

کیوں نہ چیخوں کہ یاد کرتے ہیں
میری آواز گر نہیں آتی

یعنی محبوب کو میری گریہ و زاری مرغوب ہے۔ پہلو سے معرفت یہ ہے کہ محبوبِ حقیقی
کو گریہ و زاری پسند ہے۔ بیخوائے، ھٰذا مِنْ مُسْتَقِیْم۔ (زاری پسندیٔ محبوب)

داغِ دل گر نظر نہیں آتا
بو بھی اے چارہ گر نہیں آتی؟

یعنی داغِ عشق نظر نہیں آتا لیکن اس کے آثار تو عیاں ہیں۔ (عدمِ امکانِ اخفائے
عشق یا شکوہ تغافل)

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی

یعنی خیالِ محبوب میں کچھ ایسے کھوئے ہیں کہ اپنی بھی سدھ نہیں۔ (محویتِ تصور)

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی
موت آتی ہے پر نہیں آتی

یعنی ہر چند چاہتا ہوں پر موت نہیں آتی۔ (تلخیِ زیست)

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

یعنی عزمِ کعبہ وہ ارادہ ہے جو نکوکار ہو۔ ہم جیسے گنہگاروں کو تو عزمِ حج کرتے ہوئے شرمندہ ہونا چاہیے۔ (اعترافِ گناہ)

(۱۶۲)

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے؟
آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟

یعنی دردِ عشق کچھ ایسا درد ہے کہ نہ اس مرض کا سبب معلوم نہ علاج معلوم۔ (بے دوائیِ دردِ عشق)

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار
یاالٰہی یہ ماجرا کیا ہے!

یعنی اشتیاق کا جواب بیزاری عجیب بات ہے۔ (شکوۂ تغافلِ محبوب)

میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں
کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے

یعنی مجھے عرضِ مدعا کی حسرت ہی رہی۔ محبوب نے کبھی حال نہ پوچھا۔ (شکوۂ بے نیازی)

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟
یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں
غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے؟
شکنِ زلفِ عنبری کیوں ہے؟
نگہِ چشمِ سرمہ سا کیا ہے؟
سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں؟
ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے؟

اشعارِ بالا میں اس امر پر اظہارِ حیرت کیا گیا ہے کہ یہ تمام ہنگامہ ہائے دہر یا کثرتِ حیا ذاتِ واحد سے کس طرح معرضِ وجود میں آگئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ذاتِ حق کے باب میں یہی استعجاب ہے جو دور نہیں ہوتا۔ لیکن اگر یہ دور ہو سکتا تو ہستی واجب کی کُنہ کا پا لینا اتنا دشوار کیوں ہوتا۔ دشواری تو یہی ہے کہ مظاہرِ حق نہ عینِ ذات ہیں نہ خارج از ذات۔ اور یہی وہ صفت ہے جو اللہ کو غیر اللہ سے جدا کرتی ہے۔ بقولِ سعدی:

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہر چہ دیدہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر
ما ہمچناں در اولِ وصفِ تو ماندہ ایم

(صمدیتِ ذاتِ حق)

ہم کو اُن سے وفا کی ہے امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

ظاہر ہے کہ وفا کی قدر وہی جانتا ہے جو محتاجِ وفا ہو لیکن محبوبانِ مجازی تو وفا سے مشتاق

ہے بے نیازی میں اور تقریرِ مدعا سے بے خبر لہٰذا ایسوں سے امیدِ وفا بے کار ہے۔

(شکایتِ بے وفائی محبوباں)

ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا
اور درویش کی صدا کیا ہے

یعنی فقیر بجز دعا و التجائے التفات، اور کیا کر سکتا ہے۔ (اظہارِ بیکسی و التجائے التفات)

جان تم پر نثار کرتا ہوں
میں نہیں جانتا دعا کیا ہے

جان دینا عطا ہے اور دعا کرنا طلب۔ یعنی میرا فرض جان دینا ہے کچھ طلب کرنا نہیں

اب جو تیرا فرض ہے وہ تو انجام دے۔ (اظہارِ فدویت)

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالبؔ
مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے

یعنی غالب کی خوبی یہ ہے کہ وہ مفت ملتا ہے (بے غرض ہے) اسے اپنانے میں توقف

کیوں ہو۔ (تفویضِ خویشتن، یا التجائے التفات)

(۱۶۳)

کہتے تو ہو تم سب کہ بتِ غالیہ مو آئے
اک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وو آئے

یعنی جی چاہتا ہے کہ محبوب کے آنے کی "تمنا" نہیں، بلکہ "خبر" سنوں۔ (حسرتِ دید)

ہوں کشمکشِ نزع میں ہاں جذبِ محبت
کچھ کہہ نہ سکوں پر وہ مرے پوچھنے کو آئے

یعنی مرتے دم بھی میری آرزو یہی ہے کہ محبوب میری مزاج پرسی کو آجائے خواہ مجھ میں بولنے کی طاقت نہ ہو۔ شاید اس خیال سے کہ جب حال ظاہر ہو تو اظہار کی ضرورت نہیں رہتی۔ (عرضِ حال و حسرتِ التفات)

ہے صاعقہ و شعلہ و سیماب کا عالم
آنا ہی سمجھ میں مری آتا نہیں گو آئے

یعنی محبوب کا آنا بجلی، شعلہ یا پارہ کی طرح ایک اضطرابی کیفیت سے ہوتا ہے کہ وہ آئے بھی تو آنا معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ آنے کے ساتھ ہی معاً جانا ہو جاتا ہے۔ (کم فرصتیِ جلوہ)

ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے نکیرین
ہاں منہ سے مگر بادۂ دوشینہ کی بو آئے

یعنی نکیرین سوال کیے بغیر نہ چھوڑیں گے البتہ ایک صورت ہے کہ منہ سے شراب شب کی بو آتی ہو تو وہ گھبرا کے چلے جائیں گے۔ (شوخیِ رندانہ)

جلاد سے ڈرتے ہیں نہ واعظ سے جھگڑتے
ہم سمجھے ہوئے ہیں اسے جس رنگ میں جو آئے

یعنی اختیارِ عشق کے باب میں نہ نقصانِ جان کا اندیشہ ہے اور نہ فائدہ کا خیال۔ اب کوئی دشمن بن کر آئے یا دوست بن کر۔ ہمارے نزدیک دونوں کی غرض ایک ہے اور وہ ترکِ محبت پر مجبور کرنا ہے جو ہم پہلے ہی سے جانتے ہیں لہٰذا ہم پر نہ تہدید کا اثر ہوگا نہ پند کا۔ (عزمِ اختیارِ عشق)

ہاں اہلِ طلب کون سُنے طعنۂ نایافت
دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے

یعنی محبوب کے نہ ملنے پر طعنۂ نایافت سے بچنے کے لیے ہم نے خود کو ہی کھو دیا جب ہم ہی نہ رہے تو کوئی طعنہ کیسے دے گا۔ (خود فراموشی طالبین حق)

اپنا نہیں وہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں
اس در پہ نہیں بار تو کعبہ ہی کو ہو آئے

یعنی مقدم آستانۂ محبوب ہے جب وہ نہیں ملتا وہ کعبہ کا رخ کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ اعمال شریعت کی بجا آوری ذریعہ ہے لقائے حق کا اصل مقصد نہیں ہے۔ (طلب محبوب حقیقی)

کی ہم نفسوں نے اثر گریہ میں تقریر
اچھے رہے آپ اس سے مگر مجھ کو ڈبو آئے

تقریر کرنا: بمعنی اختلاف کرنا: ڈبو دینا: بمعنی خسارے سے دوچار کر دینا۔
یعنی میرے رقیبوں نے محبوب کے سامنے یہ بیان کیا کہ رونے کا کسی پر کچھ اثر نہیں ہوتا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے میرے گریہ و فریاد کو نظر انداز کر دیا۔ میں نامراد رہ گیا اور یہی وہ چاہتے تھے ان کا کام بن گیا۔ (بے اثری نالہ) یا (منافقی رقیب)

اس انجمن ناز کی کیا بات ہے غالب
ہم بھی گئے واں اور تری تقدیر کو رو آئے

یعنی محفل محبوب کی دلکشائی و ناز آفرینی کا کیا کہنا۔ لیکن غالب کی تقدیر کا رونا ہے کہ وہ محروم ہی رہا۔ (حرماں نصیبی)

(۱۶۳)

پھر کچھ اک دل کو بیقراری ہے   سینہ جویائے زخم کاری ہے

پھر جگر کھودنے لگا ناخن
آمدِ فصلِ لالہ کاری ہے
قبلۂ مقصدِ نگاہِ نیاز
پھر وہی پردۂ عماری ہے
چشمِ دلّالِ جنسِ رسوائی
دل خریدارِ ذوقِ خواری ہے
وہی صد رنگ نالہ فرسائی
وہی صد گونہ اشکباری ہے
دل ہوائے خرامِ ناز سے پھر
محشرستانِ بےقراری ہے
جلوہ پھر عرضِ ناز کرتا ہے
روزِ بازارِ جاں سپاری ہے
پھر اسی بے وفا پہ مرتے ہیں
پھر وہی زندگی ہماری ہے
پھر کھلا ہے درِ عدالتِ ناز
گرم بازارِ فوجداری ہے
ہو رہا ہے جہان میں اندھیر
زلف کی پھر سرشتہ داری ہے
پھر دیا پارۂ جگر نے سوال
ایک فریاد و آہ و زاری ہے
پھر ہوئے ہیں گواہِ عشق طلب
اشکباری کا حکم جاری ہے
دل و مژگاں کا جو مقدمہ تھا
آج پھر اس کی روبکاری ہے

بے خودی بے سبب نہیں غالبؔ
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

یہ غزل ایک نظم مسلسل ہے مختصر مضمون ہر شعر کا یہ ہے:

پھر دل بے قرار ہے اور سینہ طالبِ زخم ہے۔

فصلِ بہار کی آمد آمد ہے اور زخمِ جگر تازہ ہو رہے ہیں۔

آرزو بھری نگاہیں پھر پالکی کے پردہ پر جمی جاتی ہیں۔

آنکھیں، رسوائی کا سودا کرا رہی ہیں اور دل ذلت کی خریداری پر آمادہ ہے۔

پھر وہی نالہ و اشکباری جاری ہے۔

اور پھر دل کسی کی رفتار دیکھ کر بے قرار ہے۔

اور ادھر سے ناز کا اور ادھر سے جاں سپاری کا نظارہ ہو رہا ہے۔

پھر اسی بے وفا پر مر رہا ہوں اور مرنے کو زندگی سمجھتا ہوں۔

پھر اس کی عدالتِ ناز میں مقدماتِ فوجداری دائر ہیں۔

اور پھر اس کی زلفوں نے دنیا میں اندھیر مچا رکھا ہے۔

پھر جگر مبتلائے غمِ عالم اور فریاد خواہ ہے۔ (سوال دینا بمعنی استغاثہ کرنا)

پھر آنسوؤں کو شہادتِ عشق کے لیے طلب کیا گیا ہے۔

دل و نگاہ کا جو معاملہ تھا وہ آج پھر درپیش ہے۔

اور یہ جو بے خودی لاحق ہے وہ گویا انھیں حالاتِ پیش آمدہ کی پردہ داری کے لیے ہے۔ (بیانِ وارداتِ عشق)

۱۶۵

جنوں تہمت کشِ تسکیں نہ ہو، گر شادمانی کی
نمک پاشِ خراشِ دل ہے لذت زندگانی کی

شادمانی کی = یعنی خوشی حاصل ہوئی۔ یعنی اگر ہم حالتِ جنون میں خوش ہونے لگ جائے تو جنون پر تسکین کی تہمت نہ لگائی جائے۔ کیونکہ زندگی کا کوئی مزہ ہو، جب ملتا ہے تو وہ خلشِ دل میں اور اضافہ کر دیتا ہے۔ (دوامِ اضطراب)

کشاکش ہائے ہستی سے کرے کیا سعیِ آزادی
ہوئی زنجیر، موجِ آب کو، فرصت روانی کی

دوسرے مصرعہ کی نثر یوں ہوگی : موجِ آب کے لیے روانی کی فرصت زنجیر ہوئی۔ یعنی زندگی کی جکڑ بندیوں سے نجات کی خواہش بےکار ہے۔ کیونکہ زندگی نام ہی جکڑ بندیوں کا ہے۔ چنانچہ دیکھو پانی کی موج کو جب روانی کی آزادی ملی تو یہی امر اس کے لیے زنجیر بن گیا۔ (دوامِ کشمکشِ زندگی)

پس از مردن بھی دیوانہ زیارت گاہِ طفلاں ہے
شرارِ سنگ نے تربت پہ میری گلفشانی کی

یعنی مرنے کے بعد بھی جنون کا اثر مجھ پر مسلط ہے کہ لڑکے میری قبر پر پتھر برساتے ہیں اور اس کے شرار گلفشانی کرتے ہیں۔ (دوامِ جنونِ عشق)

(۱۶۶)

نکوہش ہے سزا فریادیِ بیدادِ دلبر کی
مبادا خندۂ دنداں نما ہو صبحِ محشر کی

خندۂ دنداں نما : یعنی خندۂ ملامت و حقارت۔ یعنی محبوب کی سختیوں کے خلاف فریاد کرنا قابلِ سرزنش ہے۔ اس لیے اندیشہ ہے کہ مبادا محشر کی صبح بھی اہلِ فریاد کی ہنسی اڑائے۔ (تسلیم صبر و رضا) یا (مذمتِ جزع و فزع)

رگِ لیلیٰ کو خاکِ دشتِ مجنوں ریشگی بخشے
اگر بووے بجائے دانہ دہقاں نوکِ نشتر کی

ریشگی : زخم خوردگی۔ یعنی مجنوں کی محبت لیلیٰ پر کچھ ایسی اثر انداز ہے کہ اگر صحرائے مجنوں میں نوکِ نشتر کو گاڑا جائے تو یہاں جبکہ صحرا کو مجنوں سے نسبت ہے لیلیٰ کی رگوں میں خون بہہ نکلے۔ (مبالغۂ عشق)

پرِ پروانہ شاید بادبانِ کشتیِ مے تھا
ہوئی مجلس کی گرمی سے روانی دورِ ساغر کی

جہاں پروانہ ہے وہاں شمع ہے اور جہاں شمع ہے وہاں گرمیِ محفل ہے اور جب محفل گرم ہو تو ساغر کے دور بھی چلتے ہیں۔ پس یوں کہنا چاہیے کہ پروانہ کا پر کشتیِ مے کا بادبان ہے۔ (تلازمِ نشاطِ محفل با دورِ ساغر)

کروں بیدادِ ذوقِ پرفشانی عرض کیا قدرت!
کہ طاقت اڑ گئی اڑنے سے پہلے میرے شہپر کی

یعنی میرے پروں میں پرواز کی طاقت نہیں اور پرواز کا شوق ہے۔ اب اس شوق کی بدولت۔ بسمل کے عالم میں جو مجھ پر گزرتی ہے وہ ناقابلِ بیان ہے۔ (تمنّی حسرتِ پرواز)

کہاں تک روؤں اس کے خیمے کے پیچھے قیامت ہے،
مری قسمت میں یا رب کیا نہ تھی دیوار پتھر کی

یعنی کاش خیمہ کی بجائے پتھر کی دیوار ہوتی کہ سر پھوڑ کر اپنا خاتمہ کر لیتا۔ (عالمِ یاس و بیزاریٔ زیست)

(۱۲۷)

بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے
جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے

یعنی حدِ اعتدال سے جس قدر زیادہ تجاوز ہوگا اتنے ہی بے قدری و سبکی زیادہ ہوگی۔ (تعلیمِ رعایتِ اعتدال)

پنہاں تھا دام سخت قریب آشیان کے
اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

مطلب یہ کہ آزادی سے گرفتاری میں کچھ زیادہ دیر نہیں لگی۔ (ابتلائے ناگہانیٔ عشق)

ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے
یاں تک مٹے کہ آپ ہی اپنی قسم ہوئے

واضح ہو کہ ایک قسم ہوتا ہے اور ایک مقسم بہٖ۔ قسم کا وجود خارج میں کچھ نہیں۔ البتہ مقسم بہ کا وجود ہوتا ہے۔ شاعر خود کو قسم کہتا ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ اس کا وجود خارج میں کچھ نہیں۔ اور ہستی کا قسم ہونا دلیل ہے ان کے فنا کی۔ پھر یہ بھی ہے کہ قسم کھا کر کسی بات کو ثابت کرنا خود اس امر کی دلیل ہے کہ وہ شے مشہود و موجود نہیں ہے۔ علاوہ اس کے رند و وارستہ مزاج کی قسم کا کچھ اعتبار بھی نہیں اور وہ ایسی ہی ہے جیسے انسان کا وجود بے بود۔ واللہ اعلم۔ (ہستیٔ بے ابقا انسان)

سختی کشانِ عشق کی پوچھے ہے کیا خبر
وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے

یعنی اہلِ عشق کثرتِ آلام سے مجسم الم بن جاتے ہیں۔ (کثرتِ آلام)

تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں
تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے

یعنی اہلِ عشق محبوب کی سختیوں کے علاوہ اور طرح بھی نشانۂ ستم بن جاتے ہیں۔ مثلاً طعنۂ اغیار، ملامتِ احباب وغیرہ۔ (مصائبِ راہِ عشق)

لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خونچکاں
ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

یعنی محبت کے دردناک حالات لکھنے میں وہ کمال دکھلایا ہے کہ ہاتھ کٹوا دیے گئے

گویا نہ ایسا کوئی لکھ سکا اور نہ ہم آئندہ ایسا لکھ سکتے ہیں۔ (تعلّی ترجمانی جذبات)

اللہ رے تیری تندیِ خو جس کے بیم سے
اجزائے نالہ دل میں مرے رزقِ ہم ہوئے

یعنی تیری تند مزاجی کے خوف سے رویا بھی نہیں جا سکتا۔ نالہ دل میں اٹھتا ہے پھر دوسرا اٹھ کر اسے دبا دیتا ہے اسی طرح گویا ایک نالہ دوسرے کی غذا بن جاتا ہے اور باہر نہیں نکلتا۔ (ضبطِ نالہ)

اہلِ ہوس کی فتح ہے ترکِ نبردِ عشق
جو پاؤں اٹھ گئے وہی ان کے علم ہوئے

یعنی اہلِ ہوس کا میدانِ عشق سے بھاگ نکلنا ہی ان کی فتح ہے۔ لہذا بھاگنے کے لیے جو پاؤں اٹھا گویا ان کی فتح کا جھنڈا بلند ہو گیا۔ گویا اہلِ ہوس کا کمال یہ ہے کہ وہ نااہلِ عشق ہوں۔ (نااہلیت اہلِ ہوس)

نالے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے
جو واں نہ کھنچ سکے سو وہ یاں آ کے دم ہوئے

دم: بمعنی نفس۔ یعنی نالہ و فریاد ازل سے ہمارے مقدر میں ہے۔ عدم میں نالہ نہ کر سکے تھے تو وہ اس جہان میں بہ شکلِ نفس جاری ہیں۔ گویا ہر سانس ایک نالہ ہے۔ (نسبت ازلی با غمِ عشق)

چھوڑی اسدؔ نہ ہم نے گدائی میں دل لگی
سائل ہوئے تو عاشقِ اہلِ کرم ہوئے

یعنی گو فقیر ہوں لیکن چونکہ طبیعت عاشقانہ ہے اس لیے میں نے گدائی کو بھی عاشقی میں

یوں سمجھا کہ اہلِ کرم کا عاشق بن گیا تاکہ گدائی سے عشق بازی میں خلل نہ آئے۔ (مذمتِ عاشقی)

(١٦٨)

جو نہ نقدِ داغِ دل کی کرے شعلہ پاسبانی
تو فسردگی نہاں ہے بہ کمینِ بے زبانی

شعلہ: استعارہ سوزِ باطن۔ یعنی میری خاموشی میں افسردہ دلی چھپی ہوئی ہے۔ یہ افسردگی داغِ دل کی دولت کو چھپا لیتی لیکن مشکل یہ ہے کہ سوزِ باطن اس داغ کی حفاظت کر رہا ہے اور اسے مٹنے نہیں دیتا۔ (دوامِ سوزِ غمِ عشق)

مجھے اس سے کیا توقع بہ زمانۂ جوانی
کبھی کودکی میں جس نے نہ سنی مری کہانی

یعنی جس عمر میں کہانی سننے کا شوق ہوتا ہے جب اسی وقت میری کہانی نہ سنی تو اب کہ محبوب جوان ہے میری کہانی کب سنے گا۔ (بے نیازیِ معشوق)

یونہی دکھ کسی کو دینا نہیں خوب ورنہ کہتا
کہ مرے عدو کو یارب ملے میری زندگانی

یہ جو کہا جاتا ہے کہ یہ دکھ جو مجھے ہے خدا دشمن کو بھی نہ دے۔ اسی خیال کو شاعر نے بطرزِ طرفہ ادا کیا ہے۔ (بیانِ حالتِ زارِ خویشتن)

(١٦٩)

ظلمت کدے میں میرے شبِ غم کا جوش ہے
اک شمع ہے دلیلِ سحر سو خموش ہے

یعنی میرا گھر اس قدر تاریک ہے کہ اس میں شبِ غم کی سی تاریکی ہے۔ یہاں تک کہ

صبح کا نشان تک نہیں۔ سوا اس کے کہ بجھی ہوئی شمع کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ صبح ہے۔ ظاہر ہے کہ شمع خاموش خود اسباب تاریکی میں سے ہے گویا روشنی کی جو دلیل ہے وہی خود تاریکی کا سبب بھی ہے۔ اس سے تاریکی کا اندازہ لگاؤ۔ (بیان تاریکی شبِ غم)

نے مژدۂ وصال نہ نظارۂ جمال
مدت ہوئی کہ آشتیِ چشم و گوش ہے

یعنی کان مژدۂ وصال سنتے تو آنکھیں رشک کرتیں اور آنکھیں نظارۂ جمال کرتیں تو کان رشک کرتے۔ اب دونوں میں سے کسی کو باہم رشک و رقابت نہیں کہ نہ مژدۂ وصال ہے نہ نظارۂ جمال۔ (بیان مہجوری)

مے نے کیا ہے حسنِ خود آرا کو بے حجاب
اے شوق یاں اجازتِ تسلیمِ ہوش ہے

یعنی شراب سے خوش وقت ہو کر محبوب خود آرا بے حجاب ہو گیا ہے۔ اب اہلِ شوق کو ہوش و حواس سے ہاتھ دھو لینا چاہیے اور اب ہر وہ حرکت جائز ہے جو ہوشمندی کے منافی ہے۔ (ہوش ربائی جمال)

گوہر کو عقدِ گردنِ خوباں میں دیکھنا
کیا اوج پر ستارۂ گوہر فروش ہے

مصرعِ اولیٰ مبتدا ہے اور مصرعِ ثانی خبر ہے۔ یعنی گوہر فروش کیا بلند اختر ہے کہ اپنے موتی کو حسینوں کے گلے کے ہار میں دیکھ رہا ہے۔ (فخرِ نسبت با محبوب)

دیدار، بادہ، حوصلہ، ساقی، نگاہِ مست
بزمِ خیال میکدۂ بے خروش ہے

یعنی تصور میں جمالِ محبوب، شراب، بت، ساقی اور مست آنکھیں ان سب سے ایک خاموش سے خمار کی سی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ (عیشِ تصور)

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل
زنہار اگر تمہیں ہوسِ نائے و نوش ہے
دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے
ساقی بجلوہ دشمنِ ایمان و آگہی
مطرب بہ نغمہ رہزنِ تمکین و ہوش ہے
یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط
دامانِ باغبان و کفِ گل فروش ہے
لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ
یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے
یا صبحدم جو دیکھیے آکر تو بزم میں
نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے
داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اِک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

یعنی اے طبیعت کے منچلے لوگو اگر تمہیں نغمہ و شراب کا شوق ہے تو مجھے دیکھ کر عبرت پکڑو اور میری نصیحت سنو کہ

ساقی عقل و ایمان کا دشمن ہے اور مطرب وقار و ہوش کا رہزن ہے۔ عیش کی

دامنوں میں جہاں پھول اس کے فرش ہیں اور
ساقی کا جلوہ اور سارنگی کی آواز جنت و فردوس کا سماں پیش کرتی ہے۔
وہاں صبح کے وقت تمام عیش و نشاط درہم برہم ہو جاتا ہے
اور صبح کو بجھی ہوئی شمع کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔
مطلب یہ ہے کہ عیش و نشاط اس درجہ ناپائیدار ہے کہ اس کی ہوس فضول اور دور
از کار ہوگی۔ (ذکر ناپائداری فرصت عیش)

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے

یعنی میرے قلم کی آواز گویا غیبی فرشتے کی آواز ہے کہ اس سے غیبی مضامین مترشح
ہوتے ہیں۔ بقول، الشعراء تلامذۃ الرحمٰن۔ (ماورائیت تخیل)

(۱۷۰)

آہ کہ میری جان کو قرار نہیں ہے
طاقت بیداد انتظار نہیں ہے

یعنی میں اس قدر خستہ حال ہوں کہ انتظار کی سختی کو نہیں جھیل سکتا۔ (انتہائے محرومی)

دیتے ہیں جنت حیات دہر کے بدلے
نشہ باندازۂ خمار نہیں ہے

یعنی مصائب زندگی اس قدر زیادہ ہیں کہ جنت کی نعمتیں اس کا پورا معاوضہ نہیں
ہو سکتیں۔ (مبالغۂ آلام دہر)

گریہ نکالے ہے تیری بزم سے مجھ کو
ہائے کہ رونے پہ اختیار نہیں ہے

یعنی مشکل یہ ہے کہ رونا میرے بس میں نہیں اور روتا ہوں تو محفلِ محبوب سے نکال دیا جاتا ہوں۔ (اضطرار و اضطراب)

ہم سے عبث ہے گمانِ رنجشِ خاطر
خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے

خاک: بمعنی طینت۔ غبار بمعنی رنجشِ خاطر۔ یعنی عشاق کی طینت میں ہی رنجشِ خاطر نہیں ہے پھر اس کا اندیشہ کیوں ہو۔ (رضا و انکسار)

دل سے اٹھا لطفِ جلوہ ہائے معانی
غیرِ گُل آئینۂ بہار نہیں ہے

یعنی مضامینِ عالیہ سے دل اس طرح شگفتہ ہوتا ہے جس طرح بہار سے پھول۔ لہٰذا مضامین کا جلوہ دیکھنا ہے تو دل میں دیکھ اور بہار کا جلوہ پھول میں۔ (دلکشائی جلوۂ مضامین)

قتل کا مرے عہد تو کیا ہے بارے
وائے اگر عہد استوار نہیں ہے

یعنی اگر محبوب نے قتل کا ارادہ کیا ہے تو کاش وہ اسے پورا ہی کرے۔ اندیشہ یہ ہے کہ مبادا وہ اپنی عادت ناستوارئ عہد کے تحت اس ارادہ کو بھی پورا نہ کرے۔
(ذوقِ جانفروشی)

تو نے قسم میکشی کی کھائی ہے غالبؔ
تری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

یعنی ذوقِ مے گساری اس درجہ کا ہے کہ اگر غالب ترکِ مے کی قسم بھی کھائے تو اس کا اعتبار نہ کرنا چاہیے۔ (اظہارِ کمالِ ذوقِ مے گساری)

(۱۷۱)

بہجومِ غم سے یاں تک سرنگونی مجھ کو حاصل ہے
کہ تارِ دامن و تارِ نظر میں فرق مشکل ہے

یعنی اتنا سرنگوں ہوں کہ میری نظر تارِ داماں پر اس طرح جم کر رہ گئی ہے کہ ان دونوں میں امتیاز نہیں رہا۔ (مبالغۂ حزن)

رفوئے زخم سے مطلب ہے لذت زخمِ سوزن کی
سمجھیو مت کہ پاسِ درد سے دیوانہ غافل ہے

یعنی دیوانۂ عشق درد سے مایوس ہونا نہیں چاہتا۔ چنانچہ زخم کا رفو بھی آرام کے لیے نہیں کراتا بلکہ زخمِ سوزن کی لذت کے لیے۔ (ذوقِ جراحت)

وہ گل جس گلستاں میں جلوہ فرمائی کرے غالب
چٹکنا غنچۂ گل کا صدائے خندۂ دل ہے

یعنی وہ محبوب اگر کسی باغ میں جائے اور کلی چٹکے تو یہ سمجھو کہ باغ کا دل شادمانی میں ہنس رہا ہے۔ گویا باغ کا باغ دلشاد و مسرور ہے۔ (نشاطِ جلوۂ محبوب)

(۱۷۲)

پا بہ دامن ہو رہا ہوں بسکہ میں صحرا نورد
خارِ پا ہیں جوہرِ آئینۂ زانو مجھے

یعنی مجھ صحرا نوردی کو جو دامن میں پاؤں سمیٹ کر بیٹھنا پڑا ہے تو میں ایسا بیٹھا ہوں کہ گویا میرے آئینۂ زانو کے جوہر کانٹوں کی طرح میرے پاؤں میں چبھ رہے ہیں اور مجھے صحرا نوردی کے لیے اکسا رہے ہیں۔ (ذوقِ صحرا نوردی)

دیکھنا حالت مرے دل کی ہم آغوشی کے وقت
ہے نگاہِ آشنا تیرا سرِ ہر مو مجھے

یعنی ہم آغوشی کے وقت تیرے جسم کا ایک ایک رونگٹا دل پر وہ اثر کرتا ہے جو معشوق کی نگاہ کرتی ہے۔ (سرشاری محبت)

ہوں سراپا سازِ آہنگِ شکایت کچھ نہ پوچھ
ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھیڑے تو مجھے

مطلب یہ ہے کہ میں بھرا بیٹھا ہوں، مجھے چھیڑا تو میں پھوٹ پڑوں گا۔ (دردمندی دل)

(۱۶۳)

جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آوے
جاں کالبدِ صورتِ دیوار میں آوے

یعنی تیری تقریر ایسی جان بخش ہے کہ دیوار پر بنی ہوئی تصویر میں بھی جان پڑ جاتی ہے۔ (دل افروزئ تقریر محبوب)

سایہ کی طرح ساتھ پھریں سرو و صنوبر
تو اس قدِ دلکش سے جو گلزار میں آوے

یعنی تیری رفتار میں ایسی دلکشی ہے کہ اگر باغ میں تیرا گزر ہو تو سرو و صنوبر تیرے ساتھ چلنے لگیں۔ بقول:

سرو در باغ خلعہ است بیک پائے نگر　　بہ رکاب تو دود گردش پائے دگر

(دلبری و دلکشی رفتار)

تب نازِ گرانمایگئ اشک بجا ہے
جب لختِ جگر دیدۂ خونبار میں آوے

یعنی آنسو قابلِ قدر جب ہے کہ اس کے ساتھ جگر کا ٹکڑا بھی باہر آ جائے ۔

(قدرِ گریۂ جگر دوز)

دے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ ستمگر
کچھ تجھ کو مزہ بھی مرے آزار میں آوے

یعنی بغیر آہ و نالہ و فریاد تجھے کیسے معلوم ہو کہ تیرے جور و ستم کا کچھ اثر بھی ہوا ہے

(حسرتِ فریاد)

اس چشمِ فسوں گر کا اگر پائے اشارہ
طوطی کی طرح آئینہ گفتار میں آوے

یعنی اگر تیری آنکھوں کا اشارہ ہو تو آئینہ بھی جس کی صفت حیران اور لازمۂ خاموشی ہے بولنے لگے ۔ (افسوں گریٔ چشم)

کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یارب
اک آبلہ پا وادیٔ پُرخار میں آوے

یعنی کانٹے پیاسے ہیں خدا کرے کوئی آبلہ پا آئے کہ کانٹوں کی زبان تر کرے ۔

(شکوۂ نایابیٔ وحشت زدگاں)

مر جاؤں نہ کیوں رشک سے جب وہ تنِ نازک
آغوشِ خمِ حلقۂ زنار میں آوے

یعنی محبوب کا حلقۂ زنار کی آغوش میں آنا میرے لیے باعثِ رشک ہے ۔ (وبالِ زر رشک)

غارت گرِ ناموس نہ ہو گر ہوسِ زر
کیوں شاہدِ گل باغ سے بازار میں آوے

یعنی پھولوں کا بازار میں آنا ظاہر کرتا ہے کہ ہوسِ زر نے اسے بے آبرو کر دیا ہے ہوس اس لیے کہا ہے کہ پھول پہلے ہی زرِ گل سے پُر ہوتا ہے۔ (مذمت ہوسِ زر)

تب چاک گریباں کا مزا ہے دلِ ناداں!
جب اک نفس الجھا ہوا ہر تار میں آوے

یعنی دیوانگی کا کمال تب ہے کہ جان کا بھی زوال ہو۔ (جاں فرسائی حزن)

آتش کدہ ہے سینہ مرا رازِ نہاں سے
اے وائے اگر معرضِ اظہار میں آوے

یعنی اگر میرا راز ظاہر ہو گیا تو دنیا کو جلا کر راکھ کر دے گا۔ (سوزناکیٔ رازِ عشق)

گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھیے
جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آوے

یعنی میرے اشعار کا ہر لفظ گنجینۂ مضامین کا ایک طلسم ہے کہ اس پر قدرت پانا (سمجھنا) مشکل ہے لیکن اگر پا لیا (سمجھ لیا) تو گویا خزانہ ہاتھ آ گیا (مشکل پسندی و تحسینِ کلامِ غالب)

(۱۷۴)

حسنِ مہ گرچہ بہ ہنگامِ کمال اچھا ہے
اس سے میرا مہِ خورشید جمال اچھا ہے

محبوب کو خورشید سے تشبیہ دیتے ہوئے چاند سے افضل بتایا ہے کیونکہ چاند اپنے حسن میں وقتِ کمال کا محتاج ہے اور سورج ہر وقت کامل ہے۔ (دعویٔ تکمیل حسنِ محبوب)

بوسہ دیتے نہیں اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ
جی میں کہتے ہیں کہ مفت آئے تو مال اچھا ہے

یعنی محبوب صرف دل لینے کے درپے ہے ۔
(دلبری صفت)

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
ساغرِ جم سے مرا جامِ سفال اچھا ہے

یعنی میرا جامِ سفال جامِ جم سے بہتر ہے کہ اس کا حصول آسان ہے اور اتلاف گراں خاطر نہیں ۔ (تقدیبِ عاشقی)

بے طلب دیں تو مزہ اس میں سوا ملتا ہے
وہ گدا جس کو نہ ہو خوئے سوال اچھا ہے

یعنی عطا بے طلب ہو تو گدا کی بھی توقیر ہے ۔ (حسنِ طلب)

ان کے دیکھے سے جو آ جاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

یعنی میں محبوب کو اپنا حالِ زار دکھانے سے مجبور ہوں کیونکہ جب وہ آتا ہے اور میں اسے دیکھتا ہوں تو میری حالت وقتی طور پر اچھی ہو جاتی ہے اور اس طرح اس کے فیض عطوفت سے محروم رہ جاتا ہوں ۔ بقول :

گفتہ بودم چو بیائی غمِ دل با تو بگویم — چہ بگویم کہ غم از دل برود چوں تو بیائی
(حسرتِ عرضِ حال) (سعدی)

دیکھیے پاتے ہیں عشاق بتوں سے کیا فیض
اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

یعنی اہلِ عشق کے نزدیک سال یا وقت کا اچھا ہونا صرف یہ ہے کہ معشوق مہربان ہو ۔ برہمن کی اس پیش گوئی کو بھی کہ یہ سال اچھا ہے ، عاشق اسی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے ۔ بقول

بلکہ خواب میں کھیچ پڑے ۔ (رجائیتِ عشاق)

ہم سخن تیشے نے فرہاد کو شیریں سے کیا
جس طرح کا بھی کسی میں ہو کمال اچھا ہے

یعنی حصولِ مقاصدِ عالیہ کے لیے اہلِ کمال ہونا شرط ہے خواہ وہ کسی ہنر میں بھی ہو۔ چنانچہ تیشہ زنی اگرچہ ادنیٰ ناس کا پیشہ ہے لیکن اس میں کمال کے باعث فرہاد کا ذکر شیریں کے ساتھ کیا جانے لگا۔ کسبِ کمال کن کہ عزیزِ جہاں شوی (عظمتِ اہلِ کمال)

قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے
کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مآل اچھا ہے

یعنی قطرہ کا دریا میں مل جانا گو بظاہر قطرہ کی بربادی ہے لیکن قطرہ کا اچھا انجام بھی ہے۔ (خوبیِ خاتمۂ حیات)

خضر سلطان کو رکھ خالقِ اکبر سرسبز
شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال اچھا ہے

یعنی فرزندِ شاہ خضر سلطان جو شاہی خاندان کا نونہال ہے سرسبز و بامراد ہے۔ (تہنیتِ ولادتِ خضر سلطان)

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

یعنی جنت بوجہ عدم استحقاق کے ہمارے لیے ایک خیالی چیز ہے لیکن یہ خیال یاس کا آسرا اچھا ہے کہ اس کی امید پر دل خوش ہے۔ (یاس و قنوط)

۱۷۵

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی
امتحاں اور بھی باقی ہوں تو یہ بھی نہ سہی

یعنی جان دے دینا ایک ایسا امتحانِ وفا ہے کہ اس کو یہ بھی نہ سہی کہہ کر کسی اور امتحان کے لیے آمادہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اس کے بعد اور کوئی امتحان باقی نہیں رہتا۔ مطلب یہ ہے کہ اس سے بڑا کوئی اور امتحان ہو تو ہم اس کے لیے بھی تیار رہتے۔ (درگزشتنی جاں)

خار خار الم حسرت دیدار تو ہے
شوق گل چین گلستان تسلی نہ سہی

یعنی تسکینِ شوق کا سامان (دیدِ محبوب) میسر نہیں تو نہ سہی الم حسرت دیدار تو ہے کہ اس میں بجائے خود ایک لذت ہے۔ (تسلیم و تفویض)

مے پرستاں! خم مے منہ سے لگائے ہی بنے
ایک دن گر نہ ہوا بزم میں ساقی نہ سہی

یعنی اگر آج ساقی نہیں ہے کہ ساغر میں نکال کر پلائے تو خم سے منہ لگا کر خود ہی پینا کیا برا ہے۔ (استبدادِ شوق)

نفس قیس کہ ہے چشم و چراغ صحرا
گر نہیں شمع سیہ خانۂ لیلیٰ نہ سہی

یعنی مجنوں کی آہ شعلہ بار کا اثر لیلیٰ کے گھر تک نہ پہنچا تو کیا ہوا وہ صحرا کے لیے چشم و چراغ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر محبت کا اثر محبوب پر کچھ بھی نہ ہو تب بھی وہ بذاتِ خود قابلِ قدر ہے۔ (بے نیازیٔ عشق)

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

یعنی رونق نام ہے ہنگامہ کا خواہ وہ شادی کا ہو یا غم کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو شادی اور غمی دونوں حال میں مطمئن رہنا چاہیے۔ (تعلیم تسلیم و رضا)

نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

یعنی مجھے داد لینے کی خواہش ہے اور نہ صلہ پانے کی تمنا ایسی صورت میں میرے اشعار کو بے معنی کہیں یا با معنی، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ (استغنائے شاعر و طبع ہنر ناشناسی)

عشرت صحبت خوباں ہی غنیمت سمجھو
نہ ہوئی غالب اگر عمر طبیعی نہ سہی

یعنی عمر خواہ کتنی ہی مختصر ہو حسینوں کی صحبت میں گزرے تو کیا بات ہے۔ (اغتنام فرصت عاشقی)

(۱۷۶)

عجب نشاط سے جلاد کے چلے ہیں ہم آگے
کہ اپنے سائے سے سر پاؤں سے ہے دو قدم آگے

یعنی سر کٹانے کی ایسی خواہش ہے کہ جلاد کے ساتھ آگے آگے جا رہے ہیں اور سر کا سایہ پاؤں سے دو قدم آگے جا رہا ہے۔ حسن تعلیل۔ (ذوق سر فروشی)

قضا نے تھا مجھے چاہا خراب بادۂ الفت
فقط "خراب" لکھا بس نہ چل سکا قلم آگے

یعنی مجھے محبت میں تباہ ہونا تھا لیکن کاتب تقدیر نے خراب بادۂ محبت لکھنے کی بجائے

صرف خواب کہا اور آگے نہ کہہ سکا۔ گویا میری تقدیر میں ہر حال تباہی و بربادی ہی رہ گئی۔ خواہ محبت ہو یا نہ ہو۔ (زوالِ حالِ تقدیر)

غمِ زمانہ نے جھاڑی نشاطِ عشق کی مستی
وگرنہ ہم بھی اٹھاتے تھے لذتِ الم آگے

یہ شعر شعرِ بالا کی مزید تشریح ہے یعنی غمِ زمانہ کی فراوانی سے اب عشق میں جو نشاط تھی وہ بھی جاتا رہا۔ گویا اب غمِ عشق نہیں صرف غمِ زمانہ رہ گیا۔ (فراوانیٔ غمِ دنیا)

خدا کے واسطے داد اس جنون کی دینا
کہ اس کے در پہ پہنچتے ہیں نامہ بر سے ہم آگے

یعنی ہمارا شوق دیوانگی کی حد تک پہنچ گیا ہے کہ نامہ بر سے پہلے محبوب کے دروازہ پر خود پہنچ جاتے ہیں۔ بقولِ صاحب الغرض مجنوں۔ (دیوانگیٔ شوق)

یہ عمر بھر جو پریشانیاں اٹھائی ہیں ہم نے
تمہارے آئیو اے طرہ ہائے خم بہ خم آگے

یعنی اے طرہ ہائے خم بخم جس طرح تم نے ہمیں پریشان کیا ہے۔ خدا کرے تم بھی اسی طرح پریشان رہو۔ مطلب یہ ہے کہ تمہاری تابداری روز افزوں رہے۔ (دعائے ازدیادِ حسن بعنوان بددعا)

دل و جگر میں پرافشاں جو موجۂ خوں ہے
ہم اپنے زعم میں سمجھے ہوئے تھے اس کو دم آگے

زعم: بمعنی گمان۔ پرافشاں یعنی مضطرب یا خروج آمادہ۔ یعنی جسے ہم اپنی سانس (سامانِ حیات) سمجھتے تھے۔ وہ دراصل خونِ دل و جگر کا اضطراب تھا۔ مطلب یہ کہ زندگی

مصائب و آلام ہی کا نام ہے۔ (تلازم حیات و غم)

قسم جنازے پہ آنے کی میرے کھاتے ہیں غالب
ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے

یعنی کہاں تو میں اتنا عزیز تھا کہ وہ میری جان کی قسم کھاتے تھے اور اب ایسا معتوب ہوں کہ وہ قسم کھاتے ہیں کہ جنازے پر بھی نہ آؤں گا۔ (تلون مزاجی محبوب)

(۱۷۷)

شکوے کے نام سے بے مہر خفا ہوتا ہے
یہ بھی مت کہہ کہ جو کہیے تو گلا ہوتا ہے

یعنی یہ کہنا کہ "محبوب شکوہ سے خفا ہوتا ہے" بجائے خود ایک شکوہ ہے لہٰذا یہ بھی نہ کہو جانا محبوب کے لیے باعث خفگی ہے۔ (تنگ مزاجی محبوب)

پر ہوں میں شکوے سے یوں راگ سے جیسے باجا
اک ذرا چھیڑیے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے

یعنی میرے دل میں اس طرح شکوے ہیں جیسے ساز میں راگ کہ بظاہر کچھ نہیں لیکن کوئی سننا چاہے تو جس قدر چاہے سنا سکتا ہوں۔ (وفور گلہ جفائے محبوب)

گو سمجھتا نہیں پر حسن تلافی دیکھو
شکوۂ جور سے سرگرم جفا ہوتا ہے

یعنی میری شکایت پر اس کا اور بھی زیادہ ظلم کرنا پہلے مظالم کی تلافی کر دیتا ہے کہ وہ مقابلتاً بے حقیقت ہو کر رہ جاتے ہیں لیکن اس کو وہ تلافی نہیں سمجھتا۔ اگر ایسا سمجھتا تو جفا کے دلکش ہو جاتا۔ (جفا جوئی محبوب)

عشق کی راہ میں ہے چرخ مکوکب کی وہ چال
سست رو جیسے کوئی آبلہ پا ہوتا ہے

چرخ مکوکب : یعنی تاروں بھرا آسمان۔ عشق کی راہ : یعنی صاحب عشق کی راہ۔

یعنی مصیبت کے دن کاٹے نہیں کٹتے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاروں بھرا آسمان آبلہ پا ہو کر رہ گیا ہے کہ گردش نہیں کر سکتا۔ (دیرپائی عہد مصائب)

کیوں نہ ٹھہریں ہدف ناوک بیداد کہ ہم
آپ اٹھا لاتے ہیں گر تیر خطا ہوتا ہے

یعنی اگر کوئی ظلم رہ جائے تو ہم محبوب کو پھر یاد دلاتے ہیں کہ وہ بھی کر لے۔ (ذوق ستم کشی)

خوب تھا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بدخواہ
کہ بھلا چاہتے ہیں اور برا ہوتا ہے

یعنی جب کہ ہمارے چاہنے کے خلاف ہی ہوتا ہے تو بہتر ہوتا کہ ہم خود اپنا برا چاہتے تاکہ اچھا ہوتا۔ (بے اثری دعا)

نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا اور اب
لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

یعنی میری ناتوانی اور نارسائی فریاد کا یہ عالم ہے کہ میری فریاد اگر بہت پہنچی تو لب تک آتی ہے حالانکہ پہلے عرش تک پہنچی تھی۔ (مبالغہ ناتوانی مع بے اثری دعا)

خامہ میرا کہ ہے وہ باربد بزم سخن
شاہ کی مدح میں یوں نغمہ سرا ہوتا ہے
اے شہنشاہ کواکب سپہ و مہر علم
تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے

سات اقلیم کا حاصل جو فراہم کیجے
تو وہ لشکر کا ترے نعل بہا ہوتا ہے
ہر مہینے میں جو یہ بدر سے ہوتا ہے ہلال
آستاں پر ترے مہ ناصیہ سا ہوتا ہے
میں جو گستاخ ہوں آئینِ غزل خوانی میں
یہ بھی تیرا ہی کرم ذوق فضا ہوتا ہے

یہ اشعار مدح سلطان میں ہیں۔ خلاصہ مضمون یہ ہے کہ میرا قلم بادشاہ کی تعریف اس طرح کرتا ہے کہ اے بادشاہ تیری عنایتوں کا بدلہ کوئی نہیں دے سکتا۔

تیری پائیگاہ و جاہ کا یہ عالم ہے کہ ہفت اقلیم کا خراج فراہم کیا جائے تو وہ تیرے گھوڑوں کی نعلوں کے گھسنے کا معاوضہ ہو۔

علو مرتبت کی یہ کیفیت کہ ماہ کامل تیرے آستانہ پر پیشانی رگڑتے رگڑتے ہلال بن جاتا ہے۔

یہ تیری ہی کرم گستری ہے کہ مجھے یہ ذوق شاعری میسر ہے اور میں آئینِ غزل خوانی میں اس درجہ بیباک ہوں۔

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

یہ مقطع پھر مدح سے غزل کی طرف رجوع ہے۔ شعر کے معنی یہ ہیں کہ میرے کلام میں جو تلخی ہے اس کا باعث وہ کلفت ہے جس میں میرا دل مبتلا ہے۔ (تلخی نوائے غم)

(۱۷۸)

ہر اک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمھیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے؟

تو کیا ہے: کلمۂ تحقیر یعنی ایمان سے کہنا کہ میری ہر بات پر تمھارا یہ کہنا کہ تیری کیا حقیقت ہے کیسا نادر طریقِ تکلم ہے۔ (شکوۂ تند خوئی)

نہ شعلہ میں یہ کرشمہ نہ برق میں یہ ادا
کوئی بتاؤ کہ وہ شوخِ تند خُو کیا ہے

کرشمہ و ادا: بمعنی دلفریبی۔ یعنی محبوب کی شوخی و تند خُوئی میں جو دلفریبی ہے وہ شعلہ و برق میں کہاں ہے؟ (دلآویزیِ شوخیِ محبوب)

یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے
وگرنہ خوفِ بد آموزیِ عدو کیا ہے

یعنی میں جو یہ چاہتا ہوں کہ رقیب تم سے ہمکلام نہ ہو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کی بد آموزی سے ڈرتا ہوں بلکہ مجھے تو اس بات پہ رشک آتا ہے کہ وہ تم سے ہم کلام کیوں ہوتا ہے (رشک)

چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیراہن
ہماری جیب کو اب حاجتِ رفو کیا ہے

یعنی چاک گریباں کو سینے کی حاجت نہیں کیونکہ سینہ کوبی سے بدن لہولہان ہے اور پیراہن جسم سے چپک گیا ہے جس کے باعث چاک غائب ہوگیا (مبالغۂ جگر فگاری)

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا
کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے

یعنی سوزِ عشق نے جسم کے ساتھ دل بھی جلا دیا۔ اب اس راکھ کے ڈھیر میں اس کی تلاش بے کار ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اب جب کہ معاملۂ عشق نے کارِ دل ہی تمام کر دیا ہے تو اب جستجو سے کیا حاصل ہوگا۔ (افسردگیٔ خاطر)

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

یعنی خون کا آنکھوں سے ٹپکنا بڑی بات ہے، رگوں میں دوڑنا کچھ نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ زندگی بے سوزِ عشق بے کار ہے۔ (مقامِ دل گدازی و جگر سوزی)

وہ چیز جس کے لیے ہم کو ہو بہشت عزیز
سوائے بادۂ گلفامِ مشک بو کیا ہے

یعنی بہشت کی قدر نعمِ بہشت سے ہے۔ پس جہاں بادۂ گلفام ہو وہی بہشت ہے۔
(ذوقِ میگساری)

پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار
یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے

یعنی تھوڑی بہت شراب میرے معدہ کی تسکین کو ناکافی ہے۔ (حوصلہ مندیٔ میگساری)

رہی نہ طاقتِ گفتار اور اگر ہو بھی
تو کس امید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے

یعنی اگر عرضِ حال کا مقدور بھی ہو تو اظہارِ آرزو کا جو مقصد ہے مطلب حصولِ التفاتِ محبوب سے اس کی امید نہیں۔ (حسرتِ التفاتِ محبوب)

ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

یعنی غالب کی جو عزت ہے مصاحبت شاہ کے باعث ہے۔ (فخر تقرب سلطان)

(۱۷۹)

میں انھیں چھیڑوں اور کچھ نہ کہیں
چل نکلتے جو مے پیے ہوتے

چل نکلتے: یعنی اظہار مستی و بے خودی کرتے۔ یعنی ضبط و وقار بھی ممکن ہے کہ انسان سرخوش و مدہوش نہ ہو۔ (نشہ طلبی)

قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو
کاشکے تم مرے لیے ہوتے

یعنی محبوب اپنا ہو تو اس کا قہر و ستم سب گوارا ہے۔ (التجائے وفا) یا (ترجیح تعلق با اغیار)

میری قسمت میں غم گر اتنا تھا
دل بھی یارب کئی دیے ہوتے

یعنی غم اتنا زیادہ ہے جو کہ مجھ اکیلے کے لیے ناقابل برداشت ہے۔ (فراوانی غم)

آ ہی جاتا وہ راہ پر غالب
کوئی دن اور بھی جیے ہوتے

یعنی افسوس ہے کہ محبوب کے رام ہونے سے پہلے ہی موت آگئی۔ (ناکامی زیست)

(۱۸۰)

غیر لیں محفل میں بوسے جام کے
ہم رہیں یوں تشنہ لب پیغام کے

یعنی مقام افسوس ہے کہ اغیار صحبت اکل و شرب میں شریک رہیں اور ہم کو پوچھا تک نہ جائے۔ (شکوۂ بے التفاتی)

خستگی کا تم سے کیا شکوہ کہ یہ
ہتھکنڈے ہیں چرخِ نیلی فام کے

یعنی میری خستہ حالی کا موجب بے روزگاری ہے تم سے کیا شکوہ۔ (شکوۂ محبوب بالواسطہ)

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

یعنی سرنامہ پر تمہارا نام لکھنا ہی مجھ عاشق کی تسکین کا موجب ہے خط میں کوئی مضمون ہو یا نہ ہو۔ (فخرِ نسبت بہ ادنیٰ ملابست)

رات پی زمزم پہ مے اور صبح دم
دھوئے دھبے جامۂ احرام کے

یعنی وضع اور شعار عابدوں کا سا رکھا اور کام رندوں کا سا اور پھر اس معصیت کو اعمالِ ریائی سے دھونے کی کوشش کر رہا ہوں۔ مذمت کردار اہلِ ریا)

دل کو آنکھوں نے پھنسایا کیا۔ مگر
یہ بھی حلقے ہیں تمہارے دام کے

کیا: کلمہ تحسین بمعنی خوب۔ مگر: بمعنی شاید۔ یعنی میری آنکھیں جو دل کو مبتلائے عشقِ حقیقی کرنے کا باعث ہوئیں یہ بھی معشوقِ حقیقی ہی کے دام کے حلقے معلوم ہوتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آنکھیں بھی اسی کی عطا کی ہوئی ہیں جس کے دامِ محبت میں مبتلا ہوں۔ (فطریت عشقِ حقیقی)

شاہ کے ہے غسلِ صحت کی خبر
دیکھیے کب دن پھریں حمام کے

یعنی بادشاہ کا غسلِ صحت حمّام کی زینت و رونق کا باعث ہونے کو ہے۔
(نشاطِ تہنیتِ صحت یابیٔ سلطان)

عشق نے غالبؔ نکمّا کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

یعنی عشق انسان کو کسی اور کام کا نہیں رکھتا۔ (ابتلائے عشق)

(١٨١)

پھر اس انداز سے بہار آئی
کہ ہوئے مہر و مہ تماشائی

یعنی کچھ ایسی بہار ہے کہ چاند سورج بھی جنھوں نے بے شمار بہاریں دیکھ رکھی ہیں۔ اس کے مشتاق ہیں۔ (نزہتِ بہار)

دیکھو اے ساکنانِ خطۂ خاک
اس کو کہتے ہیں عالم آرائی
کہ زمیں ہو گئی ہے سر تا سر
روکشِ سطحِ چرخِ مینائی

یعنی نزہت و عالم آرائی کا یہ عالم ہے کہ تمام زمین نیلگوں آسمان کی طرح ہری بھری ہو گئی ہے۔ (فیضِ بہار)

سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی
بن گیا روئے آب پر کائی

یعنی سبزے کی اس قدر بہتات ہے کہ زمین کے علاوہ سطحِ آب پر بھی یہ شکل کائی

اُگ آیا ہے۔ (مبالغۂ جوشِ نمو)

سبزہ و گل کو دیکھنے کے لیے
چشمِ نرگس کو دی ہے بینائی

یعنی موسم کے اثر سے نرگس کی آنکھوں میں بھی بینائی آ گئی ہے (مبالغۂ فیضِ بہار)

ہے ہوا میں شراب کی تاثیر
بادہ نوشی ہے بادپیمائی

بادپیمائی بمعنی فعلِ عبث یعنی ہوا ہی مست کرنے کو کافی ہے شراب نوشی کی کیا ضرورت ہے۔ (مبالغۂ نشاطِ بہار)

کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالبؔ
شاہِ دیں دار نے شفا پائی

یعنی یہ تمام شادمانیاں صحت یابیِ بادشاہ کی وجہ سے ہیں (مدحِ سلطان و تہنیتِ صحت یابی)

(۱۸۲)

تغافل دوست ہوں میرا دماغِ عجز عالی ہے
اگر پہلو تہی کیجے تو جا میری بھی خالی ہے

تغافل دوست: یعنی بے نیازی پسند۔ یعنی ہر چند کہ عاجز و خاکسار ہوں لیکن دماغ عالی رکھتا ہوں۔ اگر آپ نے مجھ سے پہلو بچایا تو میں بھی با کمالِ بے نیازی اپنی جگہ خالی کر دوں گا۔ یعنی چلا جاؤں گا۔ (اظہارِ جذبۂ خودداری)

رہا آباد عالم اہلِ ہمت کے نہ ہونے سے
بھرے ہیں جس قدر جام و سبو مے خانہ خالی ہے

یعنی دنیا کم ہمتوں سے آباد ہے۔ اہل ہمت ہوتے تو سب میخانہ کو جا آباد کرتے دنیا ویران ہو جاتی اور جام و سبو خالی ہو چکے ہوتے۔ جام و سبو کا پُر رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی پینے والا نہیں ہے اور مے خانہ خالی پڑا ہے بقول مولانا الصغار لیطلبت الدنیا مطلب یہ ہے کہ جو نادان ہیں وہی دنیا سے دل لگاتے ہیں۔ (تحفۂ اہل معرفت)

(۱۸۳)

کب وہ سنتا ہے کہانی میری
اور پھر وہ بھی زبانی میری

یعنی کاش محبوب میرے حالات میری زبانی سنتا۔ (حسرت عرض حال)

خلش غمزۂ خونریز نہ پوچھ
دیکھ خونابہ فشانی میری

یعنی میری خوں فشانی سے خلش کا اندازہ لگا۔ بقول: صورت ببین حالم مپرس۔ (ناگفتنی زبوں حالی)

کیا بیاں کر کے مرا روئیں گے یار
مگر آشفتہ بیانی میری

آشفتہ بیانی: انکساراً بمعنی سخن وری۔ یعنی کلام کے سوا اور میری کوئی یادگار نہیں (کلام غالب)

ہوں ز خود رفتۂ بیدائے خیال
بھول جاتا ہے نشانی میری

یعنی میں صحرائے خیال کا گم گشتہ ہوں۔ میں وہ ہوں جسے لوگ بھول گئے ہیں۔ ایک شے نسیاً منسیاً ہوں اور از یاد رفتگی ہی میری نشانی ہے۔ میں وہ ہوں جو کسی کو یاد نہیں (فراموش کاریٔ اہلِ زمانہ)

تقابلؔ ہے مقابل میرا
رُک گیا دیکھ روانی میری

تقابل = ضد، مقابل، بمعنی حریف۔ یعنی میرا حریف میرا ضد ہے کہ میری روانیٔ طبع کو دیکھ کر اس نے سکون اختیار کیا۔ گویا حریف بربنائے تضاد میرا مقابلہ نہ کر سکا اور اس کی روانیٔ طبع میرے مقابلہ میں ختم ہو گئی۔ (تحقیرِ حریف)

قدرِ سنگِ سرِ رہ رکھتا ہوں
سخت ارزاں ہے گرانی میری

ارزاں = بمعنی بے قدر۔ یعنی میری قدر راہ پر پڑے ہوئے پتھر جیسی ہے کہ بھاری ہونے کے باوجود کوئی نہیں پوچھتا۔ (بے قدریٔ خویشتن)

گرد بادِ رہِ بیتابی ہوں
صرصرِ شوق ہے بانی میری

یعنی تندیٔ شوق نے مجھے اضطراب میں ایک بگولے کی مانند بنا دیا ہے (اضطراب)

دہن اس کا جو نہ معلوم ہوا
کھل گئی ہیچمدانی میری

یعنی اس کا دہن جو "ہیچ" (لاشے) ہے ادراک سے نہ جان سکا اس کیفیت نے مجھے "ہیچمدان" ثابت کر دیا۔ (تنگیٔ دہنِ معشوق)

کر دیا ضعف نے عاجز غالب
ننگِ پیری ہے جوانی میری

یعنی بیماریٔ عشق نے ایسا عاجز کیا ہے کہ اس جوانی سے بڑھاپا بھی شرماتا ہے۔
(مبالغہ، ناتوانی)

(۱۸۴)

نقشِ نازِ بتِ طنّاز بہ آغوشِ رقیب
پائے طاؤس پئے خامۂ مانی مانگے

پائے طاؤس کو نہایت بدوضع شے قرار دیا گیا ہے۔ یعنی رقیب کی آغوش میں چنچل محبوب کا ناز دکھانا ایسا بھونڈا نقشہ پیش کرتا ہے کہ اگر مانی (نقاشِ چین) کا اس کی مصوری مطلوب ہو تو اس کے لیے چاہیے کہ طاؤس کے بدنما پیروں کا قلم استعمال کیا جائے۔ (طعن، تعلق رقیب با محبوب)

تو وہ بدخو کہ تحیّر کو تماشا جانے
غم وہ افسانہ کہ آشفتہ بیانی مانگے

مطلب یہ ہے کہ اظہارِ مدعا میں چند در چند مشکلات ہیں اول تو غمِ عشق ایک ایسا افسانہ ہے جس کے بیان میں الجھنیں ہیں۔ پھر یہ کہ میں تجھے دیکھ کر حیران ہو جاتا ہوں۔ ہر چند کہ یہ کیفیت بھی ترجمانیٔ جذبات کے لیے کافی تھی لیکن تیری عادت بُری ہے کہ تو میری حیرانی کو ترجمانیٔ جذبات کی بجائے ایک تماشا تصور کرتا ہے۔ (مشکلاتِ عرضِ مدعا)

وہ تپِ عشق تمنا ہے کہ پھر صورتِ شمع
شعلہ تا نبضِ جگر ریشہ دوانی مانگے

ریشہ دوانی: بمعنی درپردہ کام کرنا۔ یعنی میں وہ تپشِ عشق چاہتا ہوں جو شمع کی ابی کی طرح شعلۂ محبت کو اندر ہی اندر جگر کی نس نس میں دوڑا دے۔ (رشتۂ سوز دروں)

(۱۸۵)

گلشن کو تری صحبت از بسکہ خوش آئی ہے
ہر غنچہ کا گل ہونا آغوش کشائی ہے

یعنی باغ کو تیرا آنا مرغوب ہے اس لیے کلیاں جو پھول بن رہی ہیں وہ گویا تجھ سے بغلگیر ہونے کو آغوش کھول رہی ہیں۔ حسنِ تعلیل۔ (دل افروزیِ جمالِ محبوب)

واں کنگرِ استغنا ہر دم ہے بلندی پر
یاں نالے کو اور الٹا دعوائے رسائی ہے

یعنی ان کا کنگرۂ استغنا جو روز بروز بلند ہوتا جاتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے نالے وہاں تک پہنچتے رہتے ہیں۔ ورنہ روز بروز استغنا میں زیادتی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ (ضد و مزیدِ جورِ محبوب)

از بسکہ سکھاتا ہے غم ضبط کے اندازے
جو داغ نظر آیا اک چشم نمائی ہے

یعنی داغِ زخم آنکھیں دکھا کر تادیب کرتا ہے کہ ضبط باندازۂ غم ہونا چاہیے۔ چنانچہ جب غم بڑھتا ہے تو زخم کی چشم نمائی بھی زیادہ ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ضبطِ غم سے جراحت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ (جانکاہیِ غم)

(۱۸۶)

جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی
لکھ دیجیو یا رب اسے قسمت میں عدو کی

یعنی مجھے دردِ بے درمانِ عشق چاہیے۔ باقی رہا ایسا درد جس کا علاج ہو سکتا ہو وہ دشمنوں کو نصیب ہو۔ (فخر گرانمائی دردِ بے درماں)۔

اچھا ہے سرِ انگشتِ حنائی کا تصور
دل میں نظر آتی تو ہے اک بوند لہو کی

یعنی دل میں اب خون کا ایک قطرہ باقی نہیں سب صرفِ گریہ ہو چکا ہے۔ البتہ محبوب کے سرِ انگشتِ حنائی کا تصور دل میں باقی ہے جو مثل ایک قطرۂ خون کے ہے۔ (دل افروزیٔ تصورِ محبوب)

کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بے حوصلگی سے
یاں تو کوئی سنتا نہیں فریاد کسو کی

یعنی عشاق میں اگر قوتِ تحمل نہیں اور وہ مصروفِ گریہ و نالہ ہیں تو ڈر کاہے کا؟ ان کی سنتا ہی کون ہے کہ کوئی فریاد سے ڈر جائے۔ (بے اثریٔ فریاد)

دشنے نے کبھی منہ نہ لگایا ہو جگر کو
خنجر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی
صد حیف وہ ناکام کہ اک عمر سے غالب
حسرت میں رہے ایک بتِ عربدہ جو کی

یعنی وہ شخص سخت ناکام ہے جسے تمام عمر کسی تند مزاج معشوق کی حسرت ہی رہی ہو نہ اس کا خنجر جگر تک پہنچا ہو اور نہ گلا اس کے گلے تک۔ (حسرتِ ناکام)

(۱۸۷)

سیماب پشت گرمیٔ آئینہ دے ہے ہم
حیراں کیے ہوئے ہیں دلِ بے قرار کے

پشت گرمی: سہارا، مدد۔ یعنی جس طرح آئینہ کی یہ صورت حیران پارے کی وجہ سے ہے کیونکہ پارے کو پشتِ شیشہ پر لگا کر آئینہ بنتا ہے اسی طرح ہم کو دلِ بے قرار نے جو سیماب صفت ہے حیرانی میں ڈال دیا ہے۔ (حیرت اندوزیٔ دل)

آغوشِ گل کشودہ برائے وداع ہے
اے عندلیب چل کہ چلے دن بہار کے

یعنی پھول کی شگفتگی گویا بلبل سے رخصت ہونے کے لیے بغلگیر ہونے کو آغوش کا کھولنا ہے لہٰذا اب بہار جانے ہی والی ہے۔ (گریزپائیٔ عہدِ عیش، یادِ خزاں، آمادگیٔ فصلِ گل)

(۱۸۸)

ہے ہجر وصل، عالمِ تمکین و ضبط میں
معشوقِ شوخ و عاشقِ دیوانہ چاہیے

یعنی معشوق باوقار ہو اور عاشق پاسِ وضع پر قائم رہے تو وصل بھی ہجر ہے۔ عاشقی میں لطف تو جب ہے کہ معشوق بیباک ہو اور عاشق ناعاقبت اندیش۔ (حرمانِ عشق، اختلاط)

اس لب سے مل ہی جائے گا بوسہ کبھی تو ہاں
شوقِ فضول و جرأتِ رندانہ چاہیے

شوقِ فضول: یعنی شوقِ مضطر۔ عجب نہیں کہ فضول کی بجائے لفظ حصول ہو یعنی حوصلۂ بیباک کا پیدا کرنا بڑی بات ہے۔ بوسۂ لبِ محبوب کا ملنا کوئی بڑی بات نہیں یہ تو مل ہی جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ سب سے بڑا مقصد حوصلہ کا رہینِ منت ہے۔ (دلیریٔ حوصلہ)

چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیے
یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیے

یعنی جتنا چاہو حسینوں سے محبت کرو۔ اگر اس بات کو وہ پسند کرنے لگیں تو کیا کہنا۔ اشارہ یہ ہے کہ معشوق چاہنے والوں کو مشکل پسند کرتے ہیں۔ (بے نیازئ محبوب)

صحبتِ رنداں سے واجب ہے حذر
جائے مے اپنے کو کھینچا چاہیے

یعنی رندوں سے پرہیز رکھو۔ اور شراب کشید کرنے کی بجائے خود کو دنیا سے کشیدہ خاطر رکھو۔ مبادا بے خود ہو جاؤ۔ (مذمتِ بے خودی)

چاہنے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل
بارے اب اس سے بھی سمجھا چاہیے

سمجھا چاہیے : یعنی قرار واقعی سزا دینی چاہیے۔ یعنی اس غلطی کی پاداش میں کہ دل نے تیری محبت کو معمولی کام سمجھا تھا اب اس کی خوب خبر لینی چاہیے۔ مطلب یہ ہے کہ دل کو ایسے حالات سے دوچار ہونا ناگزیر ہے کہ اسے معلوم ہو جائے کہ محبت آسان کام نہ تھا۔ (تلقینِ ابتلائے غم)

چاک مت کر جیب بے ایامِ گل
کچھ اُدھر کا بھی اشارہ چاہیے

یعنی گریبان چاک کرنے کے لیے موسمِ گل ہی موزوں ہے۔ پھول بھی اسی موسم میں گریباں چاک کرتے ہیں اور اس طرح پر گویا فطرت اشارہ کرتی ہے کہ ہاں اب جنون زدگی کا وقت آگیا ہے۔ ایسے وقت میں دیوانہ ہونے پر کسی کو طعن کا موقع بھی نہیں ہے کہ دنیا خود جنون زدہ ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عشق وہ ہے جس کے اسباب موجود ہوں۔ [illegible] دراصل عشق نہیں ہے۔ (تحسینِ عشقِ ناگزیر)

دوستی کا پردہ ہے بیگانگی
منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے

یعنی ہم سے منہ نہ چھپاؤ کیونکہ اس میں غیریت کا اظہار ہوتا ہے جو دوستی کے لیے پردہ یار کا دشمن ہے۔ (التجائے بے حجابی)

دشمنی نے میری کھویا غیر کو
کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہیے

یعنی رقیب نے میری دشمنی میں خود کو ہلکان کر رکھا ہے۔ (عداوتِ رقیب)
یا یہ کہ معشوق نے جو میرے ساتھ دشمنی کی تو رقیب بھی اس سے خائف ہو کر کنارہ کش ہو گیا۔ (نا اہلیتِ رقیب)

اپنی رسوائی میں کیا چلتی ہے سعی
یار ہی ہنگامہ آرا چاہیے

اپنی کا مضاف سعی ہے۔ یعنی میں کہ رسوا ہوں میری کوششوں سے کیا ہو سکتا ہے جب تک کہ معشوق خود ہی جلوہ پسند نہ ہو کر اپنے فیضِ جلوہ سے سرفراز فرمائے۔ (بیانِ عجزِ خویشتن)

منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید
نا امیدی اس کی دیکھا چاہیے

اُمید: معنی آرزو۔ یعنی جو مرنے ہی کا آرزو مند ہو تاکہ غم سے نجات ہو جائے اس کی زیادہ نا امیدی اور کون ہو سکتی ہے! (کمالِ نامرادی)

غافل ان مہ طلعتوں کے واسطے
چاہنے والا بھی اچھا چاہیے

یعنی چاند سی صورت والا محبوب ہو تو اس کا چاہنے والا بھی اچھا ہونا چاہیے۔
(اہمیتِ اہلیتِ عاشقی)

چاہتے ہیں خوبرویوں کو اسد
آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے

یعنی غالب کی حسینوں کی چاہت کا دعوے کرتے ہیں بھلا ان سے ہو سکے گی مطلب یہ ہے کہ عشق ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ (ملاحظہ: اہلیتِ عشق) یا (بیانِ اہمیتِ اہلیت)

(۱۹۰)

ہر قدم دوریٔ منزل ہے نمایاں مجھ سے
میری رفتار سے بھاگے ہے بیاباں مجھ سے

یعنی جس قدر چلتا ہوں منزل سے دور ہوتا جاتا ہوں کیونکہ میری صحرا نوردی سے بیاباں بھی ایسے تنگ ہیں کہ مجھ سے دور بھاگتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ راہِ عشق کی کوئی منزل نہیں، شوق بڑھتا ہی جاتا ہے ختم کبھی نہیں ہوتا۔ (ناتمامیٔ شوق)

درسِ عنوانِ تماشا بہ تغافل خوشتر
ہے نگہ رشتۂ شیرازۂ مژگاں مجھ سے

یعنی نظارہ کا ڈھب جاننے کے لیے انجان بن جانا خوب ہے۔ چنانچہ میں بھی اپنی نگاہ کو اس طرح چھپا لیتا ہوں کہ گویا وہ شیرازۂ مژگاں ہے کہ نظر نہیں آتی لیکن اپنا کام کئے جاتی ہے۔ جس طرح شیرازہ کتاب کو نظر نہیں آتا لیکن اوراق کتاب منتشر نہیں ہونے دیتا۔ (مطلب نظارۂ پنہاں)

وحشتِ آتشِ دل سے شبِ تنہائی میں
صورتِ دود رہا سایہ گریزاں مجھ سے

یعنی شبِ تنہائی میں آتشِ غمِ دل سے گھبرا کر، سایہ بھی دھوئیں کی طرح ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔ (بے کسی تنہائی)

غمِ عشاق نہ ہو سادگی آموزِ بتاں
کس قدر خانۂ آئینہ ہے ویراں مجھ سے

یعنی ایسا نہ ہو کہ عاشقوں کے غم میں معشوق بناؤ سنگھار ترک کر دیں۔ جیسا کہ میرے غم میں ہوا کہ کوئی حسین بناؤ سنگھار کے لیے اپنی صورت آئینہ میں نہیں دیکھتا۔ (پاسِ خاطرِ مجبوراں)

اثرِ آبلہ سے جادۂ صحرائے جنوں
صورتِ رشتۂ گوہر ہے چراغاں مجھ سے

یعنی میرے آبلہ ہائے پا کے پھوٹنے سے جادۂ صحرا موتیوں کی لڑی کی طرح روشن ہو گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرا جنون عشاق کے لیے راہِ عشق کا چراغ مہیا کرتا ہے کہ یہی ہے طریقِ عاشقی۔ (مبالغۂ صحرا نوردی و سربراہی جنونِ عشق)

بے خودی بسترِ تمہیدِ فراغت ہو جو
پُر ہے سایہ کی طرح میرا شبستاں مجھ سے

یعنی میری خواب گاہ سایہ کی طرح میرے وجود (خودی) سے آباد ہے اور ظاہر ہے کہ جہاں ہجوم ہو وہاں فراغت کیسی۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ میری بے خودی میرے لیے فراغت کا بچھونا بچھا دے کہ خود سے فارغ ہو کر آرام پاؤں۔ (آرزوئے بے خودی)

شوقِ دیدار میں گر تو مجھے گردن مارے
ہو نگہ مثلِ گلِ شمع پریشاں مجھ سے

یعنی میرے شوقِ دید کا یہ عالم ہے کہ اگر حالتِ اشتیاقِ نظارہ میں تو میری گردن بھی کاٹ دے تو میری آنکھیں اس طرح بکھر جائیں جس طرح چراغ کا گل لینے سے گل بکھر جاتے ہیں اور لَو تیز ہو جاتی ہے۔ (کمالِ شوقِ نظارہ)

بیکسی ہائے شبِ ہجر کی حسرت ہے ہے
سایہ خورشیدِ قیامت میں ہے پنہاں مجھ سے

یعنی شبِ ہجر میں جس بے کسی کا سامنا ہوا اس کی حسرتناک کیفیت کیا بیان ہو مختصر یہ کہ میرا سایہ جو میرا ساتھ چھوڑ کر بھاگا تھا خورشیدِ قیامت کی روشنی میں بھی میری آنکھوں سے اوجھل ہی رہا۔ (مبالغہ بے حقیقی)

گردشِ ساغرِ صد جلوۂ رنگیں تجھ سے
آئینہ داریِ یک دیدۂ حیراں مجھ سے

آئینہ داری: یعنی پیشکاری، ہم نوائی و مشابہت۔ یعنی ایک طرف تو اپنے جلوۂ رنگیں سے ہر ایک کو سرخوش بنا رہا ہے اور دوسری طرف میں بکمالِ حیرت دیدۂ حیراں کا نمونہ بنا ہوا ہوں۔ (ہوش ربائی جلوہ)

نگہِ گرم سے ایک آگ ٹپکتی ہے اسدؔ
ہے چراغاں خس و خاشاکِ گلستاں مجھ سے

یعنی میری نگاہِ گرم سے خس و خاشاک تک فروزاں ہیں (جلوہ اندوزیِ نگاہِ معرفت

(۱۹۱)

نکتہ چیں ہے غمِ دل اس کو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

غمِ دل محبوب کو سنایا نہیں جا سکتا کیونکہ وہ نکتہ چیں ہے۔ یعنی بات بات پر اعتراض کرنے والے کو کیونکر سمجھایا جائے کہ یہ غم یوں پیدا ہوا اور جہاں بات نہ بنائی جا سکے وہاں مطلب کیسے حل ہو۔ واضح ہو کہ بالعموم نکتہ چیں وہ ہوتا ہے جو خود حقیقتِ حال سے بے خبر ہو۔ (دشواریِ عرضِ حال)

میں بلاتا تو ہوں اس کو مگر اے جذبۂ دل
اس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

یعنی کاش جذبۂ دل کچھ ایسا اثر دکھائے کہ میرے بلانے پر وہ مجبور ہو کر چلا ہی آئے۔ مطلب یہ ہے کہ محض بلانا کافی نہیں جب تک کہ جذبۂ دل کام نہ کرے۔ (حسرتِ دیدار)

کھیل سمجھا ہے کہیں چھوڑ نہ دے بھول نہ جائے
کاش یوں بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے

یعنی محبوب مجھے ستانا ایک کھیل سمجھتا ہے۔ لیکن مجھے اس کے آزار میں کچھ ایسی لذت ہے کہ اس بات سے ڈرتا ہوں کہ اس کے نزدیک یہ کھیل تو ہے ہی کہیں چھوڑ نہ دے یا مجھے ستانا بھول نہ جائے اس لیے چاہتا ہوں کہ وہ ستانے سے باز نہ آئے۔
(ذوقِ جفاکشی)

غیر پھرتا ہے لیے یوں ترے خط کو کہ اگر
کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

یعنی اے محبوب مجھے خبر ہے کہ رقیب تیرے خط کو اس طرح علانیہ لیے پھرتا ہے کہ اگر کوئی دیکھ لے تو چھپائے نہ بن پڑے۔ اس ذکر سے مدعا یہ ہے کہ ایسے بے باک سے خط و کتابت مناسب نہ تھی۔ (پاسِ ناموسِ محبوب) یا (سعایتِ رقیب)

اس نزاکت کا برا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا
ہاتھ آویں تو انھیں ہاتھ لگائے نہ بنے

یعنی محبوب تو اچھا ہے پر نزاکت بری ہے کہ اسے ہاتھ لگانا مشکل ہے۔ (نزاکت محبوب)

کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے
پردہ چھوڑا ہے وہ اس نے کہ اٹھائے نہ بنے

یعنی محبوب جلوہ آرا عیاں ہے لیکن کس کا جلوہ ہے یہ بغیر پردہ اٹھائے نہیں معلوم ہو سکتا۔ اور پردہ ایسا ہے کہ وہ اٹھ نہیں سکتا۔ (استحالۂ دیدار محبوب حقیقی)

موت کی راہ نہ دیکھوں؟ کہ بن آئے نہ رہے
تم کو چاہوں؟ کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے

یعنی میری مشکلات کے حل کی دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو تم آؤ اور یا پھر موت آئے لیکن سوچتا ہوں کہ موت کا ہی انتظار کیوں نہ کروں کہ نہ بلاؤں تب بھی آکر رہے گی۔ تمہارے آنے کی خواہش کیوں کیا کروں کہ بلانے پر بھی تمہارا آنا ممکن نہیں۔ (دیا فکاہی فراق) یا (گوارائی مرگ در حال فراق)

بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے
کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

یعنی میری حالت ایسی ہے جیسی اس شخص کی جس کے سر کا بوجھ جو متاع ناگزیر ہے گر گیا ہو اور پھر اسے اٹھانا مشکل ہو۔ اور نہ اٹھانے کی تدبیر بن پڑتی ہو۔ گویا غم محبت ایک ایسا بوجھ ہے کہ نہ اسے ترک کی تاب ہے نہ اٹھانے کی مجال۔ (جبریہ یا اختیار عشق)

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

یعنی محبت نہ کرنے سے ہوتی ہے اور نہ چھوڑنے سے چھوٹتی ہے۔ (جبرِ عشق)

(۱۹۳)

چاک کی خواہش اگر وحشت بہ عُریانی کرے
صبح کی مانند زخمِ دل گریبانی کرے

یعنی عریانی کی حالت میں جبکہ پیراہن چاک ہو کر ختم ہو چکا ہے اگر تقاضائے وحشت گریبان چاک کرنے کی خواہش ہو تو زخمِ دل گریبان کا کام دے اور صبح کی طرح چاک ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ عُریانی میں بھی سامانِ وحشت طرازی موجود ہوتا ہے گو گریبان نہ ہو۔ (مبالغۂ وحشت)

جلوہ کا تیرے وہ عالم ہے کہ گر کیجے خیال
دیدۂ دل کو زیارت گاہِ حیرانی کرے

یعنی تیرا جلوہ اس درجہ حیران کن ہے کہ دیکھنے سے تو نگاہیں حیران ہو ہی جاتی ہیں اگر اس کا خیال بھی کروں تو دل کی آنکھیں بھی حیرت زدہ ہو جائیں۔ (حیرت افزائی جلوہ)

ہے شکستن سے بھی دل نومید یارب کب تلک
آبگینہ کوہ پر عرضِ گراں جانی کرے

گراں جانی: بمعنی بیزاری از حیات۔ یعنی ہر چند چاہتا ہوں کہ معشوق سنگدل میرے شیشۂ دل کو توڑ دے کہ بایں ہو کر ہی چین پاؤں۔ لیکن مجھے اس کی بھی امید نہیں۔ اب کب تک دل کا شیشہ اس پہاڑ جیسے سنگدل معشوق کے سامنے اپنی گراں جانی کا اظہار کرے

کہ اسے دل ٹوٹنے پہ آمادہ کر سکے۔ (حسرتِ ترکِ تمنا) یا (حسرتِ رگ)

میکدہ گر چشمِ مستِ ناز سے پائے شکست
موئے شیشہ دیدۂ ساغر کی مژگانی کرے

یعنی اگر اس کی چشمِ مست کے مقابلہ میں اگر مے خانہ شکست کھا جائے تو وہ شکست ایسی ہوگی کہ مے خانہ کی ہر چیز میں اس کی نگاہِ مست کا اثر نمایاں ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ شیشۂ ساغر میں ٹوٹنے سے بال پڑے تو وہ بھی دیدۂ ساغر کے لیے مژگاں بن جائے جو آلۂ نظر کا ایک جزو ہے۔ (مست کارئ چشمِ محبوب)

خطِ عارض سے لکھا ہے زلف کو اُلفت نے عہد
یک قلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے

اُلفت: یعنی اہلِ اُلفت۔ یعنی اہلِ عشق نے زلف کو بخطِ عارض یہ تحریر لکھ دی ہے کہ خواہ زلف کتنی ہی بکھری ہوئی ہو محبوبِ نظر ہے اور محبت کی نگاہوں میں مرغوب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سبزۂ خط سے گھیرے ہوئے محبوب کی دلکشی میں فرق نہیں آتا۔ (دلفریبئ زلف)

(۱۹۳)

وہ آ کے خواب میں تسکینِ اضطراب تو دے
ولے مجھے تپشِ دل مجالِ خواب تو دے

یعنی دل کی بے قراری سونے نہیں دیتی تو خواب میں بھی اس کا آ کر مجھے تسلی دینا ممکن نہ رہا۔ (بیانِ اضطراب)

کرے ہے قتل لگاوٹ میں تیرا رو دینا
تری طرح کوئی تیغِ نگہ کو آب تو دے

یعنی تیرا وہ دینا اگرچہ وہ صرف دلستانی کے لیے ہے مجھے مارے ڈالتا ہے اور اس طرح تیغِ نگاہ کو آبدار کرنا تیرے سوا اور کسی کو نہیں آتا۔ (دلستانی و عشوہ گری محبوب)

دکھا کے جنبشِ لب ہی تمام کر ہم کو
نہ دے جو بوسہ تو منہ سے کہیں جواب تو دے

یعنی بوسۂ لب نہ سہی منہ سے کوئی جواب تو دو میرے تمام ہو جانے کو تو تیرے لب کا ایک اشارہ ہی کافی ہے۔ (التجائے خطاب)

پلا دے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے
پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

یعنی اگر ساقی مجھے حقیر اور قابلِ نفرت سمجھ کر پیالہ نہیں دینا چاہتا تو اوک ہی سے پلا دے۔ مطلب یہ ہے کہ شراب کے لیے بے عزتی بھی گوارا ہے۔ (طلبِ صادق)

اسدؔ خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے
کہا جو اس نے ذرا میرے پاؤں داب تو دے

یعنی میں اس بات پر شاداں ہوں کہ محبوب نے مجھے اپنے خدمت کے قابل سمجھا۔ گو وہ خدمت کتنی ہی حقیر ہو۔ (عجزِ خدمت)

(۱۹۴)

تپش سے میری وقفِ کشمکش ہر تارِ بستر ہے
مرا سر رنجِ بالیں ہے مرا تن بارِ بستر ہے

یعنی میری بے چینی اور تڑپ سے بستر بھی تنگ ہے۔ میرا سر اور جسم، تکیہ اور بستر کے لیے باعثِ زحمت اور بوجھ بن گئے ہیں۔ (مبالغۂ اضطراب)

سرشکِ سر بصحرا دادہ نور العینِ دامن ہے
دلِ بیدست و پا افتادہ برخوردارِ بستر ہے

سر بصحرا دادہ: یعنی آوارہ۔ گھر سے جدا۔ نور العین و برخوردار: یعنی پسر یا آغوش پروردہ۔ یعنی میرے مضطرب آنسو دامن کے اور عاجز و ناکارہ دل بستر کے پروردہ ہائے آغوش بنے ہوئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اشک ریز بھی ہوں اور صاحب فراش بھی۔ واضح ہو کہ شعراء اشک کو طفل اور دامن کو صحرا سے استعارہ کرتے ہیں۔ اول الذکر میں وجہ جامع قابو سے باہر ہونا اور ثانی الذکر میں وسعت ہے۔ (اشکباری و رنجوریٔ عاشق)

خوشا اقبالِ رنجوری عیادت کو تم آئے ہو
فروغِ شمعِ بالیں طالعِ بیدارِ بستر ہے

یعنی یہ بیماری کیسی بختاوری ہے کہ تم مزاج پرسی کو آگئے۔ گویا سرہانے جو شمع جل رہی ہے وہ بسترِ مرض کی بختاوری کا روشن ستارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میری بیماری میری خوش بختی کا سبب بن گئی۔ (نشاطِ دیدارِ محبوب)

بہ طوفاں گاہِ جوشِ اضطرابِ شامِ تنہائی
شعاعِ آفتابِ صبحِ محشر تارِ بستر ہے

یعنی شامِ جدائی میں جوشِ اضطراب کا یہ عالم ہے کہ میرے بستر کے تار شدتِ اضطراب کے باعث اتنے نمایاں ہو گئے کہ آفتابِ قیامت کی کرن معلوم ہوتے ہیں۔ واضح ہو کہ بستر پر شکن کا نمایاں ہونا بھی مریض کی بے چینی کا ثبوت ہے۔ (مبالغۂ اضطراب)

ابھی آتی ہے بو بالش سے اس کی زلفِ مشکیں کی
ہماری دید کو خوابِ زلیخا عارِ بستر ہے

خوابِ زلیخا، کنایہ ہے ایسے خواب سے جس میں جمالِ یوسف نظر آئے۔ یعنی گو محبوب چلا گیا ہے لیکن اب تک محبوب کے زلفِ مشکیں کی خوشبو جو تکیہ سے آ رہی ہے وہ اس قدر نشہ انگیز ہے کہ اگر آپ تکیے سے محظوظ ہونے کی بجائے ہم سو جائیں اور زلیخا کا حسین خواب دیکھیں تب بھی یہ امر بستر کے لیے باعثِ شرم ہوگا گویا محبوب کی یاد میں جاگنا سو جانے بلکہ حسین خوابوں کے دیکھنے سے بدرجہا بہتر ہے۔ (وفا و تصورِ محبوب)

کہوں کیا دل کی کیا حالت ہے ہجرِ یار میں غالب
کہ بیتابی سے ہر اک تارِ بستر خارِ بستر ہے

یعنی بستر پر لیٹنا گویا کانٹوں پر لوٹنا ہے۔ (اضطرابِ ہجراں)

(۱۹۵)

خطر ہے رشتۂ الفت رگِ گردن نہ ہو جائے
غرورِ دوستی آفت ہے تو دشمن نہ ہو جائے

رگِ گردن مجازاً بمعنی سامانِ نخوت و سرکشی۔ یعنی بابا تیری محبت مجھے آفتِ نخوت میں مبتلا کر دے جو بالآخر تیری ناراضگی پر منتج ہو کیونکہ تو نخوت گوارا نہیں کرتا۔ (رفعِ تعلق)

سمجھ اس فصل میں کوتاہیِ نشو و نما غالب
اگر گل سرو کے قامت پہ پیراہن نہ ہو جائے

یعنی یہ موسم کچھ ایسا پُر بہار ہے کہ پھولوں سے سرو کے درخت بھی ڈھک جائیں گے جن پر پھول کبھی نہیں آتے۔ اگر ایسا نہ ہو تو سمجھو کہ نشو و نما میں ہماری توقع کے خلاف کوتاہی رہ گئی۔ (مبالغۂ بہاراں)

(۱۹۲)

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے
نالہ پابند نے نہیں ہے

یعنی نالہ و فریاد میں تکلف و تصنع کو دخل نہیں جیسا کہ نغمہ و سرود میں ہوتا ہے۔ (اضطرار غم)

کیوں بوتے ہیں باغبان تونبی
گر باغ گدائے مے نہیں ہے

تونبی، یعنی کدوئے خشک جو کچکول گدائی اور ظرف مے دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ استفہام کی غرض اثبات مدعا ہے۔ یعنی باغ میں لگا ہوا کدو گویا شراب کے لیے کچکول گدائی ہے اور باغ گدائے مے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نشاط باغ بھی مے کا محتاج ہے کہ بغیر مے نوشی بہار کا لطف نہیں۔ (تفوق نشاط مے بر بہار)

ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے
پر تجھ سی تو کوئی شے نہیں ہے

یعنی خدا کی قدرت ہر شے میں کارفرما ہے لیکن اس کی سی قدرت کسی میں نہیں ہے۔ بفحوائے۔ لیس کمثلہ شئ۔ (صمدیت حق)

ہاں کھائیو مت فریب ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

ہر چند کہیں کہ ہے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا و متاع دنیا کو خواہ کتنی ہی اہمیت دی جائے حقیقت یہی ہے کہ وہ بے اصل ہے۔ (بے حقیقتی دنیا)

شادی سے گزر کہ غم نہ ہووے
اُردی جو نہ ہو تو دے نہیں ہے

یعنی غم ایک اضافی شے ہے اگر خوشی کا تصور نہ ہو تو غم کا تحقق باطل ہوگا۔ چنانچہ یہی حال اُردی، اور دَے کے مہینوں کا ہے اگر موسم بہار کا ماہ اردی نہ آئے تو موسم خزاں کے ماہ دَے سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ اسی لیے کہتا ہے کہ خوشی کا تصور ہی نہ کرتا کہ غم مدِ پیش نہ ہو۔ (روحی رضا)

کیوں ردِّ قدح کرے ہے زاہد
مے ہے یہ مگس کی قے نہیں ہے

مگس کی قے = کنایہ از شہد جو نعماتِ بہشت میں ہے۔ یعنی اے زاہد یہ کیسی کٹ حجتی ہے کہ مگس کی قے تو گوارا ہو اور مے (انگور) ناگوار۔ (ترجیحِ مے بر شہد)
پہلوئے معرفت یہ ہے کہ بے خودیٔ معرفت نعمتوں سے زیادہ خوشگوار ہے۔

ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب
آخر تو کیا ہے اے نہیں ہے

"نہیں ہے" = یعنی نیست۔ منادیٰ جو بطور علم کے استعمال ہوا ہے۔ کنایہ از ذاتِ شاعر یا انسانِ فانی۔ یعنی دنیا میں ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ اے نیست۔ تیری کچھ ہستی بھی ہے۔ تیری کچھ حقیقت نہیں ہے۔ (اردو نابود)

(۱۹۶)

نہ پوچھ نسخۂ مرہم جراحتِ دل کا
کہ اس میں ریزۂ الماس جزوِ اعظم ہے

ریزۂ الماس: کنایہ از زہرِ ہلاکت آفریں۔ یعنی زخمِ دل کا علاج زہرِ ہلاہل کے سوا اور کچھ نہیں۔ (مے دوائی دردِ عشق)

بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی
وہ اک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے

یعنی پہلے تو محبوب نگاہ ہی نہ کرتا تھا لیکن اب اجتناب چھوڑ کر نگاہ کرتا ہے گو وہ پوری ہوتی ہے لیکن بظاہر پوری نہیں ہوتی۔ گویا یہ لگاوٹ کا ایک نیا انداز ہے۔ واضح ہو کہ شعر میں پہلے نگہ ہے پھر نگاہ اور ظاہر ہے کہ لفظ نگہ بقدر ایک الف کے نگاہ سے کم ہے۔ (لگاوٹ پیار تغافل)

(١٩٨)

ہم رشک کو بھی اپنے گوارا نہیں کرتے
مرتے ہیں مگر اُس کی تمنا نہیں کرتے

یعنی ہر چند کہ ہم معشوق کے لیے مر رہے ہیں لیکن ملنے کی تمنا نہیں کرتے کیونکہ غایت رشک کے باعث ہم نہیں چاہتے کہ کوئی اور تو کیا ہم خود بھی اس سے ملنے کی تمنا کریں۔ رشک کی انتہا یہ ہے کہ خود اپنے سے بھی رشک کرتا ہے۔ بقول

؎ غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم ۔ (مبالغہ رشک)

درپردہ انھیں غیر سے ہے ربطِ نہانی
ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردہ نہیں کرتے

پردہ = بمعنی طرزِ مخفی ۔ یعنی ظاہر تو یہ کیا جاتا ہے کہ معشوق پردہ نہیں کرتا اس لیے بے تکلف غیروں سے بھی ملتا ہے لیکن در اصل یہ کہنا کہ ہم پردہ نہیں کرتے رقیب سے ربط قائم رکھنے کا ایک ذریعہ مخفی ہے۔ (ربط تعلق یا اتحاد)

یہ باعثِ نومیدیِ اربابِ ہوس ہے
غالب کو برا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے

یعنی غالب جیسے عاشقِ صادق کو برا کہنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اربابِ ہوس بھی مایوس ہو کر ترکِ تعلق کر لیں گے۔ اس میں تمہارا ہی نقصان ہے۔ (التجائے ترکِ مذمت)

(۱۹۹)

کرے ہے بادہ ترے لب سے کسبِ رنگِ فروغ
خطِ پیالہ سراسر نگاہِ گلچیں ہے

حلقۂ جام کو نگاہِ گلچیں سے تشبیہ دی ہے یعنی جس طرح گلچیں کی نگاہ میں پھول کا عکس جلوہ گر ہوتا ہے اسی طرح شراب کے پیالے میں تیرے لب کا عکس منعکس ہے (منقبتِ لبہائے معشوق)

کبھی تو اس دلِ شوریدہ کی بھی داد ملے
کہ ایک عمر سے حسرت پرستِ بالیں ہے

"حسرت پرستِ بالیں" بمعنی "چین سے محروم" یعنی کبھی تو میرے دلِ شوریدہ کی بھی قدر ہونی چاہیے کہ تمام عمر تکیہ پر سر نہ رکھ سکا یا چین سے محروم رہا (حسرتِ عیشِ زندگی)

بجا ہے گر نہ سنے نالہ ہائے بلبلِ زار
کہ گوشِ گل نمِ شبنم سے پنبہ آگیں ہے

یعنی پھول کے کان میں شبنم کی روئی ٹھنسی ہوئی ہے وہ بھلا بلبل کی فریاد کب سننے لگا

(تغافلِ فطری مجبوریاں)

اسدؔ ہے نزع میں چل بے وفا برائے خدا
مقامِ ترکِ حجاب و وداعِ تمکیں ہے

یعنی اب تو جان پر ہی بن آئی ہے۔ حجاب کرنے اور خودداری دکھانے کا کیا موقع ہے۔ (استمالت)

(۲۰۰)

کیوں نہ ہو چشمِ بتاں محوِ تغافل کیوں نہ ہو
یعنی اس بیمار کو نظارہ سے پرہیز ہے

یعنی محبوب آنکھ اٹھا کر کس طرح دیکھیں، ان کی آنکھیں بیمار ہیں اور بیمار آنکھ نہیں اٹھاتا
(توجیہِ شاعرانہ تغافل)

مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی
وائے ناکامی کہ اس کافر کا خنجر تیز ہے

یعنی کاش معشوق جگر کا خنجر کند ہوتا کہ جان نکلنے میں کچھ دیر لگتی اور اس کو دیکھنے کی
آرزو پوری ہو سکتی۔ (حسرتِ دید) یا (سفاکیِ حسن)

عارضِ گل دیکھ روئے یار یاد آیا اسد
جوششِ فصلِ بہاری اشتیاق انگیز ہے

یعنی پھول کو دیکھا رو دیا، یا محبوب کا اشتیاق بڑھ جاتا ہے۔ (جنون انگیزیِ بہار)

(۲۰۱)

دیا ہے دل اگر اس کو، بشر ہے کیا کہیے
ہوا رقیب تو ہو، نامہ بر ہے کیا کہیے

یعنی اگر نامہ بر بھی اس کا دلدادہ ہو کر میرا رقیب بن گیا تو کیا کیا جائے آخر بشر ہے
پھر اسے کچھ کہہ بھی نہیں سکتے کہ نامہ بر ہے مبادا کچھ کا کچھ لگا دے۔ (عالم فریبیِ حسنِ محبوب)

یہ ضد کہ آج نہ آئے اور آئے بن نہ رہے
قضا سے شکوہ ہمیں کس قدر ہے کیا کہیے

یعنی موت کو آنا ضرور ہے لیکن اسے یہ ضد ہے کہ آج جب کہ میں زندگی سے بیزار ہوں نہ آئے گی۔ مطلب یہ ہے کہ موت بالعموم اس وقت آتی ہے جب انسان مرنا نہ چاہے اور جب مرنا چاہے تو نہیں آتی۔ (بیان کرب و اضطراب فراق)

رہے ہے یوں گہہ و بیگاہ کہ کوئے دوست کو اب
اگر نہ کہیے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کہیے

یعنی کوئے یار گویا دشمن کا گھر ہو گیا کہ وقت بے وقت (ہر وقت) وہ وہیں موجود رہتا ہے۔ (رشک رقابت)

زہے کرشمہ کہ یوں دے رکھا ہے ہم کو فریب
کہ بن کہے ہی انھیں سب خبر ہے کیا کہیے

یعنی معشوق کی چالبازی دیکھیے کہ مجھے فریب دے رکھا ہے کہ بغیر میرے کہے اسے میرے حال کی خبر ہے۔ میں اس دھوکے میں پڑ کر عرض حال سے بھی رہ گیا۔ بقول:

وارد خوش تا بہ حسرت کشیدہ را   گوید شنیدہ ام سخن ناشنیدہ را

(عیاری و سخن سازی محبوب)   ([illegible] شبلی)

سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں وہ پرسش حال
کہ یہ کہے کہ سر رہگذر ہے کیا کہیے

یعنی معشوق مزاج پرسی بھی کرتا ہے تو بازار میں تاکہ اس کے جور و جفا کی شکایت کرنے سے باز رہوں کہ سر راہگذر شکوہ شکایت کا موقع نہیں ہوتا۔ (بیان جور محبوب)

تمھیں نہیں ہے سر رشتۂ وفا کا خیال
ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے مگر ہے کیا! کہیے

یعنی ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے مگر بتایئے کیا ہے؟ وہ سررشتۂ وفا ہے جس کی طرف تمہارا دھیان نہیں جا سکتا لیکن میں نے ہاتھ سے نہیں دیا (پاس عہد و شکوۂ عہد شکنی

انھیں سوال پہ زعم جنوں ہے کیا لڑیئے
ہمیں جواب سے قطع نظر ہے کیا کہیئے

یعنی میں نے جب کچھ التماس کیا تو وہ کہتے ہیں کہ یہ دیوانہ ہے۔ اب اس بات پر ان سے کون لڑے جب کہ ان کے جواب سے خواہ وہ کیسا ہی ہو میں بے نیاز ہوں۔ (پاس خاطر محبوب)

حسد سزائے کمال سخن ہے کیا کیجیے
ستم بہائے متاع ہنر ہے کیا کہیئے

یعنی سخنوری میں کمال پیدا کرنا ایک جرم ہے جس کی سزا حسد ہے اور جب کوئی ہنر پیش کرے اس کی قیمت ستم ہے۔ ان حالات میں نہ کچھ کرتے بن پڑتی ہے نہ کچھ کہتے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل ہنر حسد کا شکار ہوتے ہیں یا ستم کا۔ (شکوۂ ناقدریٔ ارباب ہنر)

کہا ہے کس نے کہ غالب بُرا نہیں لیکن
سوائے اس کے کہ آشفتہ سر ہے کیا کہیے

یعنی غالب آشفتہ سر یا دیوانہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کوئی اچھی بات نہیں لیکن آشفتہ سری کی شکایت کیا ہو۔ (آشفتہ سری خویشتن)

(۲۰۳)

دیکھ کر در پردہ گرم دامن افشانی مجھے
کر گئی وابستۂ تن میری عُریانی مجھے

دامن افشانی: بمعنی قطع علائق۔ عریانی: کنایہ از بے تعلقی۔ یعنی میری عریانی نے جب دیکھا کہ میں ہر چیز سے دامن جھاڑتا چلا جاتا ہوں تو میری عریانی تن سے وابستہ ہو کر رہ گئی۔ اور میں سب سے جدا ہو کر عریانی سے وابستہ ہو گیا۔ اب وہاں دامن ہی نہ تھا جو جھاڑتا۔ تاہم سب سے قطع تعلق کرنے پر بھی اپنے وجود سے قطع تعلق ممکن نہیں۔ (استحالۂ قطع علائق)

بن گیا تیغِ نگاہِ یار کا سنگِ فساں
مرحبا میں! کیا مبارک ہے گراں جانی مجھے

یعنی اس پر نازاں ہوں کہ میرا سخت جان وجود تیغِ نگاہ محبوب کے لیے سان کا کام دے رہا ہے۔ کہ مجھ پر بار بار پڑنے سے وہ تیز تر ہوتی جاتی ہے اور میں ہنوز زندہ ہوں۔ (ذوقِ جفا)

کیوں نہ ہو بے التفاتی اس کی خاطر جمع ہے
جانتا ہے محوِ پرسش ہائے پنہانی مجھے

پرسش ہائے پنہانی: بمعنی خیالی یا تصوری پرسش۔ یعنی محبوب جانتا ہے کہ میں اس تصور میں محو رہتا ہوں کہ گویا وہ میری احوال پرسی کر رہا ہے۔ میرے اس خیالی تصور کی محویت کو جان کر وہ مطمئن ہے کہ میں اس کی بے التفاتی کا شکوہ ہی نہ کروں گا۔ (محاکات تصورِ محبوب)

میرے غم خانے کی قسمت جب رقم ہونے لگی
لکھ دیا منجملۂ اسبابِ ویرانی مجھے

اسبابِ ویرانی (بہ اضافت و بلا اضافت ہر دو) یعنی جب لکھا جانے لگا کہ میرے گھر

کی قسمت میں کیا کیا ہے تو (بر تقدیرِ اول) اسبابِ ویرانی کے زمرہ میں میرا نام لکھا گیا۔ گویا میں ویرانیٔ خانہ کا خود سبب ہوں یا (بر تقدیرِ ثانی) اسبابِ خانہ کے زمرہ میں "ویرانی" لکھا گیا۔ گویا میرے گھر کی قسمت میں کوئی سامان نہ تھا بجز ویرانی کے۔ (زبوں حالیٔ اہلِ عشق)

بدگماں ہوتا ہے وہ کافر۔ نہ ہوتا کاشکے
اس قدر ذوقِ نوائے مرغِ بستانی مجھے

یعنی نغمۂ طیور کا جو مجھے اس قدر شوق ہے تو اس سے محبوب کو یہ بدگمانی ہو گئی ہے کہ میں اس کی صدائے شیریں کے سوا طیور کی صدا کو بھی بہت پسند کرتا ہوں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ نغمۂ طیور بھی مماثلت صدائے محبوب کے باعث ہی مجھے مرغوب ہے۔ (تنگ مزاجیٔ محبوب)

وائے واں بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا
لے گیا تھا گور میں ذوقِ تن آسانی مجھے

یعنی میں نے اضطرابِ حال سے گھبرا کر قبر میں سکون ڈھونڈا تھا لیکن وہاں بھی شورِ محشر نے مجھے دم نہ لینے دیا۔ گویا خاطر خواہ آرام نہ کرنے پایا تھا کہ حشر برپا ہو گیا۔ مطلب یہ ہے کہ شوریدگانِ عشق کے لیے قیامت تک کی نیند بھی ناکافی ہے۔ (دوامِ اضطراب)

وعدہ آنے کا وفا کیجے یہ کیا انداز ہے
تم نے کیوں سونپی ہے میرے گھر کی دربانی مجھے

یعنی جیسے تم نے آنے کا وعدہ کیا ہے گھر چھوڑ کر کہیں نہیں جاتا۔ پہرہ دار کی طرح آنکھ دروازہ پر ہے کہ اب آتے ہوں گے۔ آخر کب تک اس انتظار میں رکھو گے۔ (التجائے قدومِ یار و کلفتِ انتظار)

ہاں نشاطِ آمدِ فصلِ بہاری واہ واہ
پھر ہوا ہے تازہ سودائے غزل خوانی مجھے

یعنی فصلِ بہار کے آتے ہی غزل خوانی کا شوق پیدا ہوگیا ہے مطلب یہ ہے کہ شگفتگیٔ طبع کو بہار سے بڑی نسبت ہے۔ (نشاطِ بہار)

دی مرے بھائی کو حق نے از سرِ نو زندگی
میرزا یوسف ہے غالبؔ یوسفِ ثانی مجھے

یعنی میرے بھائی مرزا یوسف کو خدا نے صحت بخش دی۔ میرے نزدیک تو اس کا صحت یاب ہونا یوسفِ گم گشتہ کا پھر واپس آنا ہے۔ گویا ایک اور یوسف از سرِ نو پیدا ہوا۔ (شکرانۂ صحت مرزا یوسف)

(۲۰۳)

یاد ہے شادی میں بھی ہنگامۂ یارب مجھے
سبحۂ زاہد ہوا ہے خندہ زیرِ لب مجھے

ہنگامۂ یارب سے مراد وہ مصیبت کا وقت ہے جب خدا یاد آتا ہے۔ یعنی بدقسمتی کے پیشِ نظر خوشی میں بھی مجھے مخفی خطرہ کا احساس رہتا ہے اور دل ہی دل میں اللہ کو یاد کرتا رہتا ہوں۔ گویا میری زیرِ لب مسکراہٹ جو بظاہر اوقاتِ شادمانی میں ہوتی ہے وہ چپکے چپکے وردِ یارب کے مترادف ہے۔ (وہم اضطراب و اندیشہ)

ہے کشادِ خاطرِ وابستہ در رہنِ سخن
تھا طلسمِ قفلِ ابجد خانۂ مکتب مجھے

قفلِ ابجد: ایک خاص قسم کی ساخت کا قفل جو چند حلقوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہر حلقے پر خاص حروف منقوش ہوتے ہیں۔ ان حلقوں کو پھرا کر حروفِ منقوشہ کو ایک مقررہ ترتیب میں لایا جائے تو قفل از خود کھل جاتا ہے۔ یعنی میرے دل کا انقباض کلام سے

دور ہوتا ہے اور یہ بات میں نے نقش ابجد کی طلسماتی ساخت سے اسی طرح سیکھی جیسے کوئی مکتب سے علم حاصل کرے کہ اس کے حروف جب لفظ کی صورت میں مرتب ہو جاتے ہیں تو دل کھل جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب شعر موزوں ہو جاتا ہے تو طبیعت کھل جاتی ہے اور نشاطِ خاطر حاصل ہوتا ہے۔ (نشاطِ سخن)

یارب اس آشفتگی کی داد کس سے چاہیے
رشک آسائش پہ ہے زندانیوں کی اب مجھے

یعنی انتہائی آشفتہ حالی کی داد دیجیے جس نے آسائش سے اس قدر بیگانہ کر دیا ہے کہ زندانیوں کو بھی آسودہ حال سمجھتا ہوں اور ان کی حالت پر رشک کرتا ہوں۔ گویا آزادی سے زیادہ قید گوارا ہے۔ (آشفتہ حالی)

طبع ہے مشتاقِ لذت ہائے حسرت کیا کروں
آرزو سے ہے شکستِ آرزو مطلب مجھے

حسرت: یعنی ناکامی۔ یعنی ناکامی میں جو مزہ ہے میں اس کا مشتاق ہوں۔ چنانچہ اب جو کوئی آرزو کرتا ہوں تو اس لیے کہ پھر ناکامی ہو اور شکستِ آرزو سے لطف اندوز ہو سکوں۔ (ذوقِ الم)

دل لگا کر آپ بھی غالب مجھی سے ہو گئے
عشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب مجھے

میرزا صاحب کا لفظ غالب کے لیے بطور طنز استعمال ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بحیثیت مرزا صاحب جو نصیحت کرتے تھے وہ خود مبتلا ہو گئے۔ یعنی عشق ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے نتائج سے آگاہ ہونے والا بھی اس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (ابتلائے ناگزیرِ عشق)

(۲۰۴)

حضورِ شاہ میں اہلِ سخن کی آزمائش ہے
چمن میں خوش نوایانِ چمن کی آزمائش ہے

یعنی حضورِ شاہ میں سخن وری کا امتحان ہے۔ (اشارہ بہ سخن فہمیٔ شاہ)

قد و گیسو میں قیس و کوہکن کی آزمائش ہے
جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمائش ہے

یعنی قیس و فرہاد کی آزمائش قد و گیسو کی محبت میں مبتلا کر کے کی جاتی ہے لیکن ہماری آزمائش دار و رسن سے کی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ صرف مبتلائے عشق تھے اور ہم مبتلائے آلام و مصائب ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جاں نثاری محبت سے زیادہ دشوار ہے۔ (ابتلائے مصائب)

کریں گے کوہکن کے حوصلے کا امتحاں آخر
ہنوز اس خستہ کے نیروئے تن کی آزمائش ہے

یعنی پہاڑ کاٹ کر جوئے شیر کا لانا تو فرہاد کی قوتِ بازو کا امتحان ہے۔ حوصلے کا امتحان کا وقت بعد میں تھا۔ جب اسے عشقِ شیریں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ مطلب یہ ہے کہ عاشق جسمانی مصائب تو جھیل لیتا ہے لیکن غم و الم کا جھیلنا دشوار ہوتا ہے۔ (جانکاہیٔ غمِ عشق)

نسیمِ مصر کو کیا پیرِ کنعاں کی ہوا خواہی
اسے یوسف کی بوئے پیرہن کی آزمائش ہے

پیرِ کنعاں، کنایہ حضرت یعقوب علیہ السلام۔ اس شعر میں تلمیح ہے قصۂ یوسف کی طرف کہ یوسف نے اپنا کرتہ مصر سے بھیجا کہ اسے میرے باپ حضرت یعقوب کی آنکھوں پر رکھنا تو ان میں روشنی آجائے گی۔ جب اہلِ قافلہ وہ کرتا لے کر چلے تو کنعاں میں حضرت یعقوب نے کہا کہ مجھے

یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔ یعنی نسیمِ مصر جو پیرہنِ یوسف کی خوشبو کنعان میں لے کر آئی تو اس سے یہ مقصود نہ تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو راحت حاصل ہو یا ان کی آنکھیں روشن ہوں بلکہ مقصود بوئے پیرہنِ یوسف کی نمائش تھی۔ (بے نیازیٔ حسن)

وہ آیا بزم میں دیکھو نہ کہیو پھر کہ غافل تھا
شکیب و صبرِ اہلِ انجمن کی آزمائش ہے

یعنی اہلِ انجمن کتنے ہی ہوشمند ہوں جلوۂ محبوب صبر و قرار کو غارت ہی کر کے رہے گا۔ (فتنہ سامانیٔ جلوۂ محبوب)

رہے گر دل میں تیر اچھا جگر کے پار ہو بہتر
غرض شستِ بتِ ناوک فگن کی آزمائش ہے

یعنی ناوک فگن محبوب کی غرض نشانہ کا امتحان ہے اس سے غرض نہیں کہ دل میں تیر اترا رہے یا جگر کے پار ہو جائے۔ (بے نیازیٔ معشوق از حالِ عشاق)

نہیں کچھ سبحہ و زنار کے پھندے میں گیرائی
وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے

گیرائی: بمعنی کشش یا گرفت۔ یعنی تسبیح ہو یا زنار ان سے محض وابستہ ہونے میں کوئی خوبی نہیں۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ شیخ کو تسبیح کے ساتھ اور برہمن کو زنار کے ساتھ جو وابستگی ہے اس میں کہاں تک استواری یا وفاداری ہے۔ بقول:

وفاداری بشرطِ استواری اصل ایماں ہے ‏ مرے بت خانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

(تجدیدِ پاسِ وفا)

پڑا رہ اے دلِ وابستہ بیتابی سے کیا حاصل
مگر پھر تابِ زلفِ پرشکن کی آزمائش ہے

یعنی اے دل! تُو آزما چکا ہے کہ تابِ زلف سے رہائی نہیں پا سکتا۔ پھر اب تڑپنے سے کیا فائدہ؟ کیا پھر آزمانا چاہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آزمانا بے کار ہے۔ (بے سود بانی درد عشق)

رگ و پے میں جب اُترے زہرِ غم تب دیکھیے کیا ہو
ابھی تو تلخیِ کام و دہن کی آزمائش ہے

مطلب یہ ہے کہ عشق ابتدائے حال میں تو چند تلخ کامیوں تک محدود رہتا ہے اور انجامِ کار جان لیوا ہو جاتا ہے۔ (جاں گدازیِ غمِ عشق)

وہ آئیں گے مرے گھر وعدہ کیسا دیکھنا غالب
نئے فتنوں میں اب چرخِ کہن کی آزمائش ہے

یعنی فراقِ محبوب تو ایک قہرِ آسمانی تھا ہی۔ اب انھوں نے میرے گھر آنے کا وعدہ کیا ہے اور آئیں گے ضرور۔ لیکن کیا کیا فتنے آسمان ڈھانے والا ہے اب اس کی آزمائش ہو جائے گی۔ مطلب یہ ہے کہ اس کی فتنہ خرامی نہ جانے کس کس کی جان کو پامال کر دے۔ (فتنہ خرامیِ محبوب) یا یہ کہ فتنۂ فراق تو ختم ہو گیا اب دیکھنا یہ ہے کہ آسمان آئندہ کیا فتنہ پیدا کرے۔ مطلب یہ ہے کہ فراق ہو یا وصال آسمان فتنہ گری سے باز نہیں آتا۔ (دوامِ مصائب)

(۲۰۵)

کبھی نیکی بھی اس کے جی میں گر آ جائے ہے مجھ سے
جفائیں کر کے اپنی یاد شرما جائے ہے مجھ سے

یعنی اگر کبھی نیکی کرنے کا بھی ارادہ ہوتا ہے تو محبوب کو یہ شرم آتی ہے کہ اب تک تو جفائیں ہی کرتا رہا اب نیکی کیا کرے۔ (جفا خوئیِ محبوب)

خدایا جذبۂ دل کی مگر تاثیر اُلٹی ہے
کہ جتنا کھینچتا ہوں اُتنا کھنچتا جائے ہے مجھ سے

مگر : بمعنی شاید۔ کھینچتا ہوں : بمعنی اپنی طرف مائل کرنا چاہتا ہوں۔ کھنچتا جائے ہے : بمعنی کنارہ کش ہوتا جاتا ہے۔ یعنی جس قدر چاہتا ہوں کہ محبوب کو اپنی طرف مائل کروں اتنا ہی وہ مجھ سے کشیدہ خاطر ہوتا جاتا ہے۔ (بے اثری جذبہ دل)

وہ بدخو اور میری داستانِ عشق طولانی
عبارت مختصر قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے

عبارت مختصر : بمعنی الغرض۔ یعنی معشوق ہے تنک مزاج اور پیغام میرا ہے طویل غرض قاصد بھی گھبراتا ہے کہ ایسے بدخو کو اتنا لمبا پیغام کیونکر پہنچائے (دشواریٔ عرضِ حال)

اُدھر وہ بدگمانی ہے اِدھر یہ ناتوانی ہے
نہ پوچھا جائے ہے اس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے

یعنی میں تو ناتوانی کے باعث بول نہیں سکتا اور وہ سمجھتا ہے کہ میں بے نیازی کا اظہار کر رہا ہوں۔ چنانچہ اس بدگمانی سے وہ پرسشِ احوال بھی نہیں کرتا۔ نتیجہ یہ کہ گفت و شنید نہ ہو سکی۔ (مجبوری عرضِ حال)

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے
کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

یعنی میں چاہتا ہوں کہ محبوب کی یاد میرے دل سے نہ نکلنے پائے کہ اس کے سہارے میری زندگی ہے لیکن مایوسی نے اتنا دل شکستہ کر دیا ہے کہ اب اپنے اختیار سے باہر ہوا جا رہا ہوں اور خیالِ یار بھی دل سے نکلا جا رہا ہے۔ (کمالِ مایوسی)

تکلف برطرف نظارگی میں بھی سہی لیکن
وہ دیکھا جائے کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے

تکلف برطرف: یعنی حقیقت یہ ہے۔ یعنی یہ کیفیت کہ محبوب کو سب دیکھیں مجھے گوارا نہیں خواہ اس طرح مجھے بھی نظارہ کا موقع نہ ملے۔ (رشک)

اگر اس شعر میں "نظارگی میں بھی سہی" کی بجائے "نظارگی ہی میں سہی" ہو تو معنی زیادہ دل افروز ہوں گے۔ یعنی بلا شائبۂ تکلف کہتا ہوں کہ میں ساتھ نظارگی میں بھی یہ ظلم نہیں دیکھ سکتا کہ کوئی اسے دیکھے۔ بقول:

ع غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم (رشک)

ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نبردِ عشق میں زخمی
نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے

پاؤں زخمی ہوئے ہیں: یعنی قوتِ استقامت و قوتِ گریز دونوں جاتی رہیں یعنی عشق وہ بلا ہے کہ ہوئے پیچھے اس کا چھوڑنا بھی مشکل اور جھیلنا بھی مشکل۔ (بے بسی و درماندگیٔ دردِ عشق)

قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہم سفر غالب
وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

یعنی وہ محبوب جسے بوقتِ سفر اور تو کیا خدا کو سونپنا بھی مجھے گوارا نہیں۔ غیروں کے ساتھ سفر کرے تو کیسا غضب ہے۔ بقولے:

عشق ان کو ہے جو یار کو اپنے دمِ رخصت   کرتے نہیں غیرت سے خدا کے بھی حوالے

(رشک)

(۲۰۶)

زبسکہ مشقِ تماشا جنوں علامت ہے
کشاد و بستِ مژہ سیلیِ ندامت ہے

سیلیِ ندامت: یعنی شرمندہ ہو کر کفِ افسوس ملنا۔ یعنی بار بار دیکھے جانا پاگلوں کی سی حرکت ہے جو دیکھتے ہیں پر کچھ سمجھتے نہیں۔ پس چونکہ اس طرح دیکھنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا لہذا پلکوں کا کھولنا اور بند کرنا شرمِ نارسائیِ فہم سے کفِ افسوس ملنے کے مترادف ہے۔

بقول: دیدہ را کہ بہ نظارۂ دل محرم نیست   مژہ برہم زدن از دستِ ندامت کم نیست۔

(بیدل)   (انتخابِ حسرت)

نہ جانوں کیونکہ مٹے داغِ طعنِ بدعہدی
تجھے کہ آئینہ بھی ورطۂ ملامت ہے

یعنی آئینہ دیکھنے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ چہرے کے داغ دھبے کو دور کیا جائے لیکن تیرے چہرے سے داغِ بدعہدی کسی طرح دور نہیں ہوتا خواہ ہزار آئینہ دیکھے۔ پس آئینہ تیرے لیے ملامت میں ڈوبنے کی بھنور ہے کہ داغِ بدعہدی کو چہرے سے نہ دھو سکا۔

(شکوۂ بدعہدی)

بہ پیچ و تابِ ہوس سلکِ عافیت مت توڑ
نگاہِ عجز سرِ رشتۂ سلامت ہے

یعنی عافیت کی لڑی جبھی تک سلامت ہے کہ نگاہِ عجز کا سر رشتہ قائم ہے۔ عافیت کا لڑی کو توڑنے والی چیز ہوس ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہوس میں پڑ کر عافیت کو ہاتھ سے نہ دو۔ خواہشات کے باب میں اپنی عاجزی پر نظر کرنے سے واضح ہوگا کہ حصولِ مدعا

اپنے بس میں نہیں اور اس لیے ہوس میں پڑنا عافیت سے ہاتھ دھونا ہے گویا احساسِ عجز میں بھی عافیت ہے۔ (تعلیم ترکِ ہوس و اعترافِ افتقار)

وفا مقابل و دعوائے عشق بے بنیاد
جنونِ ساختہ و فصلِ گل قیامت ہے

دونوں مصرعے مستقل المعنی ہیں۔ وفا مقابل یعنی وفا دشمن۔ جنونِ ساختہ یعنی جنون زدہ۔ یعنی بے وفا کا دعوائے عشق غلط ہے اور حالتِ جنون میں فصلِ گل آ جانا قیامت ہے۔ (وارداتِ عشق)

(۲۰۷)

لاغر اتنا ہوں کہ گر تو بزم میں جا دے مجھے
میرا ذمہ دیکھ کر گر کوئی بتلا دے مجھے

یعنی میں اتنا لاغر ہوں کہ دیکھے سے نظر نہیں آ سکتا۔ لہٰذا اگر تیری محفل میں جاؤں تو کسی کو اعتراض نہ ہوگا۔ (مبالغۂ ناتوانی و التجائے باریابی)

کیا تعجب ہے کہ اس کو دیکھ کر آ جائے رحم
واں تلک کوئی کسی حیلے سے پہنچا دے مجھے

یعنی اتنا خستہ حال ہوں کہ محبوب تک جا نہیں سکتا۔ کاش کوئی پہنچا دے کہ شاید اسے مجھ پر رحم آ جائے۔ (استمالتِ محبوب)

منہ نہ دکھلاوے نہ دکھلا پر بہ اندازِ عتاب
کھول کر پردہ ذرا آنکھیں ہی دکھلا دے مجھے

آنکھیں دکھانا: یعنی اظہارِ عتاب کرنا۔ یعنی اگر ازراہِ کرم صورت نہیں دکھاتا

تو ازراہِ عتاب آنکھیں ہی دکھادے۔ (بہانہ جوئی دیدار)

یاں تلک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہ میں
زلف اگر بن جاؤں تو شانے میں الجھائے مجھے

یعنی محبوب میری گرفتاری کا اس قدر خواہش مند ہے کہ اگر میں اس کی زلف بن جاؤں جسے وہ گرفتار نہیں بلکہ چھوٹی ہوئی رکھتا۔ ہے تب بھی مجھے شانہ کے پھندے میں پھنسادے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ کسی حال میں میری آزادی گوارا نہیں کرتا۔ (ابتلائے ناگزیر عشق)

(۲۰۸)

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

یعنی دنیا کو ایک کھیل اور اس کے واردات کو ایک تماشا تصور کرتا ہوں۔ (بے حقیقتی دنیا و تماشۂ دنیا)

اک کھیل ہے اورنگ سلیماں مرے نزدیک
اک بات ہے اعجاز مسیحا مرے آگے

اک بات ہے: یعنی برائے نام یا بے حقیقت ہے۔ یعنی مجھے خوب معلوم ہے کہ دنیا میں خواہ کتنا ہی کوئی اقتدار و اعتبار حاصل کرے ایک بات یا کھیل کی طرح ناپائیدار ہے۔ (بے حقیقتی دنیا و مافیہا)

جز نام نہیں صورت عالم مجھے منظور
جز وہم نہیں ہستیٔ دنیا مرے آگے

منظور ہونا، یعنی تسلیم کرنا۔ یعنی میں یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ دنیا کی حقیقت برائے نام نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میری نگاہ میں عالم برائے نام ہے اور ہستیٔ اشیاء محض وہم۔ کیونکہ دنیا و مافیہا در وزن فنا آمادہ یا فانی ہیں تو ان کی کیا حقیقت ہے۔ (بے حقیقتیٔ عالم)

ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرا مرے ہوتے
گھستا ہے جبیں خاک پہ دریا مرے آگے

یعنی صحرا ہو یا دریا کوئی میری نظر میں نہیں سماتا۔ چنانچہ میرے سامنے اپنی بے حقیقتی کے احساس شرم سے صحرا گرد میں چھپ جاتا ہے اور دریا زمین پر سر رکھ کر اظہار عجز کرتا ہے گویا بڑی سے بڑی چیز بھی حقیقتاً ہیچ ہے۔ (بے حقیقتیٔ عالم)

مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے
تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے

یعنی میرے سامنے جو تیرا طرز عمل ہے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ تیرے پیچھے میرا کیا حال ہوتا ہوگا۔ اس کا پوچھنا کیا ضرور۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تو نے لطف و عنایت کا سلوک روا رکھا ہے تو یقیناً مجھ کو خوشی اور ہر طرح کا اطمینان حاصل ہے۔ بصورت دیگر میرے اضطراب اور پریشانی کا کیا ٹھکانا۔ مطلب یہ ہے کہ میرا حال منحصر ہے تیرے طرز عمل پہ۔

(دردِ حال)

سچ کہتے ہو خودبیں و خودآرا ہوں نہ کیوں ہوں
بیٹھا ہوں، بت آئینہ سیما مرے آگے

یعنی اگر تم جیسا بت آئینہ سیما سامنے ہو تو جتنا بھی خودبیں اور خود آرا ہوں تھوڑا ہے۔

(عیش ما حصل قرب محبوب)

پھر دیکھیے انداز گل افشانی گفتار
رکھ دے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے

یعنی شراب سامنے ہو تو پھر دیکھیے اس گفتگو کا انداز جو دیکھنے کے قابل ہے)

نفرت کا گماں گزرے ہے میں رشک سے گزرا
کیوں کر کہوں لو نام نہ ان کا مرے آگے"

یعنی رشک کے زیادہ تر ہونے سے نہیں چاہتا کہ کوئی میرے محبوب کا نام لے لیکن نام لینے سے منع نہیں کرتا کہ اس سے گمان نفرت کا گزرتا ہے۔ مجھے رشک گوارا ہے لیکن شائبۂ نفرت گوارا نہیں۔ (رہا سدا رشک محبوب)

ایماں مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

یعنی میں اس مقام پہ ہوں جہاں کفر اور ایمان میں سے ایک کا اختیار کرنا دشوار ہے۔ گویا میرے نزدیک دونوں برابر ہیں۔ گو بظاہر خود کو پشت بر ایمان اور مائل بہ کفر ثابت کیا ہے۔ (آزاد مشربی اہل عشق)

عاشق ہوں پہ معشوق فریبی ہے مرا کام
مجنوں کو برا کہتی ہے لیلیٰ مرے آگے

یعنی میری عاشقی کو دیکھ کر معشوق بھی فریفتہ ہو جاتے ہیں چنانچہ میری عاشقی کے مقابلے میں دوسرے عشاق بے قدر ہو کر رہ گئے حتیٰ کہ لیلیٰ میرے آگے اپنے عاشق مجنوں کو برا کہنے لگتی ہے۔ (کمال عاشقی)

خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے
آئی شب ہجراں کی تمنا مرے آگے

شبِ ہجراں کی تمنا اضافت ظرفی کنایہ از موت۔ یعنی شب فراق میں جو میں نے (موت کی) دعا مانگی وہ دعا۔ نہ مرگ یوں پوری ہوئی کہ وصل نصیب ہوا اور مجھے شادیٔ مرگ ہو گیا۔ (نشاط وصل)

ہے موجزن اک قلزمِ خوں کاش یہی ہو
آتا ہے ابھی دیکھیے کیا کیا مرے آگے

یعنی پیش آمد مصائب۔ یہ ایک خون کا سمندر بنتا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن اگر مصائب کی انتہا یہیں پر ہو جاتی تب بھی غنیمت تھا ابھی تو نہ معلوم کیا کیا مصائب اس سے زیادہ پیش آنے ہیں۔ (بے پایانی مصائب عشق)

گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

یعنی گو ہاتھ میں لے کر پینے کی تاب نہیں تاہم جب تک آنکھوں میں دیکھنے کی طاقت ہے ساغر و مینا سامنے ہی رہنے دو کہ میرے ذوق کی کچھ نہ کچھ تسکین تا دمِ مرگ ہوتی رہے۔ (بیانِ ذوقِ میگساری)

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم راز ہے اپنا
غالب کو برا کیوں کہو اچھا مرے آگے

شعر میں صنعت تجرید ہے۔ یعنی غالب بھی ہماری طرح اہلِ عشق ہے اور ہم مشرب ہے بھلا اسے کیوں برا کہا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ برائی اس کی ہونی چاہیے جس میں وہ خوبیاں نہ ہوں جو کوئی شخص خود میں رکھتا ہے۔ (گزیدہ مشربِ عشاق)

(۲۰۹)

کہوں جو حال تو کہتے ہو "مدعا کہیے"
تمھیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہیے

یعنی جانتے ہو کہ محض عرضِ حال اصل مدعا نہیں ہے جبھی تو حال سنتے نہیں مدعا پوچھتے ہو۔ حالانکہ وہ تم پر ظاہر ہے اب جانی بوجھی بات کی بابت پوچھو تو کیا بتاؤں۔ (شکوۂ تغافل)

نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ "ہم ستمگر ہیں"
مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو "بجا" کہیے

عاشق۔ جانتا ہے کہ معشوق ستمگر ہے لیکن کہتے ہوئے ڈرتا ہے کہ مبادا گرانِ خاطر ہو اس لیے معشوق کی ستمگاری کا ذکر ایک اور ہی عنوان سے کرتا ہے کہ اگر تم نے خود کو طعن کے طور پر کہا کہ "میں ستمگر ہوں" تو میں اپنی عادت کے بموجب کہہ دوں گا کہ "بجا ہے" پھر نہ کہنا کہ میں نے تم کو ستمگر قرار دیا۔ (شکوۂ ستم بعنوانِ شوخی)

وہ نیشتر سی مرے دل میں جب اتر جائے
نگاہِ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کہیے

یعنی نگاہِ ناز آشنائے دل تھی تبھی تو نشتر کی طرح دل میں اتر گئی (گوارائی خلشِ نگاہِ ناز)

نہیں ذریعۂ راحت جراحتِ پیکاں
وہ زخمِ تیغ ہے جس کو کہ دلکشا کہیے

یعنی تیر کے زخم سے آرام نہیں ملتا البتہ تلوار کا زخم آرام کی نیند سلا دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عاشق کو جراحت و آرام کی زندگی کے مقابلہ میں ہلاک ہو جانا مرغوب ہے۔ (حسرتِ جانبازی)

جو مدعی بنے اس کے نہ مدعی بنیے
جو ناسزا کہے اس کو نہ ناسزا کہیے

یعنی مخالفت کا جواب مخالفت سے اور بدگوئی کا جواب بدگوئی سے نہ دو۔

(درسِ عفو و درگزر)

کہیں حقیقتِ جانکاہیٔ مرض لکھیے
کہیں مصیبتِ ناسازیٔ دوا کہیے
کبھی شکایتِ رنجِ گراں نشیں کیجے
کہیں حکایتِ صبرِ گریز پا کہیے
رہے نہ جان تو قاتل کو خونبہا دیجے
کٹے زبان تو خنجر کو مرحبا کہیے

پہلے دو اشعار شکوہ و شکایت کی تحقیر میں ہیں اور تیسرا شعر تعلیمِ شکر پر مبنی ہے یعنی یہ کیا ہے کہ کبھی اپنا دکھ بیان کیا جائے اور کبھی ناسازگاریٔ تدبیر کا ذکر ہو کبھی دیرپا رنج اور کبھی اضطراب و ناشکیبائی کا گلہ ہو۔ چاہیے تو یہ کہ اگر جان جاتی رہے تو خونبہا لینے کی بجائے الٹا تاوان دیا جائے کہ جان تو اسی کی تھی اور اگر زبان کٹے تو بجائے شکایت کے تعریف کی جائے کہ اس کا خنجر ہمارے کام آیا۔ (تعلیمِ رضا)

نہیں نگار کو الفت نہ ہو نگار تو ہے
روانیٔ روشِ و مستیٔ ادا کہیے

نہیں بہار کو فرصت نہ ہو بہار تو ہے
طراوتِ چمن و خوبیٔ ہوا کہیے

یہ اشعار بھی مضمونِ بالا پر تفریع ہیں۔ یعنی دوسری شکایتوں کی طرح بے مہریٔ معشوق کی شکایت بھی نہ ہو۔ بہرحال وہ معشوق تو ہے ہی۔ اس کی رفتار و گفتار تو پیاری ہے۔ اسی کا ذکر کرنا چاہیے۔ اسی طرح اگر بہار کو فرصتِ قیام نہیں نہ ہو بہار سے شادابیٔ چمن اور خوشگواریٔ فضا تو ہوتی ہی ہے اس کا بیان کرو۔ (تعلیمِ غم فراموشی و مسرت کوشی)

سفینہ جب کہ کنارے پہ آ لگا غالب
خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیے

یہ ایک اور وجہ ہے ترکِ شکوہ و شکایت کی کہ جب کشتی کنارے پر آ ہی لگی تو ملاح کی شکایت کیا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جب عمر ختم ہی ہو رہی ہے تو اب اہلِ جور و ستم کا شکوہ کیا فائدہ دے گا۔ بقول، "مردِ آخر بیں مبارک بندہ ایست۔"
(تلقینِ درگزر از حادثات)

(۲۱۰)

رونے سے اور عشق میں بیباک ہو گئے
دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاک ہو گئے

دھوئے گئے: یعنی حیا جاتی رہی، بے باک ہو گئے۔ پاک: ظرافتہً یعنی رند و لاابالی۔ یعنی جب تک روتے نہ تھے رازِ عشق مخفی تھا اور پاسِ ناموس باقی رہا لیکن اب کہ رونے سے میرا عشق طشت از بام ہو گیا ہے پاسِ وضع و حیا بھی جاتا رہا اور عاشقی میں کوئی جھجک نہ رہی۔ بقول:

عشق تا خام است باشد بستۂ ناموس و ننگ   پختہ مغزانِ جنوں را کے حیا زنجیرِ پاست؛

(پختہ مغزیٔ عشق)

صرف بہائے مے ہوئے آلاتِ مے کشی
تھے یہ ہی دو حساب سو یوں پاک ہو گئے

حساب پاک ہوجانا: یعنی الزام سے بری ہو جانا۔ یعنی میری زندگی کا واسطہ صرف شراب اور ساغر دو چیزوں سے تھا۔ ساغر کو شراب کی قیمت میں دے چکا اور شراب پی لی۔ اب نہ ساغر رہا نہ شراب رہی۔ اب کوئی امر موجب الزام نہ رہا۔

(رندی و آخوشی)

رسوائے دہر گو ہوئے آوارگی سے ہم
بارے طبیعتوں سے تو چالاک ہو گئے

مطلب یہ ہے کہ طبیعت تبھی چلتی ہے کہ انسان آوارہ و وارستہ مزاج ہو۔

(رسوائی دنیا کی علامۂ عشق)

کہتا ہے کون نالۂ بلبل کو بے اثر
پردے میں لاکھ گل کے جگر چاک ہو گئے

یعنی گل کے جگر کا چاک ہونا نالۂ بلبل کے اثر سے ہے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ نالہ بے اثر نہیں ہوتا۔ (با اثری نالہ)

پوچھے ہے کیا وجود و عدم اہلِ شوق کا
آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے

پوچھے ہے کا فاعل تو محذوف ہے اور مراد دوست ہے۔ یعنی عاشق خود آپ اپنی آگ (عشق) میں جل کر ختم ہو جاتا ہے یہی اس کے وجود و عدم کی حقیقت ہے جسے بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ (فناگیریٔ عشق)

کرنے گئے تھے اس سے تغافل کا ہم گلہ
کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے

یعنی تغافل (عدم التفات) کرنے کا گلہ کرنے گئے تھے لیکن ہوا یہ کہ جب اس نے نظر التفات کی تو ہم تاب نظر نہ لا سکے اور خاک ہو گئے۔ بقول:

کس نیست کہ جاں از تو سلامت ببرد
آں را بہ غمزہ کشتی ایں را بنگاہ

(رباعیات جامی)

اس رنگ سے کل اس نے اٹھائی اسد کی نعش
دشمن بھی جس کو دیکھ کے غمناک ہو گئے

یعنی معشوقِ سنگ دل کا اسد (عاشق) کی لاش کو اٹھانا ایک ایسا الم ناک منظر تھا کہ دشمن بھی غمناک ہو گئے۔ ایک تو اس لیے کہ غیر متوقع وہ نظارہ درد ناک تھا اور دوسرے اس لیے بھی کہ اسد کے لیے معشوق نے ایسے تاثرات رحم و محبت کا اظہار کیا کہ جس کی رقیبوں کو توقع نہ تھی۔ (بے کسی و شماتت محبوب)

(۲۱۱)

نشہ ہا شاداب رنگ و ساز ہا مست طرب
شیشۂ مے سرو سبز جوئبار نغمہ ہے

یعنی نشہ رنگ پر ہے اور ساز نغمات مسرت سے پر ہے اور شراب کی بوتل جوئبار نغمہ کا سرو سبز (سرود افزائے نغمہ) معلوم ہوتی ہے۔ (خوش وقتی عیش)

ہمنشیں مت کہہ کہ برہم کر نہ بزم عیش دوست
واں تو میرے نالے کو بھی اعتبار نغمہ ہے

یعنی محبوب میرے نالہ و فریاد سے اس طرح خوش ہوتا ہے کہ گویا کوئی نغمہ ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ میرا نالہ برہم زنِ عیش ہوگا درست نہیں ہے۔ (سنگ دلی محبوب)

(۲۱۲)

عرضِ نازِ شوخیِ دنداں برائے خندہ ہے
دعوئ جمعیتِ احباب جائے خندہ ہے

یعنی محبوب کے خوشنما دانت جو ہنسنے میں نظر آنے لگے اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا ہے تو اب یہ دعویٰ کہ عشاق کا سکون باقی رہے گا ایسا دعویٰ ہے جس پر ہنسنا چاہیے۔ (نمک پاشی خندۂ محبوب)

ہے عدم میں غنچہ محوِ عبرتِ انجامِ گل
یک جہاں زانو تامل در قفائے خندہ ہے

یک جہاں زانو تامل: یعنی فکر بے نہایت۔ یعنی کلی جو ہنوز کھلی نہیں یا عالمِ عدم میں ہے ہنسی کو دبائے ہوئے ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ انجامِ گل سے جو ہنسنے یعنی کھلنے کے بعد اسے پیش آتا ہے عبرت پکڑ کر محوِ تفکر ہے۔ (عبرت انجامی عیشِ حیات)

کلفتِ افسردگی کو عیشِ بے تابی حرام
ورنہ دنداں در دل افشردن بنائے خندہ ہے

دنداں در دل افشردن: یعنی مبتلائے اذیت ہونا۔ یعنی عشق میں مبتلائے اضطراب و آلام ہونا دل خوش کن ہوتا ہے۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ افسردگی کے عالم بے خبری میں اضطراب کا لطف میسر ہی نہیں ہو سکتا۔ (زیان افسردگی)

سوزشِ باطن کے ہیں احباب منکر ورنہ یاں
دل محیطِ گریہ و لب آشنائے خندہ ہے

یعنی سوزشِ پنہاں تو اسی حالت کا نام ہے جو میری ہے کہ دل پردہ تا غایب ہے اور لب پر ہنسی ہے لیکن اس کا کیا علاج کہ احباب سوزشِ باطن کے قائل ہی نہیں۔ وہ رنگِ ظاہر کو دیکھتے ہیں۔ (شکوۂ اربابِ ظاہر)

(۲۱۳)

حسن بے پروا خریدارِ متاعِ جلوہ ہے
آئینہ زانوئے فکرِ اختراعِ جلوہ ہے

متاعِ جلوہ: بمعنی سامانِ جلوہ طرازی۔ یعنی جس طرح انسان گھٹنے میں سر دے کر کوئی بات سوچتا ہے اسی طرح محبوب ہر چند کہ بے پروا ہے آئینہ سامنے رکھ کر نئی سے نئی جلوہ طرازی کی فکر میں ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن بے پروا بھی سامانِ جلوہ کا طلب گار ہے۔
(ذوقِ جلوہ طرازیِ محبوب)

تا کجا اے آگہی رنگِ تماشا باختن
چشمِ وا گردیدہ آغوشِ وداعِ جلوہ ہے

رنگِ تماشا باختن: بمعنی مصروفِ نظارہ ہونا۔ یعنی نظارہ کتنی دیر کا؟ آنکھ کھلتے ہی تو حیرت ہوتی ہے کہ جلوہ رخصت ہو جاتا ہے۔ بقول:

چشم وا کردن کفیلِ فرصتِ نظارہ نیست — پرتوِ ایں شمع آغوشِ وداعِ محفل است
(خیرگیٔ حیرت) — (بیدل)

(۲۱۴)

جب تک دہانِ زخم نہ پیدا کرے کوئی
مشکل کہ تجھ سے راہِ سخن وا کرے کوئی

یعنی جب تک کہ عشق کا گھاؤ نہ لگے یا معشوق کی ٹھوکر نہ لگے محبوب حقیقی سے شرف بار (قرب) حاصل نہیں ہو سکتا۔ (کارسازیٔ غمِ عشق)

عالم غبارِ وحشتِ مجنوں ہے سر بسر
کب تک خیالِ طرۂ لیلیٰ کرے کوئی

خیال کرنا، بمعنی حفاظت کرنا۔ یعنی طرۂ لیلیٰ کو غبارِ وحشتِ مجنوں سے کب تک سادہ رکھا جا سکتا ہے جب کہ اس کا غبار تمام جہاں میں پھیلا ہوا ہے۔ حسن کا عشق سے متاثر ہونا ناگزیر ہے۔ (تاثیرِ عشق)

پہلوئے معرفت یہ ہے کہ یہ جہاں اہلِ عشق یا اہلِ جستجو کا برپا کیا ہوا غبار ہے جو محبوبِ حقیقی کے حسن کو چھپائے ہوئے ہے۔ ان حجابات کو مٹانا ممکن نہیں ہے۔ (استحالۂ ادراکِ حقیقت)

افسردگی نہیں طرب افزائے التفات
ہاں درد بن کے دل میں مگر جا کرے کوئی

یعنی جب تک کہ کسی کے دل میں گھر نہ کرو تمہاری افسردگی پر کوئی توجہ نہ کرے گا۔ (تلازمِ دل دہی و دلداری)

رونے سے اے ندیم ملامت نہ کر مجھے
آخر کبھی تو عقدۂ دل وا کرے کوئی

یعنی ضبطِ گریہ سے جو دل گھٹا ہوا رہتا ہے کبھی تو یہ گرہ کھلنی چاہیے۔ پس رونے پر ملامت نہ کرو۔ (التجائے رخصتِ گریہ) یا (جبرِ گریہ)

چاکِ جگر سے جب رہِ پرسش نہ وا ہوئی
کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی

یعنی جگر پھاڑ کر چیخنے سے جب کچھ اثر نہ ہوا اور اس نے حال نہ پوچھا تو گریبان چاک کرنے سے کیا ہوگا۔ (شکوۂ بے التفاتی)

لختِ جگر سے ہے رگِ ہر خار شاخِ گل
تا چند باغبانیِ صحرا کرے کوئی

یعنی میں نے اس قدر صحرا نوردی کی کہ تمام صحرا کے کانٹے میرے خونِ جگر سے پھول کی ٹہنیاں بن گئے۔ اب اس طرح کی باغبانیِ صحرا کب تک کرتا رہوں۔

آغشتہ ایم ہر سرِ خارے بخونِ دل
قانونِ باغبانیِ صحرا نوشتہ ایم

(بیانِ صحرا نوردی و خوں فشانی)

ناکامیِ نگاہ ہے برقِ نظارہ سوز
تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی

برقِ نظارہ سوز: استعارہ از جلوۂ خیرہ ساز۔ یعنی تیرا نظارہ ان آنکھوں سے ممکن نہیں۔ کیونکہ تیری نظارہ سوز بجلی (جلوہ گری) نگاہ کو ناکام بنا دیتی ہے۔ (خیرہ سازیِ جلوہ)

ہر سنگ و خشت ہے صدفِ گوہرِ شکست
نقصان نہیں جنوں سے جو سودا کرے کوئی

یعنی جنوں کے سودا کرنے میں نقصان نہیں بلکہ فائدہ ہے کیونکہ سودائے جنوں میں جو سنگ و خشت حاصل ہوتے ہیں وہ گوہرِ شکست کے سبب ہیں کہ ان سے جو زخم پیدا ہوتے ہیں وہ موتی کی طرح قابلِ قدر ہیں جو عشاق کے نزدیک بڑی گرانبہا چیز ہے۔ (قدر و قیمتِ جراحت)

سر بر ہوئی نہ وعدۂ صبر آزما سے عمر
فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی

یعنی تمنّا کا وقت تو وہ ہوتا ہے جب وعدہ کی میعاد ختم ہو جائے۔ وہاں وعدہ میں ہی عمر ختم ہو گئی تمنا کا موقع کہاں رہا۔ (دوامِ حسرت نا امیدی)

ہے وحشتِ طبیعتِ ایجاد یاس خیز
یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی

یعنی موجودات کی فطرت میں وحشت ہے کہ ہر چیز گریزپا (رفتار آمادہ) ہے جس کا نتیجہ مایوسی ہے اور چونکہ مایوسی فطرتِ ایجاد کے نتائج میں سے ہے اس لیے کوئی بھی اس درد یاس سے خالی نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر شخص حسرت خوردہ ہے۔ بقول: کُلُّ مَنْ علیہا فان۔ (جہان گیریٔ یاس)

بے کاریٔ جنوں کو ہے سر پیٹنے کا شغل
جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی

یعنی حالتِ جنون میں سر پیٹنے کے سوا اور کوئی شغل نہیں ہوتا لیکن جب ہاتھ بھی ٹوٹ جائیں تو انسان کیا کرے۔ (کمالِ بے بسی)

دوسرے معنی یہ ہیں کہ اہلِ جنون دست شکستہ ہوتا ہے کہ اس سے کچھ کام نہیں ہو سکتا۔ اس از کار رفتگی پر سر پیٹنے اور افسوس کرنے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ (بے بسیٔ اہلِ جنوں)

حسنِ فروغِ شمعِ سخن دور ہے اسدؔ
پہلے دلِ گداختہ پیدا کرے کوئی

یعنی جب تک دل میں سوز و گداز عشق پیدا نہ ہو، کلام میں بھی سوز و گداز نہیں پیدا ہو سکتا۔ (تلازمِ عشق و شاعری)

(۲۱۵)

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

یعنی میرے نزدیک تو مسیحائی وہ ہے جو میرے کام آئے۔ مطلب یہ ہے کہ مسیحا سب کا علاج کر سکتے ہیں۔ علاجِ عشق سے عاجز ہیں۔ (بے درمانیٔ دردِ عشق)

شرع و آئین پر مدار سہی
ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی

یعنی جو قتل بھی کرے اور شرع و آئین کی رُو سے ناقابلِ مواخذہ بھی ہو اس کا کیا علاج۔ (بے درمانیٔ عشق)

چال جیسے کڑی کمان کا تیر
دل میں ایسے کے جا کرے کوئی

یعنی ایسے کے دل میں جگہ کرنی بڑی بات ہے جو تیر کی طرح کسی کی طرف التفات کیے بغیر گزر جاتا ہو۔ (تغافل و بے نیازیٔ محبوب)

بات پر واں زبان کٹتی ہے
وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

یعنی وہ تو جو چاہے کہے۔ دوسرے کو بولنے کی اجازت نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اہلِ عشق کو پیکرِ تسلیم و رضا ہونے کے علاوہ چارہ نہیں۔ (درسِ تحملِ شدائد)

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

یعنی یہی بہتر ہے کہ اہلِ جنونِ عشق کی بات کوئی نہ سمجھے۔ کیونکہ اگر اس کی بات سمجھی گئی تو یہ خود اہلِ جنون کے لیے تباہ کن ہوگا کیونکہ یہ افشائے رازِ عشق ہے۔ (تعلیم اخفائے سترِ عشق)

نہ سنو گر بُرا کہے کوئی
نہ کہو گر بُرا کرے کوئی

نہ سنو: یعنی توجہ نہ دو۔ نہ کہو: یعنی تذکرہ نہ کرو۔ یعنی نہ کسی کی برائی سنو اور نہ کسی کی برائی بیان کرو۔ (منع استماعِ غیبت و مذمتِ نمامی)

روک لو گر غلط چلے کوئی
بخش دو گر خطا کرے کوئی

یعنی نہی عن المنکر یا بری بات سے باز رکھنے اور عفو عن الناس، خطاؤں کے درگزر کرنے کے اصول پر عمل کرو۔ (تعلیم نہی عن المنکر و عفو عن الناس)

کون ہے جو نہیں ہے حاجتمند
کس کی حاجت روا کرے کوئی

کوئی: کنایہ از محبوب۔ یعنی اہلِ حاجت اس قدر ہیں کہ سب کی حاجتوں کو پورا کرنا ممکن نہیں۔ (کثرتِ اہلِ طلب) یا یہ کہ ہر شخص خود حاجتمند ہے تو کوئی کسی کی حاجت روائی کیسے کر سکتا ہے۔ اشارہ ہے اس امر کی جانب کہ حاجت روا صرف وہ ہو سکتا ہے جو کسی کا محتاج نہ ہو۔ (درسِ ترکِ طلب)

کیا کیا خضر نے سکندر سے
اب کسے رہنما کرے کوئی

یعنی رہنما خضر بھی ہو تو حصولِ مدعا رہنمائی بخت کے بغیر ممکن نہیں۔ (ناکامی تدبیر)

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

یعنی توقعِ التفات ہی نہیں تو گلہ بیکار ہے۔ (عالمِ یاس)

(۲۱۶)

بہت سہی غمِ گیتی شراب کم کیا ہے
غلامِ ساقیِ کوثر ہوں مجھ کو غم کیا ہے

یعنی دنیا میں کتنے ہی غم و مصائب کیوں نہ ہوں ساقیِ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شرابِ طہور کی کمی نہیں وہ تمام غمِ دنیا بھلا دیں گے۔ (بے غمی باشتیاقِ رسول)

تمہاری طرز و روش جانتے ہیں ہم کیا ہے
رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے

ستم: یعنی امرِ خلافِ توقع۔ یعنی تمہارا طریق کار ہی ستانا ہے لہٰذا رقیب پر مہربانی کوئی خلافِ امید بات نہیں کیونکہ یہ بھی ہم پر ستم ہی ہے۔ (شکوۂ جفا و رشکِ رقیب)

کٹے تو شب کہیں کاٹے تو سانپ کہلاوے
کوئی بتاؤ کہ وہ زلفِ خم بہ خم کیا ہے

یعنی زلفِ خمدار کو شب یا سانپ کہا جا سکتا ہے لیکن اگر یہ شب ہوتی تو کٹ جاتی اور اگر سانپ ہوتی تو کہیں کاٹتی۔ اب یہ تو رات کی طرح کاٹے کٹتی ہے اور نہ سانپ کی طرح کاٹتی ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کیا کہا جائے۔

(درازی و ہلاکت آفرینیٔ زلف)

لکھا کرے کوئی احکامِ طالعِ مولود
کسے خبر ہے کہ واں جنبشِ قلم کیا ہے

یعنی ، نجوم شناس نہیں جان سکتا کہ سرنوشت میں کیا ہے (بے خبری از سرنوشت)

نہ حشر و نشر کا قائل نہ کیش و ملت کا
خدا کے واسطے ایسے کی پھر قسم کیا ہے

یعنی جو ایسا خدا ناترس ہو کہ مواخذۂ آخرت سے بھی نہ ڈرے اس کی قسم کا بھی کیا اعتبار۔ (شکوۂ بدعہدیٔ معشوق)

وہ داد و دید گراں مایہ شرط ہے ہمدم
وگرنہ مہرِ سلیمان و جامِ جم کیا ہے

یعنی مہرِ سلیمان و جامِ جم کی گرانقدری داد و دید پر موقوف ہے اگر عدل و جہاں نمائی نہ ہوتی تو یہ چیزیں کچھ بھی نہیں تھیں ۔ (قدر افادیت)

سخن میں خامۂ غالب کی آتش افشانی
یقیں ہے ہم کو بھی لیکن اب اس میں دم کیا ہے

یعنی غالب کی آتش بیانی سے انکار نہیں لیکن اضمحلالِ طبع کے باعث اب اس کی طبیعت افسردہ ہو کر رہ گئی۔ (بیان افسردگی خاطر)

(۲۱۷)

باغ پا کر خفقانی، یہ ڈراتا ہے مجھے
سایۂ شاخِ گل افعی نظر آتا ہے مجھے

ڈراتا ہے کا فاعل باغ ہے ۔ یہ کمال مبالغہ بیت ہے۔ یعنی میرے خفقان کا یہ

عالم ہے کہ باغ بھی مجھے پاگل سمجھ کر ڈرانے لگا یہاں تک کہ سایۂ شاخ سے سانپ کی طرح ڈرتا ہوں ۔ (ہیبتِ وحشتِ عشق)

جوہرِ تیغ بہ سرچشمۂ دیگر معلوم
ہوں میں وہ سبزہ کہ زہرابؔ اگاتا ہے مجھے

زہراب : کنایہ از تلخیٔ روزگار ۔ یعنی جس طرح تلوار کی آب و تاب کا سرچشمہ خود اس کی اپنی ہستی کے سوا اور کوئی دوسرا نہیں ہے اسی طرح میں بھی ایک ایسا سبزہ ہوں جو تلخی ہائے زمانہ سے ابھرا ہوں ۔ (تلخ کامیٔ ازلی)

مدعا، محوِ تماشائے شکستِ دل ہے
آئینہ خانہ میں کوئی لیے جاتا ہے مجھے

"مدعا" مبتدا اور "محو تماشا" خبر ہے ۔ یعنی کسی کی بے وفائی سے دل اس قدر شکستہ ہوا کہ اس کے ٹکڑوں سے ایک آئینہ خانہ کی سی کیفیت پیدا ہوگئی جس میں مدعائے دل محوِ تماشا ہو کر رہ گیا اور نہ نکل سکا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا مجھے کسی نے آئینہ خانہ میں ڈال دیا ہے ۔ ظاہر ہے کہ جہاں حیرت ہو وہاں مدعا کیسا ؟ (نامرادی)

نالہ سرمایۂ یک عالم و عالم کفِ خاک
آسماں بیضۂ قمری نظر آتا ہے مجھے

یہ مشتِ خاکستر دنیا جو پُر از نالہ ہے آسمان سے ڈھکی ہوئی ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے ایک بیضۂ قمری ہو ۔ ظاہر ہے کہ بیضہ کے اندر بچہ ہوتا ہے لہٰذا خیالی طور پر اس بیضۂ قمری میں بھی یک مشتِ خاکستر بچۂ قمری کا پُر از نالہ و فغاں متصور ہے جو آسمان سے ڈھکی ہوئی دنیا کی مانند ہے ۔ (فراگیریٔ غمِ دنیا)

زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیتے تھے
دیکھوں اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے

یعنی زندگی میں تو وہ مجھ سے اس قدر بیزار رہتے تھے کہ اپنی محفل سے اٹھا دیتے تھے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ مرے پیچھے بھی انھیں میرا کچھ خیال ہے اور میرا جنازہ اٹھاتے ہیں یا نہیں۔ (حسرتِ التفاتِ محبوب)

(۲۱۸)

روندی ہوئی ہے کوکبۂ شہریار کی
اترائے کیوں نہ خاک سرِ رہگزار کی

یعنی خاک رہگزار کو فخر ہے کہ بادشاہ کا جلوس ادھر سے گزرا ہے۔ (تشریف قدوم سلطان)

جب اس کے دیکھنے کے لیے آئیں بادشاہ
لوگوں میں کیوں نمود نہ ہو لالہ زار کی

یعنی لالہ کو فروغ اس لیے حاصل ہے کہ بادشاہ کو اس کا نظارہ پسند ہے۔ (تمجید سلطان)

بھوکے نہیں ہیں سیرِ گلستاں کے ہم ولے
کیونکر نہ کھائیے کہ ہوا ہے بہار کی

یعنی ہمیں باغ سے غرض نہیں ہوائے بہار سے غرض ہے جو باغ کو بھی شاداب کرتی ہے (تعلیم استفادہ از مبدا فیاض)

(۲۱۹)

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

یعنی تمام ارمان کہاں نکل سکتے ہیں جب کہ ہزاروں ایسے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک جان لیوا ہے ۔ (جانکاہی کثرتِ آمال)

ڈرے کیوں میرا قاتل کیا رہے گا اس کی گردن پر
وہ خوں جو چشمِ تر سے عمر بھر یوں دم بدم نکلے

یعنی میرا خون تو آنکھوں سے ہر گھڑی نکل رہا ہے ۔ اب کیا باقی رہے گا جو قاتل کی گردن پر رہے ۔ پس اسے میرے قتل سے نہ ڈرنا چاہیئے ۔ ظاہر ہے کہ جب خون ہی نہ ہو تو خونریزی کا الزام کیسا ۔ بقولِ داغ ۔ ع خون ہی مجھ میں نہ تھا خون کا دعویٰ کیسا ۔

(شوقِ شہادت)

نکلنا خُلد سے آدم کا سُنتے آئے ہیں لیکن
بہت بے آبرو ہو کر ترے کُوچے سے ہم نکلے

یعنی تیرے کوچے سے نکلنا خلد سے نکلنے کی بہ نسبت زیادہ گراں خاطر ہے ۔ (ذلتِ کوئے یار)

بھرم کھل جائے ظالم تیری قامت کی درازی کا
اگر اس طرۂ پُر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے

یعنی اگر زلف کا پیچ و خم نکال دیا جائے تو وہ تیرے قدِ بالا سے زیادہ دراز نکلے گی ۔

(درازیٔ زلفِ محبوب)

اگر لکھوائے کوئی اس کو خط تو ہم سے لکھوائے
ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے

یعنی محبوب تک پہنچنے کے لیے کسی وسیلہ کا اس قدر مشتاق ہوں کہ تمام دن سب سے پوچھتا پھرتا ہوں کہ کیا کوئی اسے خط لکھوائے تو مجھ سے لکھوائے ۔ (تلاشِ تقریبِ ملاقات)

ہوئی اس دور میں منسوب مجھ سے بادہ آشامی
پھر آیا وہ زمانہ جو جہاں میں جام جم نکلے

یعنی یا تو دور جام جمشید کا تھا اور یا پھر اس زمانہ میں میرا ہے۔ (مذاقِ بادہ گساری)

ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی
وہ ہم سے بھی زیادہ کشتۂ تیغ ستم نکلے

یعنی ایسے لوگ بھی جنہیں میں سمجھا تھا کہ وہ میری خستہ حالی کی قدر کریں گے مجھ سے زیادہ خستہ حال ثابت ہوئے۔ (جہانگیریٔ غم)

بعض نسخوں میں قافیہ دودم آیا ہے۔

محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا
اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

یعنی اہل محبت کے جینے اور مرنے میں کوئی امتیاز نہیں۔ ان کے نزدیک محبت میں جان دینا عین زندگی ہے۔ (نشاطِ مرگ، عشاق)

خدا کے واسطے پردہ نہ کعبہ سے اٹھا واعظ
کہیں ایسا نہ ہو یاں بھی وہی کافر صنم نکلے

پردہ اٹھانا: یعنی چھپی ہوئی بات کو ظاہر ہونے دینا۔ یعنی اے واعظ پرستارئ کعبہ کی دعوت بجا لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ کعبہ کے پردہ میں کافر صنم کی پرستاری ہو رہی ہو اس لیے اس کی چھان بین نہ کر۔ معمارِ کعبہ کی دعا تھی واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام

(ریائی عبادتِ خاص)

کہاں میخانہ کا دروازہ غالب اور کہاں واعظ
پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

یعنی حافظ بھی اسی میخانے سے فیض یاب ہے جس سے رند، فرق صرف دیر سویر کا ہے۔ میخانے سے مراد میخانۂ عشق ہے اور مطلب یہ ہے کہ عشق یا ایمان مقدم ہے اعمال پر۔ بقول: پہنچے دانا بھی اسی منزل پہ دیوانے کے بعد۔ شان (تقدیمِ عشق بر مسائلِ عقل

(۲۲۰)

کوہ کے ہوں بارِ خاطر گر صدا ہو جائیے
بے تکلف اے شرارِ جستہ کیا ہو جائیے

بے تکلف ہونا، یعنی ترکِ ایذا رسانی کرنا۔ شرارِ جستہ، دل سے نکلی ہوئی چنگاری یا اضطرابِ خاطر۔ یعنی اے اضطرابِ خاطر کیسے ہو کہ میں کسی کو تکلیف نہ دوں، جبکہ حالت یہ ہے کہ آواز جیسی ہلکی پھلکی چیز بھی پہاڑ کے لیے گرانِ خاطر ہوتی ہے اور وہ رد کر دیتا ہے۔
(شرمِ گرانِ خاطری)

بیضہ آسا ننگِ بال و پر ہے یہ کنجِ قفس
از سرِ نو زندگی ہو گر رہا ہو جائیے

یعنی کنجِ قفس سے رہائی گویا انڈے سے باہر نکلنا ہے کہ جس سے نئی زندگی شروع ہوتی ہے۔ بال و پر کے لیے جس طرح انڈے میں رہنا باعثِ شرم ہے ایسے ہی قفس میں رہنا باعثِ شرم ہے۔ (جذبۂ حریت)

۲۲۱

مستی بہ ذوقِ غفلتِ ساقی ہلاک ہے
موجِ شراب یک مژۂ خوابناک ہے

ہلاک ہے، مبتلا ہے۔ ذوقِ غفلت، جذبۂ بے نیازی کی عادت۔ ساقی، کہ

از محبوب۔ یعنی ساقی محبوب کی ادا سے بے نیازی پر خود مستی کا فریفتہ ہے۔ وہ اس درجہ مستی انگیز ہے کہ اس کی خراب آلود آنکھوں کی پلکوں کے بال شراب کی لہریں بن گئے ہیں۔ (معنوی ادائے بے نیازی)

جز زخمِ تیغِ ناز نہیں دل میں آرزو
جیبِ خیال بھی ترے ہاتھوں سے چاک ہے

جیب چاک ہے، یعنی جیب خالی ہے، یعنی بجز آرزوئے زخم مجھے اور کسی چیز کا خیال نہیں۔ (رفعتِ جراحت طلبی)

یا یہ کہ میرے دل میں بے شمار آرزوئیں تھیں وہ سب ختم ہو گئیں اسباب بجز زخم ناز کے دل میں کچھ نہیں ہے یہاں تک کہ کسی کا خیال بھی باقی نہیں رہا۔ (کمالِ یاس)

جوشِ جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسدؔ
صحرا ہماری آنکھ میں اک مشتِ خاک ہے

یعنی جوشِ دیوانگی کی یہ کیفیت ہے کہ اس کے مقابلہ میں صحرا ایک مشتِ خاک سے زیادہ نظر نہیں آتا۔ (مبالغۂ وحشت)

یا یہ کہ صحرا نے ہماری آنکھوں کے ساتھ وہ کام کیا جو مشت بھر خاک آنکھوں میں جھونکنے سے ہوتا ہے کہ پھر کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ یہی حال اہلِ جنوں کا ہوتا ہے کہ صحرا میں جا کر ہر طرف سے ان کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ (دیوانگی)

(۲۴۲)

لبِ عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گہوارہ جنبانی
قیامت کشتۂ لعلِ بتاں کا خوابِ سنگیں ہے

قیامت ہے، یعنی بہت زیادہ ہے۔ یعنی کشتگانِ عشق موت کی ایسی گہری نیند میں سوئے ہیں کہ لبِ عیسیٰ بجائے زندہ کرنے کے الٹا جنبشِ گہوارہ کا کام کرتا ہے۔ (بے خودیِ عشق)

(۲۲۳)

آمدِ سیلابِ طوفانِ صدائے آب ہے
نقشِ پا جو کان میں رکھتا ہے انگلی جادہ سے

یعنی نقشِ پا نے جو اپنے کانوں میں جادہ کی انگلی ٹھونس رکھی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی طوفانِ سیلاب کی آمد کا شور سن رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر شے معرضِ فنا ہے یا فنا آمادہ ہے۔ حتیٰ کہ نقوشِ پا بھی اندیشۂ مرگ سے دوچار ہیں۔ (مرگ انجامیِ کائنات)

بزمِ مے وحشت کدہ ہے کس کی چشمِ مست کا
شیشے میں موجِ پری کا پنہاں ہے نبضِ بادہ سے

نبضِ بادہ، موجِ جنبش ہے۔ یعنی محبوب کی چشمِ مست نے تمام محفل کو وحشت کدہ بنا دیا ہے اور چونکہ وحشت کدوں میں پریوں کا گزر ہوتا ہے اس لیے ہر شیشے میں شراب کا جھاگ یا دو پری کا اثر ہے۔ (جزو اثری چشمِ مست محبوب)

(۲۲۴)

ہوں میں بھی تماشائیِ نیرنگِ تمنا
مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی بر آئے

یعنی تمنا سے غرض صرف یہ ہے کہ دیکھوں تمنا کیا گل کھلاتی ہے۔ یہ غرض نہیں ہے کہ تمنا پوری ہی ہو جائے (ذوقِ تجسس)

(۲۲۵)

سیاہی جیسے گر جائے دمِ تحریر کاغذ پر
مری قسمت میں یوں تصویر ہے شب ہائے ہجراں کی

یعنی میری سرنوشتِ تقدیر میں شب ہائے ہجراں کی جو تصویر کشی کی گئی ہے وہ ایسی بدنما ہے جیسے لکھتے وقت سیاہی گر جائے اور سارا کاغذ بدنما بنا دے گویا میری سرنوشتِ تقدیر نہایت بری ہے۔ اور ہجراں کے سوا میرے نوشتۂ تقدیر میں اور کچھ نہ تھا۔ (ہجراں نصیبی)

(۲۲۶)

ہجومِ نالہ، حیرت عاجزِ عرضِ یک افغاں ہے
خموشی ریشۂ صد نیستاں سے خس بدنداں ہے

خس بدنداں ہونا: بمعنی اظہارِ عجز کرنا۔ یعنی ہجومِ نالہ ہے لیکن غایتِ حیرانی سے ایک چیخ نکالنے سے بھی عاجز ہوں اس عاجزی کا اظہار خاموشی نے بے شمار نے کے تنکے دانت میں لے کر کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ نالہ کرنے سے عاجز ہوں اور خاموش ہوں لیکن چونکہ اظہارِ عجز کے لیے میں نے دانتوں میں لیا ہے وہ نے کا ہے جس کا خاصہ فریاد ہے۔ گویا ہرچند کہ خاموش ہوں تاہم اس خاموشی میں فریاد ہی فریاد ہے (فریادِ بے صدا)

تکلف برطرف ہے جاں ستاں تر لطفِ بدخویاں
نگاہِ بے حجابِ ناز تیغِ تیزِ عریاں ہے

تکلف برطرف: بمعنی حقیقت یہ ہے۔ بدخو: بمعنی تند مزاج۔ یعنی حقیقت یہ ہے کہ اگر محبوب تند مزاج لطف سے بے حجاب ہو کر سامنے آئے تو اس کی نگاہِ ناز تیغِ برہنہ کی طرح اور بھی زیادہ جان لیوا ثابت ہوتی ہے۔ (جانثار اختر)

ہوئی یہ کثرتِ غم سے تلف کیفیتِ شادی
کہ صبحِ عید مجھ کو بدتر از چاکِ گریباں ہے

یعنی اتنا غم ہے کہ عید کی صبح شادمانی کی بجائے چاکِ گریباں سے زیادہ المناک اور غم افزا معلوم ہوتی ہے۔ (حیات اللہ انصاری)

دل و دیں نقد لا ساقی سے گر سودا کیا چاہے
کہ اس بازار میں ساغر متاعِ دست گرداں ہے

یعنی دل و دین دے کر بھی ساقی سے ساغرِ مے لینا چاہیے کیونکہ یہ متاعِ عزیز ایک ہاتھ میں نہیں رہتی۔ (گرانقدریٔ بادہ)

غم آغوشِ بلا میں پرورش دیتا ہے عاشق کو
چراغِ روشن اپنا قلزمِ صرصر کا مرجاں ہے

یعنی غمِ عشق مصائب و آلام میں اہلِ عشق کی قدر اور بڑھا دیتا ہے گویا عشق ایک ایسا چراغ ہے جو آندھیوں کے سمندر میں اس طرح نشوونما پاتا ہے جیسے سمندر میں مونگا جو ایک قیمتی جوہر ہے اور جس کے پاس ہو عالی قدر ہو جاتا ہے۔ (گرانقدریٔ عشق)

(۲۲۷)

خموشیوں میں تماشا ادا نکلتی ہے
نگاہ دل سے، تری سرمہ سا نکلتی ہے

تماشا ادا: یعنی نظر افروز۔ نکلتی ہے: یعنی پار ہو جاتی ہے۔ سرمہ سا کے معنی جاذبِ نظر ہونے کے بھی ہیں اور سرمہ خوردہ یا خاموش ہونے کے بھی۔ یعنی تیری نگاہ اگرچہ چپکے چپکے دل میں اتر جاتی ہے تاہم وہ سرمہ سا ہوتی ہے کیونکہ چھپ کر نہیں بلکہ نظر افروز ہو کر جاتی ہے (رازِ نگاہِ ناز)

فشارِ تنگیٔ خلوت سے بنتی ہے، شبنم
صبا جو غنچے کے پردے میں جا نکلتی ہے

بنتی ہے، میں مرجع ضمیر مستتر کا صبا ہے۔ یعنی صبا غنچے کی خلوت میں جاتی ہے تو وہ اسے بھینچ لیتا ہے اور وہ شرم کے مارے پانی پانی ہو کر شبنم بن جاتی ہے۔ (بیانِ حیائے اختلاط

نہ پوچھ سینۂ عاشق سے آبِ تیغِ نگاہ
کہ زخمِ روزنِ در سے ہوا نکلتی ہے

یعنی سینۂ عاشق پر جو تیغِ نگاہ کی دھار کا اثر یا زخم ہے اسے رہنے دے کیونکہ اس شگافِ در سے ٹھنڈی ہوا (مراد آہِ سرد) نکل رہی ہے جو موجبِ تسکینِ خاطر ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جراحتِ سینہ راحت بخشِ عاشق ہے۔ (لذتِ زخم)

(۲۲۵)

جس جا نسیم شانہ کشِ زلفِ یار ہے
نافہ دماغِ آہوئے مشکِ تتار ہے

یعنی خوشبوئے زلف آہوانِ تاتاری کے دماغ کو بھی معطر کر دیتی ہے۔ (تحسینِ خوشبوئے زلف)

کس کا سراغِ جلوہ ہے حیرت کو اے خدا
آئینہ فرشِ شش جہتِ انتظار ہے

آئینہ فرش : بمعنی حیرت افزا۔ شش جہت : بمعنی عالم۔ یعنی کونسا محبوب اہلِ حیرت کے سامنے جلوہ افروز ہونے کو ہے کہ اس کے انتظار میں تمام جہان آئینہ خانہ یا حیرت کدہ بن گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لوگ اس کے نمودِ جلوہ سے حیران ہیں لیکن وہ مشہود نہیں ہے۔ (مستوریٔ جلوۂ محبوبِ حقیقی)

ہے ذرہ ذرہ تنگیٔ جا سے غبارِ شوق
گر دام یہ ہے وسعتِ صحرا شکار ہے

یعنی شوق اس قدر زیادہ ہے کہ صحرا میں سما نہیں سکتا۔ یہاں تک کہ شوق بس کہ غبار

بن گیا ہے جو ذرات کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اگر شوق کے ہر ذرہ کو ایک جال تصور کیا جائے تو تمام صحرا اس جال میں سما سکتا ہے۔ (بے پایانیٔ شوق)

دلِ مدعی و دیدہ بنا مدعا علیہ
نظارہ کا مقدمہ پھر روبکار ہے

یعنی نظارہ کا مقدمہ پیش ہے جس میں دل و دیدہ فریقین مقدمہ ہیں۔ نظارہ سے مرتبہ نتائج کی ذمہ داری دل و دیدہ پر ڈال رہا ہے۔ لیکن یہ ایسا معاملہ ہے جو ہنوز تصفیہ طلب ہے۔ کیونکہ اس میں دونوں ہی ملوث ہوتے ہیں۔ بقول:

چوں در نظرے بودی چوں بے خطرے دانم ‏ ‏ ‏ ‏ ایں قال دل و دیدہ تو دانی و من دانم
(الشارح)

(نارسائی اسرارِ عشق)

چھڑکے ہے شبنم آئینۂ برگِ گل پر آب
اے عندلیب وقتِ وداعِ بہار ہے

آئینہ پر پانی چھڑکنا ایک ایرانی رسم ہے جو کسی عزیز کو رخصت کرنے کے وقت ادا کی جاتی ہے۔ یعنی شبنم کا آئینۂ برگِ گل پر پانی چھڑکنا۔ وداعِ بہار کے لیے ہے۔ اشارہ یہ ہے کہ پھول کھلتے ہی گویا بہار رخصت ہونے لگتی ہے۔ بلبل کو خطاب اس لیے کیا کہ وہی پھول کا سب سے زیادہ دلدادہ ہے۔ (بے ثباتیٔ عہدِ بہار)

پیچ آپڑی ہے وعدۂ دلدار کی مجھے
وہ آئے یا نہ آئے پہ یاں انتظار ہے

پیچ آپڑنا ہے، یعنی احترام ملحوظِ خاطر ہے۔ یعنی وعدۂ محبوب کے احترام کا تقاضا یہ ہے کہ انتظار کرتا رہوں وہ آئے یا نہ آئے۔ (پاسِ وفا)

بے پردہ سوئے وادیٔ مجنوں گزر نہ کر
ہر ذرے کے نقاب میں دل بیقرار ہے

مخاطب لیلیٰ ہے یا محبوب۔ شاعر اہلِ جنوں کے صحرا میں گزرنے سے مانع اس لیے ہے کہ وہاں کا ذرہ ذرہ بے قرارِ عشق ہے جو معشوق کے لیے وجہِ پریشانی ہو سکتا ہے گویا اہلِ حسن کا اہلِ عشق سے گریز ممکن نہیں۔ (استعارہ احترازِ حسن از عشق)

اے عندلیب یک کفِ خس بہرِ آشیاں
طوفانِ آمد آمدِ فصلِ بہار ہے

یعنی اے عندلیب فصلِ بہار کا طوفان آنے والا ہے۔ ذرا سا تنکا آشیانے کے لیے ڈھونڈ رکھ کہ فرصتِ عیش رائیگاں نہ ہو۔ (اغتنامِ فرصتِ عیش)

دل مت گنوا خبر نہ سہی سیر ہی سہی
اے بے دماغ آئینہ تمثال دار ہے

یعنی دل ہاتھ سے نہ دے کیونکہ اس آئینہ میں محبوب کی تصویر ہے۔ گو اس کی حقیقت معلوم نہیں لیکن اس کا تصور تو ہے۔ (مقامِ قلب)

غفلت کفیلِ عمر و اسد ضامنِ نشاط
اے مرگِ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے

یعنی غفلت بقائے عمر کی ضامن بنی ہوئی ہے اور شاعر مصروفِ عیش ہے۔ مرگِ ناگہانی کے آنے کا یہی موقع ہے۔ (غفلت، مرگ انجام)

(۲۲۹)

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

یعنی حسنِ محبوب کی نظیر بجز آئینہ کے کہیں نظر نہیں آتی۔ (بے مثالیٔ حسنِ محبوب)

حسرت نے لا رکھا تری بزمِ خیال میں
گلدستۂ نگاہ سویدا کہیں جسے

یعنی سویدائے دل (داغ) میری نگاہ کا گلدستہ ہے جس کو شوق نے اس دل میں لا رکھ دیا ہے جس میں تیرے خیال کی بزم آراستہ ہے۔ (حسرتِ دید)

پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں اے خدا
افسونِ انتظار تمنا کہیں جسے

یعنی محبت کے ساتھ تمنا خوب پیدا ہوئی ہے جس کے باعث انتظار کی تلخی لذت سے بدل جاتی ہے یہی افسون ہے۔ (نشاطِ امید)

سر پر ہجومِ دردِ غریبی کے ڈالیے
وہ ایک مشتِ خاک کہ صحرا کہیں جسے

سر پر خاک ڈالنا: بمعنی ترک کرنا۔ کنارہ کشی اختیار کرنا۔ یعنی ہجومِ دردِ غریبی کے سر پر خاکِ صحرا ڈالیے۔ مطلب یہ ہے کہ دیوانہ بن کر صحرا نوردی اختیار کرو تاکہ دردِ بے وطنی کا احساس ہی باقی نہ رہے۔ (رفیقِ جنون)

ہے چشمِ تر میں حسرتِ دیدار سے نہاں
شوقِ عناں گسیختہ دریا کہیں جسے

عناں گسیختہ: بمعنی بے قابو۔ یا تیز رو۔ یعنی میری اشک آلود نگاہوں میں دیدارِ محبوب کی ایسی حسرت پوشیدہ ہے کہ اس شوقِ بے پناہ کو دریا کہنا چاہیے یا جو دریا بن جاتا ہے۔ (گریہ آمادگیٔ شوق)

درکار ہے شگفتنِ گلہائے عیش کو
صبحِ بہار پنبۂ مینا کہیں جسے

پنبۂ مینا: وہ روئی جس سے بوتل کا منہ بند کیا جائے۔ یعنی پنبۂ مینا گویا صبحِ بہار ہے کہ اس کے کھلتے ہی عیش کے پھول کھل جاتے ہیں۔ (نشاطیہ)

غالبؔ برا نہ مان جو واعظ برا کہے
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

یعنی اچھے کو بھی برے لوگ برا ہی کہتے ہیں۔ (مذمتِ ظاہر پرستاں)

(۲۳۰)

شبنم بہ گلِ لالہ نہ خالی ز ادا ہے
داغِ دلِ بے درد گزرگاہِ حیا ہے

ادا: بمعنی اظہارِ حقیقت۔ بے درد: بمعنی درد سے خالی۔ یعنی لالہ پر شبنم کا ہونا اس حقیقت کا اظہار ہے کہ وہ شرم سے پانی پانی ہو رہا ہے۔ کیونکہ اس کے دل میں داغ تو ہے لیکن درد سے خالی ہے۔ (گرانمائگیٔ درد)

دل خوں شدۂ کشمکشِ حسرتِ دیدار
آئینہ بدستِ بتِ بدمست حنا ہے

تشبیہ مرکب خیالی۔ یعنی آئینہ جو دیکھ نہیں سکتا۔ چونکہ اس کا دل حسرتِ دیدار میں خون ہو گیا ہے اس لیے اس بتِ بدمست کے ہاتھ میں مہندی کی طرح معلوم ہوتا ہے۔ (گیرائیِ عشق)

شعلے سے نہ ہوتی ہوسِ شعلہ نے جو کی
جی کس قدر افسردگیِ دل پہ جلا ہے

ہوسِ شعلہ: کنایہ ہے تمنا کے سوزِ دل سے جس کی نایابی سے دل افسردہ ہے۔ یعنی میں اپنی افسردہ خاطری سے اتنا جلتا ہوں کہ شعلے سے جلنا چاہتا تب بھی اتنا نہ جلتا۔

(جاں نکاہی افسردہ خاطری یا تمنائے سوزِ عشق)

تمثال میں تیری ہے وہ شوخی کہ بصد شوق
آئینہ بہ اندازِ گل آغوش کشا ہے

شوخی: یعنی خوبی و جمال۔ یعنی تیری تصویر کی خوبی دیکھ کر آئینہ تصویر نے بھی پھول کی طرح اپنی آغوش کھول رکھی ہے۔ (تمنائے ہم آغوشی)

قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ
اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے

نالہ کو خطاب کرنا کنایہ ہے نالہ کی موجودگی سے اور نالہ کا موجود ہونا واحد علامت ہے جگر سوختگی کی۔ یعنی قمری اور بلبل دونوں میں نالہ ہے۔ گویا جگر جلے دونوں ہی ہیں لیکن ایک مٹھی بھر خاک کی مانند ہے اور دوسرا رنگوں کا مجموعہ۔ گویا ظاہر حال دونوں کا مختلف ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ سوزشِ جگر کا ظہور بدونِ نالہ نہیں ہوتا گو وہ پردہ فی الواقع موجود ہو۔ (تلازمِ عشق و فغاں)

خو نے تری افسردہ کیا وحشتِ دل کو
معشوقی و بے حوصلگی طرفہ بلا ہے

مطلب یہ ہے کہ میں دیوانہ ہوں لیکن تیری بے اعتنائی کا یہ عالم ہے کہ وحشتِ دل کو انگیز کرنے کا بھی تجھ میں حوصلہ نہیں۔ چنانچہ یہ مصیبت ہوئی کہ وحشتِ دل افسردہ ہو کر رہ گئی۔ (ذوقِ جنوں)

مجبوری و دعوائے گرفتاریٔ اُلفت
دستِ تہِ سنگ آمدہ پیمانِ وفا ہے

یعنی گرفتارِ الفت کا دعوائے عشق بر بنائے مجبوری ہے کہ تیری الفت کے بغیر چارہ نہیں۔ پس عہدِ وفا کیا ہے گویا پتھر کے نیچے ہاتھ دبا ہوا ہے۔ (استحالۂ ترکِ الفت)

معلوم ہوا حالِ شہیدانِ گزشتہ
تیغِ ستم آئینۂ تصویر نما ہے

یعنی تیری تلوار ہی سے ظاہر ہے کہ شہیدانِ گزشتہ پر کیا گزری ہوگی۔ (جانکاہیٔ جفائے معشوق)

اے پرتوِ خورشیدِ جہاں تاب ادھر بھی
سایہ کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے

تشبیہ سایہ بذاتِ خود میں وجہِ شبہ افتادگی و عاجزی ہے۔ یعنی اگر تیرا پرتو پڑ گیا تو تاریکیٔ مصائب دور ہو جائے گی۔ (التجائے کرم)

پہلوئے معرفت یہ ہے کہ مشاہدۂ حق کے بعد انسان کی ہستی جو ایک وجودِ بے بود کی مانند ہے فنا ہو جائے گی۔ (بے حقیقتیٔ وجودِ ممکنات)

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

یعنی اگر ان گناہوں کی جو سرزد ہوئے سزا ہے تو جن گناہوں کے کرنے کی حسرت رہ گئی ان کی داد بھی ملنی چاہیئے کہ کیسے کیسے گناہوں سے محروم رہا ہوں۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اس دنیائے پُر معصیت میں گناہوں سے بچنا بھی بہت بڑی بات ہے۔ (عذرِ تقصیر و التجائے مغفرت)

بیگانگیٔ خلق سے بیدل نہ ہو غالبؔ
کوئی نہیں تیرا تو مری جان خدا ہے

مطلب یہ ہے کہ جس کا کوئی نہیں اس کا خدا ہے۔ (تکیہ بر کفایت حق)

(۲۳۱)

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی
قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی

قد و رخ: کنایہ از جمال۔ یعنی نور تیری شکل میں متشکل ہو کر جلوہ افروز ہونا چاہتا تھا۔ بارے ظہور کی قسمت کھل گئی کہ تیرے قد و رخ معرض وجود میں آئے۔

(نعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم)

اک خونچکاں کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں
پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی

مطلب یہ ہے کہ شہادت موجب نعائم آخرت ہے۔ یا یہ کہ کشتگان محبوب برحق جنت کے پیارے اور مطلوب ہیں۔ (رتبۂ فداکاری)

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمہارے شراب طہور کی

یہ تعریض ہے تحقیقاً واعظین پر۔ کہ واعظ اپنے وعظ میں جن نعائم آخرت کا وعدہ کرتا ہے وہ خود اس کے اختیار میں نہیں بلکہ موقوف ہے فضل الٰہی پر۔ (رفع از قدر اعمال)

لڑتا ہے مجھ سے حشر میں قاتل کہ کیوں اٹھا
گویا ابھی سنی نہیں آواز صور کی

یعنی قاتل نے بزعمِ خود مجھے ایسی گہری نیند سلا دیا تھا کہ گویا آوازِ صور بھی بیدار نہ کر سکے گی۔ لیکن میں جو حشر میں بیدار ہوا تو اسے یہ ڈر ہے کہ مبادا داد رسی ہو جائے۔ لہٰذا صدائے صور سے صرفِ نظر کر کے مجھ پر خفا ہے کہ کیوں اٹھا۔ (اندیشۂ انجامِ ستم)

آمدِ بہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج
اُڑتی سی اک خبر ہے زبانی طیور کی

یعنی نغمۂ بلبل آمدِ بہار کی ایک اڑتی سی خبر ہے۔ گویا آمدِ بہار ایک غیر یقینی سی بات ہے۔ (قنوطیت شاعر)

گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں
کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

یعنی کعبہ کو معبودِ برحق سے قریب کی نسبت ہے اور بتوں سے دور کی نسبت۔ اشارہ یہ ہے کہ پرستارئ بتاں گو برا فعل ہے لیکن بے سبب نہیں۔ (اعتذارِ عشقِ بتاں)

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

مطلب یہ ہے کہ بڑی سے بڑی خواہش کے لیے بھی کوئی امر سدِّ راہ نہیں۔ (رجائیت)

گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

گرمی: یعنی تاثر۔ یعنی میرے کلام سے کوئی شخص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا جس نے سنا وہ دردمند ہو گیا۔ یہی پہلوئے شکایت ہو گیا۔ (تاثیرِ کلام)

غالب گر اس سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں
حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی!

حضور مراد بادشاہ۔ یعنی تمنا یہ ہے کہ زیارت نصیب ہو۔ مجھے ثواب پیشِ نظر نہیں لہٰذا اسے نذر کرنے کو تیار ہوں۔ (شوقِ زیارت)

شعر میں ایک اور پہلو یہ ہے کہ شاعر کو معیتِ سلطان کا فخر پیشِ نظر ہے۔ ثوابِ حج پیشِ نظر نہیں ہے۔ (فخرِ معیتِ سلطان)

(۲۳۲)

غم کھانے میں بودا دلِ ناکام بہت ہے
یہ رنج کہ کم ہے مئے گلفام بہت ہے

"مئے گلفام: کنایہ از اسبابِ غم زدائی" یعنی غم بہت ہے اور اسے ہلکا کرنے کا سامان (مئے گلفام) کم ہے یہ حالت سخت رنج دہ ہے۔ (فراوانیٔ غم)

کہتے ہوئے ساقی کو حیا آتی ہے ورنہ
ہے یوں کہ مجھے دُردِ تہِ جام بہت ہے

ہے یوں: یعنی حقیقت یہ ہے۔ یعنی سچ تو یہ ہے کہ اگر تلچھٹ ہی مل جائے تو بسا غنیمت ہے لیکن ایسا کہتے ہوئے شرم آتی ہے کہ مبادا ساقی مجھے پست ہمت یا فرومایہ سمجھے۔ (احتشامِ فطرت)

نے تیر کماں میں ہے نہ صیّاد کمیں میں
گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

گوشۂ قفس سے مراد گرفتاریٔ عشق ہے۔ یعنی گرفتارِ محبت تمام فکروں سے آزاد ہے۔ (مسرّت

کیا زہد کو مانوں کہ نہ ہو گرچہ ریائی
پاداشِ عمل کی طمعِ خام بہت ہے

یعنی زہد میں اگر ریا کی برائی نہ ہو تب بھی یہی بات کیا کم بری ہے کہ زاہد پاداشِ عمل کا طالب ہوتا ہے۔ (مذمتِ اعمالِ اہلِ غرض یا تلقینِ اخلاص)

ہیں اہلِ خرد کس روشِ خاص پہ نازاں
پابستگیٔ رسم و رہِ عام بہت ہے

یعنی اہلِ خرد میں ایسی کون سی بات ہے جس پر وہ ناز کریں۔ ہمارے لیے تو وہی طریق عمل کافی ہے جس کے سب پابند ہیں۔ یعنی طریقِ عشق جس میں امتیازِ اہلِ خرد و بیخرد نہیں ہے۔ (ہمواریٔ طریقِ عشق)

زمزم ہی پہ چھوڑو مجھے کیا طوفِ حرم سے
آلودہ بہ مے جامۂ احرام بہت ہے

یعنی میرا لباس مے سے آلودہ ہے اور میری عبادت معصیت آلود ہے۔ طوافِ حرم کر کے آگے کہاں جاؤں مجھے یہیں چاہِ زمزم پر رہنے دو کہ پہلے آلودگیٔ جامہ دور ہو جائے اس کے بعد آلودگیٔ جسم و قلب کی باری آئے گی۔ (احساسِ معصیت)

ہے قہر گر اب بھی نہ بنے بات کہ ان کو
انکار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہے

ابرام: بمعنی اصرار۔ یعنی میرے اصرار اور محبوب کے عدمِ انکار پر بھی وصال میسر نہ ہو تو غضب ہے۔ اشارہ یہ ہے کہ یا تو محبوب کا عدمِ انکار غلط ہے یا میرا اصرار ناقص۔ (احتسابِ نفس)

خوں ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں اے مرگ
رہنے دے ابھی یاں کہ مجھے کام بہت ہے

یعنی جب تک کہ جگر مکمل طور پر خون ہو کر نہ بہ جائے زندگی کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔

(تلازم عشق و حیات)

ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے
شاعر تو وہ اچھا ہے پہ بدنام بہت ہے

یعنی غالب شاعر اچھا ہے اگرچہ بدنام بھی ہے۔ اشارہ یہ ہے کہ اس کے معائب ذاتی بھی اس کے کمالِ فن پر پردہ نہیں ڈال سکے۔ (تعلی)

(۲۳۳)

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے
جوشِ قدح سے بزم چراغاں کیے ہوئے

یعنی تشریف آوریٔ محبوب و عیشِ صحبت کو عرصہ گزر گیا۔ (بیانِ آرزوئے دید)

کرتا ہوں جمع پھر جگرِ لخت لخت کو
عرصہ ہوا ہے دعوتِ مژگاں کیے ہوئے

یعنی جگر تو صرفِ گریہ ہو چکا تھا اب پھر سامانِ گریہ کی فراہمی میں مصروف ہوں اور گریہ کے لیے جگر کے ٹکڑے جمع کر رہا ہوں کہ پلکوں کی غذا مہیا کروں۔ (ذوقِ گریۂ پیہم)

پھر وضعِ احتیاط سے رکنے لگا ہے دم
برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کیے ہوئے

یعنی اب یہ حالت ہے کہ پھر طبیعت بے قابو ہوتی جا رہی ہے۔ اور پہلے کی طرح دیوانہ ہونے والا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ عاشق کا صبر و ضبط عارضی ہوتا ہے۔

(جوشِ جنوں)

پھر گرم نالہ ہائے شرر بار ہے نفس
مدت ہوئی ہے سیرِ چراغاں کیے ہوئے

یعنی اب پھر دل سے آہ کے شعلے بلند ہو کر سیرِ چراغاں کی کیفیت پیدا ہونے والی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ موجودہ حالت سکون عارضی ہے۔ (جوشِ جنون)

پھر پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق
سامانِ صد ہزار نمکداں کیے ہوئے

یعنی جوشِ عشق نے پھر دل کے زخموں کو ہرا کرنے کا سامان پیدا کر لیا ہے۔ (جوشِ عشق)

پھر بھر رہا ہے خامۂ مژگاں بخونِ دل
سازِ چمن طرازئ داماں کیے ہوئے

یعنی پھر خونِ دل سے پلکیں دامن کو گلزار بنانے والی ہیں۔ (جوشِ گریہ)

باہم دگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب
نظارۂ خیال کا ساماں کیے ہوئے

یعنی دل اور آنکھ دونوں ہی رقیبوں کی طرح تصورِ جمال و دیدارِ محبوب سے سرشار ہونا چاہتے ہیں۔ (اشتیاقِ قلب و نظر)

دل پھر طوافِ کوئے ملامت کو جائے ہے
پندار کا صنم کدہ ویراں کیے ہوئے

یعنی اب پھر خودداری بالائے طاق ہے اور دل ذلت و رسوائی کی راہ پر گامزن ہونے کو ہے۔ (بے باکئ شوق)

پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب
عرضِ متاعِ عقل و دل و جاں کیے ہوئے

یعنی پھر عشق، عقل و دل و جان کی متاع کو محبوب کی نذر کرنے پر آمادہ ہو رہا ہے

(شوقِ بے پروا)

دوڑے ہے پھر ہر ایک گل و لالہ پر خیال
صد گلستاں نگاہ کا ساماں کیے ہوئے

گل و لالہ کنایہ از حسن۔ صد گلستاں۔ اسم تکثیر۔ یعنی نظارۂ حسن کے لیے ایک نہیں بلکہ لاتعداد نگاہوں کے ساتھ دوڑ رہا ہوں۔ (بے پایانیِ شوقِ نظارہ)

پھر چاہتا ہوں نامۂ دلدار کھولنا
جاں نذرِ دلفریبیِ عنواں کیے ہوئے

یعنی پھر نامۂ محبوب پڑھنا چاہتا ہوں جس کا عنوان ہی اتنا پیارا ہے کہ اس پر جان قربان ہے۔ (فداکاریِ عشق)

مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بام پر ہوس
زلفِ سیاہ رخ پہ پریشاں کیے ہوئے

یعنی پھر آرزو ہے کہ لبِ بام محبوب کا نظارہ کروں۔ (شوقِ دید)

چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو
سرمے سے تیز دشنۂ مژگاں کیے ہوئے

یعنی پھر آرزو ہے کہ محبوب کی چشمِ سرگیں سے گھائل ہو جاؤں۔ (شوقِ نظارہ)

اِک نوبہارِ ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ
چہرہ فروغِ مے سے گلستاں کیے ہوئے

یعنی پھر نگاہیں مشتاق ہیں کہ محبوب عالمِ سرخوشی میں سامنے آ جائے۔ (شوقِ تجلیِ جمال)

پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں
سر زیرِ بارِ منتِ درباں کیے ہوئے

یعنی پھر جی چاہتا ہے کہ محبوب کے در پر کسی طرح جا پڑوں ۔ (شوقِ کوئے یار)

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے

یعنی پھر تمنا ہے کہ تصورِ محبوب کے سوا اور کوئی کام نہ رہے ۔ (آرزوئے محویتِ تصور)

غالبؔ ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے
بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کیے ہوئے

یعنی دل جذباتِ عشق سے پھر بھرا ہوا ہے اور آنسو اُمڈے آتے ہیں (گریہ سامانی)

(۲۳۴)

نویدِ امن ہے بیدادِ دوست جاں کے لیے
رہی نہ طرزِ ستم کوئی آسماں کے لیے

یعنی محبوب نے تمام ظلم ختم کر دیئے اب آسمان کے لیے کچھ باقی نہ رہا ۔ لہٰذا یہ امر مسرت بخش ہے کہ اب زندگی نظامِ فلک سے مامون رہے گی ۔ (کارسازیِ عشق)

بلا سے گر مژۂ یار تشنۂ خوں ہے
رکھوں کچھ اپنی بھی مژگانِ خونچکاں کے لیے

یعنی میری اس درجہ خونفشانی کے باوجود مژۂ یار خون کی پیاسی ہے لیکن اگر تمام خون ختم کر دوں تو ذوقِ خونفشانیِ مژگاں کی تسکین کیوں کر ہو گی ۔ (ذوقِ خونفشانی)

وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناسِ خلق اے خضر
نہ تم کہ چور بنے عمرِ جاوداں کے لیے

یعنی خضر نے عمر پائی تو کیا پائی کہ لوگوں کی نگاہوں سے چھپتے پھرتے ہیں۔ زندگی تو اس کی ہے جو سب میں رہ کر نبھانا جانتا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ صرف زندہ رہنا کمال نہیں بلکہ لوگوں کے ساتھ رہ کر نبھانا زندگی ہے۔ (تحسینِ تحمّلِ دشواری)

رہا بلا میں بھی میں مبتلائے آفتِ رشک
بلائے جاں ہے ادا تیری اک جہاں کے لیے

یعنی علاوہ بلائے عشق کے رشک بلائے مزید ہے کہ میں ہی نہیں بلکہ سب ہی تیری بلائے عشق میں مبتلا ہیں۔ بقول ، شرکتِ غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری۔ (رشک)

فلک نہ دور رکھ اس سے مجھے کہ میں ہی نہیں
درازدستیٔ قاتل کے امتحاں کے لیے

یعنی آسمان مجھے قاتل سے دور رکھ کر یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ اس کے دستِ ستم کتنے دور رس ہیں لیکن کیا اس طرح کا امتحان مجھ پر ہی کیا جانا ضروری ہے۔ (ابتلائے فراق)

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لیے

کہ: حرفِ تشبیہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں جس قدر آزادی کے لیے کوشش کرتا ہوں اتنا ہی گرفتاری میں پڑتا جاتا ہوں۔ جیسے کوئی پرندہ قفس میں آشیانہ بنائے۔ (استحالۂ آزادی از علائق)

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے
اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لیے

یعنی پاسبانِ درِ محبوب نے جب تک گدا سمجھا مجھ سے تعرض نہ کیا لیکن جب میں نے

اس کی قدم بوسی کی کہ محبوب تک رسائی کی راہ نکالوں اور اسے وسیلہ بناؤں تو میری شامت آگئی کہ اس نے مجھے دھکا دے کر نکال دیا۔ ندامت بر ناکامی تدبیر۔

بقدرِ شوق نہیں ظرفِ تنگ نائے غزل
کچھ اور چاہیئے وسعت مرے بیاں کے لیئے

ابتدائی سات اشعار پیرایۂ غزل میں سے تھے۔ یہ شعر بطور گریز کے ہے اور یہیں سے عدول ہے غزل سے قصیدہ کی جانب۔ مطلب یہ ہے کہ میں اپنے بیان میں وسعت چاہتا ہوں لیکن جتنی وسعت مطلوب ہے وہ غزل کے اسلوب میں ممکن نہیں لہٰذا اگلے اشعار تمام تر قصیدے کے اسلوب میں ہیں اور مضمون مشتمل ہے تجمل حسین خاں کی مدح پر۔

دیا ہے خلق کو بھی تا اسے نظر نہ لگے
بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لیئے

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیئے

نصیرِ دولت و دیں اور معینِ ملت و ملک
بنا ہے چرخِ بریں جس کے آستاں کے لیئے

زمانہ عہد میں اس کے ہے محوِ آرائش
بنیں گے اور ستارے اب آسماں کے لیئے

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیئے اس بحرِ بیکراں کے لیئے

ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا
صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیئے

خلاصہ مطالب یہ ہے:۔

عیش ذاتِ ممدوح کے لیے مخصوص ہے البتہ نظرِ بد سے بچانے کے لیے دوسروں کو بھی کچھ مل گیا ہے۔

ممدوح کا نام اتنا پیارا ہے کہ گویائی لبِ گویا کے بوسے لے رہی ہے۔

اس کی بدولت اقبال دین اور ملک و ملت کو سربلندی حاصل ہے۔ اس کی رفعتِ منزلت کا یہ عالم ہے کہ آسمان اس کا آستانہ ہے۔

چونکہ دنیا کی تحریروں میں ابھی اور اضافہ کی گنجائش ہے اس لیے ممدوح کے زمانہ میں اسے پورا کیا جائے گا یہاں تک کہ آسمان کی تکمیلِ زینت کے لیے اور ستارے بنائے جائیں گے۔

اس کے محاسن ایک بحرِ بیکراں کی مانند ہیں جن سے پار ہونے کے لیے اور اسباب کی ضرورت ہے۔ یعنی انسانی دل و دماغ کی رسائی وہاں تک نہیں ہے۔

ممدوح کی تعریف کا یہ خاص ڈھنگ ہے۔ سخنورانِ زمانہ کو اس سے مستفید ہونے یا اس کی پیروی کی دعوت دی جاتی ہے۔

قصائد

قصیدۂ اوّل در منقبت

سازِ یک ذرہ نہیں فیضِ چمن سے بے کار
سایۂ لالۂ بیداغ سویدائے بہار

ساز (بمعنی سامان۔ بیداغ صفتِ سایہ۔ یعنی ہر ذرہ کارآمد ہے یہاں تک کہ لالہ کا بے داغ سایہ بھی بہار کا سویدائے دل ہے گویا جانِ بہار یا اس کا جزو لازم ہے۔ (صفتِ بہار)

مستیٔ بادِ صبا سے ہے بعرضِ سبزہ
ریزۂ شیشۂ مے جوہرِ تیغِ کہسار

یعنی بادِ صبا نے ایک ایسی مستی انگیز کیفیت پیدا کر دی ہے کہ پہاڑ کی چمکدار برفانی چوٹیوں پر جو سبزہ اُگ آیا ہے وہ بھی گویا شراب کی بوتل کا ریزہ ہے۔ (وصفِ ہوائے بہار)

سبز ہے جامِ زمرد کی طرح داغِ پلنگ
تازہ ہے ریشۂ نارنج صفت روئے شرار

یعنی فیضِ بہار سے تیندوے کا داغ ہرا ہو گیا اور چنگاری نارنگی کے ریشوں کی طرح مرطوب ہو گئی۔ (جوشِ نمو)

مستیٔ ابر سے گلچینِ طرب ہے حسرت
کہ اس آغوش میں ممکن ہے دو عالم کا فشار

یعنی کچھ ایسی مستی کا عالم ہے کہ شوق یا تمنا بھی مسرور ہے کیونکہ آغوشِ ابر دونوں جہاں کو آغوشِ مستی میں کھینچ سکتا ہے یہاں تک کہ غم بھی خوشی میں بدل جائے۔ (ابرِ بہار)

کوہ و صحرا ہمہ معموریٔ شوقِ بلبل
راہِ خوابیدہ ہوئی خندۂ گل سے بیدار

یعنی بلبل کے ترانوں سے پہاڑ اور صحرا معمور ہیں اور پھول اس زور سے ہنس رہے ہیں کہ راہ میں سونے والے جاگ گئے ہیں یا راہِ خوابیدہ جاگ اٹھی۔ (جہاں خوشی تھا)

سونپے ہے فیضِ ہوا صورتِ مژگانِ یتیم
سرنوشتِ دو جہاں ابر، بہ یک سطرِ غبار

دو جہاں ابر: یعنی ابرِ کثیر۔ یک سطرِ غبار: یعنی غبارِ قلیل۔ یعنی ہوا کی تاثیر نے تھوڑے سے غبار میں بھی چشمِ یتیم کی طرح سارے جہان کے بادلوں کی قسمت پیدا کر دی ہے۔ مطلب یہ کہ غبار بادل کی طرح برسنے لگے۔ (فیضِ ہوا و لطفِ باراں)

کاٹ کر پھینکیں گے ناخن تو باندازِ ہلال
قوتِ نامیہ اس کو بھی نہ چھوڑے بیکار

یعنی فیضِ بہار کا یہ عالم ہے کہ قوتِ نامیہ کٹے ہوئے ناخن کو بھی جس کے اندر بڑھنے کی قوت نہیں رہی ہلال کی طرح نمو پذیر بنا دے۔ (جوشِ نمو)

کفِ ہر خاک بگردوں شدہ قمری پرواز
دامِ ہر کاغذِ آتش زدہ طاؤس شکار

یعنی مٹھی سے خاک اوپر کو اڑائی جائے تو وہ بھی قمری کی سی پرواز پیدا کرے اور کاغذ جلایا بھی جائے تو اس کے حلقے ایسے خوشنما ہو جائیں کہ مور اس کے دام میں گرفتار ہو جائے (فیضِ بہار)

میکدے میں ہو اگر آرزوئے گلچینی
بھول جا یک قدح بادہ بطاقِ گلزار

یعنی جوشِ نمو کا یہ عالم ہے کہ اگر ایسا تا کوئی پیالہ باغ کے طاق میں رکھ دیا جائے تو اس پیالے سے میخانہ میں بھی گل بوٹے نمایاں ہوں اور مے خانہ میں گلچینی ممکن ہو جائے۔ (جوشِ نما)

موجِ گل ڈھونڈ بہ خلوتکدۂ غنچۂ باغ
گم کرے گوشۂ میخانہ میں گر تو دستار

اسی طرح دستار کو چونکہ پھول سے شباہت ہے۔ اگر مے خانہ میں دستار گم ہو جائے تو جوشِ نمو کے باعث باغ کی کلیوں میں پھول کی طرح بن کر نمایاں ہو۔ (جوشِ نمو)

کھینچے گر مانیِ اندیشہ چمن کی تصویر
سبز مثلِ خطِ نوخیز ہو خطِ پرکار

یعنی چمن کی تصویر کشی کا تصور بھی کیا جائے تو آلاتِ تصویر کشی بھی سبز رنگ ہو جائیں (صفتِ سبزہ و جوشِ نمو)۔

لعل سے کی ہے پئے زمزمۂ مدحتِ شاہ
طوطیِ سبزۂ کہسار نے پیدا منقار۔

یعنی مدحتِ شہنشاہ (حضرت علیؑ) کے لیے طوطیِ سبزہ نے لعل کی منقار تیار کی ہے۔

(خوبیِ نمو)

وہ شہنشاہ کہ جس کی پئے تعمیر سرا
چشمِ جبریل ہوئی قالبِ خشتِ دیوار

یعنی اس شاہ ذی جاہ (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) کے رتبہ کا اندازہ اس بات سے لگاؤ کہ اس کے گھر کی دیوار چشمِ جبریل کے سانچے میں بنی ہوئی اینٹوں سے تیار ہوئی۔ (تقدیسِ مقامِ ممدوح)

فلک العرش ہجومِ خمِ دوشِ مزدور
رشتۂ فیضِ ازل سازِ طنابِ معمار

یعنی (تعمیر کے لیے) مزدوروں کے جھکے ہوئے کندھے جڑ کر عرشِ اعظم بن گئے۔ اور فیضِ ازل کا رشتہ معمار کی ڈوری بن گیا۔ (تقدیسِ مکانِ ممدوح)

سبزۂ نہ چمن و یک خطِ پشتِ لبِ بام
رفعتِ ہمتِ صد عارف و یک اوجِ حصار

یعنی اس کی شادابی و رفعت کا یہ عالم ہے کہ اس کے منڈیر کی ایک لکیر نو چمنوں کی سرسبزی کے برابر ہے۔ (نو چمن سے ہفت افلاک عرش اور زمین مراد ہو سکتا ہے) اور اس کی فصیل کی بلندی سینکڑوں اہلِ معرفت کی ہمتِ عالی کے برابر ہے۔ (رفعتِ مقامِ ممدوح)

واں کی خاشاک سے حاصل ہو جسے یک پرِ کاہ
وہ رہے مروحۂ بالِ پری سے بیزار

یعنی اس کی زمین کا ایک پرِ کاہ پری کی زلفوں سے بنے ہوئے مورچھل سے بہتر ہے (تحسینِ مکانِ ممدوح)

خاکِ صحرائے نجف جوہرِ سیرِ عرفاں
چشمِ نقشِ قدم آئینۂ بختِ بیدار

یعنی اہلِ معرفت جب وہاں جاتے ہیں تو صحرائے نجف کی خاک کو جواہر سمجھتے ہیں اور نقوشِ قدم کی آنکھوں میں اپنے بختِ بیدار کی جھلک دیکھتے ہیں۔ (تقدیسِ نجفِ اشرف)

ذرّہ اِس گرد کا خورشید کو آئینۂ ناز
گرد اس دشت کی امید کو احرامِ بہار

یعنی وہاں کے ذرّے میں سورج اپنی شکل دیکھ کر نازاں ہوتا ہے اور امید وہیں کی گرد کا جامۂ احرام پہن کر بہار کا حج کرتی ہے۔ (تقدیسِ نجف)

آفرینش کو ہے واں سے طلبِ مستیٔ ناز
عرضِ خمیازۂ ایجاد ہے ہر موجِ غبار

یعنی وہاں کی ہر موجِ غبار، انگڑائی لے کر، شرابِ ایجاد کی خواہش کا اظہار کرتی ہے کیونکہ قوتِ ایجاد کو خاکِ نجف سے مستیٔ ناز حاصل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آفرینش کو خاکِ نجف کے ایجاد ہونے پر اس درجہ فخر ہے کہ وہاں کی سرزمین کا بار بار تقاضا ہے کہ ایجاد جاری رہے۔ (تقدیسِ خاکِ نجف)

مطلعِ ثانی

فیض سے تیرے ہے اے شمعِ شبستانِ بہار
دلِ پروانہ چراغاں، پرِ بلبل گلزار

یعنی اے ممدوح تیری بدولت پروانہ کا دل شمعوں کا مجموعہ اور بلبل کے پر پھولوں کا مجموعہ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تمام کائنات کی زینت تجھ سے ہے۔ (تمجیدِ ممدوح)

شکلِ طاؤس کرے آئینہ خانہ پرواز
ذوق میں جلوے کے تیرے بہ ہوائے دیدار

یعنی تیرا جلوہ ایسا مرغوبِ خاطر ہے کہ آئینہ خانہ بھی شوقِ انعکاس میں جادہ میں اڑنے لگے۔ (شوقِ زیارت)

تیری اولاد کے غم سے ہے بروئے گردوں
سلکِ اختر میں مہِ نو مژۂ گوہر بار

یعنی ہلالِ فلک غمِ اولادِ علی کرم اللہ وجہہ میں پلک کی طرح گوہرِ اشک کی لڑیاں جو سلکِ اختر کی مانند ہیں بہا رہا ہے۔ (عزتِ اولادِ علی)

ہم عبادت کو ترا نقشِ قدم مُہرِ نماز
ہم ریاضت کو ترے حوصلے سے استظہار

یعنی عابد کے لیے ترا نقشِ قدم ایسا مقدس ہے کہ اسے مہرِ نماز بنایا جائے۔ تیرے حوصلہ کو دیکھ کر اہلِ ریاضت کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ (تقدیسِ ذاتِ ممدوح)

مدح میں تیری نہاں زمزمۂ نعتِ نبی
جام سے تیرے عیاں بادۂ جوشِ اسرار

یعنی تیری مدح سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح نکلتی ہے اور تیرے جام (کلامِ معرفت) سے اسرارِ الٰہی کی شراب اُبل رہی ہے۔ (خوبیٔ کلامِ ممدوح)

جوہرِ دستِ دعا آئینہ یعنی تاثیر
یک طرف نازشِ مژگان و دگر سو غمِ خار

آئینہ بدل ہے دستِ دعا کا۔ یعنی حضرت کے دستِ دعا جسے آئینہ کہنا چاہیئے کا جوہر تاثیر ہے۔ یہ دعا پلکوں کے لیے باعثِ ناز ہے کہ وہ آپ عشق سے تر ہوئیں۔ اور کانٹے کے لیے باعثِ ملال کہ اب اس میں خلش نہ رہے گی۔ (شانِ اجابتِ دعائے ممدوح)

مردمک سے ہو عزا خانۂ اقبال نگاہ
خاکِ در کی ترے جو چشم نہ ہو آئینہ دار

آئینہ دار: کنایہ از خادم۔ یعنی اگر آنکھ خاکِ درِ ممدوح کی خادم نہ ہو تو اس کی پتلی اپنی بداقبالی کا ماتم کدہ بن جائے۔ (تقدیسِ خاکِ ممدوح)

دشمنِ آلِ نبی کو بہ طرب خانۂ دہر
عرضِ خمیازۂ سیلاب ہو طاقِ دیوار

یعنی خدا کرے طرب خانۂ دنیا کا محرابِ دیوار سیلابِ بلا کی جمائی بن کر دشمنِ آلِ نبی کے سامنے آئے اور عیشِ دنیا رنجِ دنیا سے بدل جائے۔ (مذمتِ اعدائے آلِ نبی)

دیدہ تا دل اسدؔ! آئینۂ یک پرتوِ شوق
فیضِ معنی سے خطِ ساغرِ راقم سرشار

یعنی اسد کے دل و دیدہ پرتوِ شوق کا آئینہ ہیں۔ اس کا ساغرِ تحریر فیضِ مضامین سے لبریز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ طبعِ اسد جذبۂ شوق کے مضامین سے پُر ہے۔ (جذبۂ شوقِ شاعرِ مداح)

قصیدۂ دوم

در منقبت

دہر جز جلوۂ یکتائیِ معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حُسن نہ ہوتا خُودبیں

یعنی حسنِ ازلی کو خود اپنا جلوہ دیکھنا تھا اس لیے اس نے ہمیں اور سب کو پیدا کیا

گویا ہر جا جو کچھ بھی ہے وہی ہے ۔ بقول: عالم ہمہ یک جلوۂ ذاتِ احد است (بیدل)
(یکتائی ذاتِ واحد)

بیدلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بیکسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

یعنی تماشاگاہِ عالم کو دیکھنے والوں نے اس طرح دیکھا کہ نہ عبرت حاصل کی نہ مزہ پایا اور تمنا جو کی سب رائیگاں، نہ دنیا ہاتھ آئی نہ دیں۔ (مذمتِ حیاتِ بے مقصد)

ہرزہ ہے نغمۂ زیر و بمِ ہستی و عدم
لغو ہے آئینۂ فرقِ جنون و تمکیں

آئینۂ فرق: بمعنی ذریعۂ امتیاز۔ یعنی یہاں کی زندگی و موت کا چرچا بے حقیقت اور ہوش مندی و دیوانگی کا امتیاز فضول ہے۔ (بے اعتباریٔ احوالِ عالم)

نقشِ معنی ہمہ خمیازۂ عرضِ صورت
سخنِ حق ہمہ پیمانۂ ذوقِ تحسیں

یعنی معنی کی صورت گری خود کو ظاہر کرنے کا ایک طریقہ ہے اور حقیقت کا ذکر صرف یہ ظاہر کرتا ہے کہ بیان کرنے والے کو اپنی تعریف کا کتنا شوق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہلِ معرفت ظواہر کے دائرے سے باہر نہیں جا سکتے اور اہلِ حقیقت صرف اپنا ہی ذکر کرتے ہیں۔ ہم و تو ہے سب بے خبر ہیں۔ (خامیٔ غرضِ مدعا) یا (دشواریٔ معرفت)

لافِ دانش غلط و نفعِ عبادت معلوم
دُردِ یک ساغرِ غفلت ہے چہ دنیا و چہ دیں

یہ شعر بالا کی تفریع ہے۔ یعنی نہ تو خرد مندی کا دعویٰ سچا ہے اور نہ عبادت میں

کچھ نفع ہے۔ بلکہ دین والے اور دنیا والے دونوں ہی غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

(کوتاہیِ فہمِ انسان)

مثلِ مضمونِ وفا باد بدستِ تسلیم
صورتِ نقشِ قدم خاک بفرقِ تمکیں

یعنی اختیارِ تسلیم و رضا ایسا ہی بے معنی فعل ہے جیسے وفا کا مضمون۔ یہ معنی ہے اور تمکین (پامردی) و وقار کی کیفیت ایسی قابلِ نظرانداز ہے جیسے نقشِ قدم۔

(بے حقیقتیِ اعمال)

عشق، بے ربطیِ شیرازۂ اجزائے حواس
وصل، زنگارِ رخِ آئینۂ حسنِ یقیں

یعنی عاشقی کا تصور دیوانگی ہے اور وصال ایسا زنگِ آئینہ جس میں حسین توقعات کی صورت، باقی نہیں رہتی۔ (غلط فہمیِ انسان)

کوہکن، گرسنہ مزدورِ طرب گاہِ رقیب
بے ستوں، آئینۂ خوابِ گرانِ شیریں

یعنی اگر یہ کہو کہ کوہکن کو عشق تھا تو یہ غلط ہے۔ وہ تو اپنے رقیب کے عشرت خانہ کا ایک بھوکا مزدور تھا۔ اور بے ستون پہاڑ کیا تھا شیریں کی گہری نیند یا اس کے تغافل کا نمونہ تھا۔ مطلب یہ کہ نہ کوہکن کوئی عاشق تھا نہ کوہِ بے ستون کوئی پہاڑ تھا۔

(بے حقیقتیِ تصوراتِ انسان) یا (نایابیِ اخلاص)

کس نے دیکھا نفسِ اہلِ وفا آتش خیز
کس نے پایا اثر نالۂ دلہائے حزیں

یعنی نہ اہلِ عشق کی آہ میں اثر ہے اور نہ اہلِ درد کے نالہ میں (عجزِ انسان و ناکامی)

سامعِ زمزمۂ اہلِ جہاں ہوں لیکن
نہ سر و برگِ ستائش نہ دماغِ نفریں

یعنی سنتا سب کی ہوں لیکن نہ کسی کو اچھا کہتا ہوں نہ برا۔ (فخرِ بے تعلقی)

کس قدر ہرزہ سرا ہوں کہ عیاذاً باللہ
یک قلم خارجِ آدابِ وقار و تمکیں

یعنی یہ کیا بکواس کر رہا ہوں۔ (گریز بسوئے مقصود)

نقشِ لاحول لکھ اے خامۂ ہذیاں تحریر
یا علی عرض کر اے فطرتِ وسواس قریں

یعنی اے قلم اس ہذیان نویسی کو ترک کر اور اظہارِ بیزاری کے لیے لاحول لکھ۔ اور اے وسواسی طبیعت ترکِ وسواس کر یقین اختیار کر اور "علی" کا نام لے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی باتوں پر لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھ۔ واضح ہو کہ اس میں "علی" کا نام بھی ہے۔ (آغازِ مدح)

مظہرِ فیضِ خدا جان و دلِ ختمِ رسل
قبلۂ آلِ نبی کعبۂ ایجادِ یقیں

یعنی علیؑ وہ ہیں جو فیضِ الٰہی کے مظہر اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب۔ خاندانِ رسالت کے قبلہ اور اہلِ یقین کے کعبہ ہیں۔ (صفاتِ خاصہ ممدوح)

ہو وہ سرمایۂ ایجادِ جہاں گرمِ خرام
ہر کفِ خاک ہے واں گردۂ تصویرِ زمیں

گرد، بمعنی خاک۔ یعنی جس جگہ حضرت تشریف لے جائیں وہاں کی مٹی بجز زمین مرتبہ میں تمام جہاں کا خاکہ پیش کرتی ہے۔ (فیضِ قدومِ ممدوح)

جلوہ پرداز ہو نقشِ قدم اُس کا جس جا
وہ کفِ خاک ہے ناموسِ دو عالم کی امیں

یعنی جہاں آپ کا نقشِ قدم ہوا اس جگہ کو دونوں جہانوں کی عزت حاصل ہوتی ہے۔

(فیضِ قدومِ ممدوح)

نسبت نام سے ہے اس کے یہ رتبہ کہ رہے
ابداً پشتِ فلک خم شدۂ نازِ زمیں

یعنی زمین کو حضرت کے نام (ابوتراب) سے چونکہ ایک نسبت ہے اس وجہ سے زمین کو ناز ہے کہ آسمان اس کے سامنے ہمیشہ کے لیے جھکا ہوا ہے۔ (خوبیِ اسمِ مبارک)

فیضِ خُلق اس کا ہی شامل ہے کہ ہوتا ہے سدا
بُوئے گل سے نفسِ بادِ صبا عطر آگیں

یعنی یہ اس کی خوش خلقی کی برکت ہے کہ صبا پھول کی خوشبو سے معطر ہوتی ہے۔

(صفتِ اخلاقِ طیبہ)

برشِ تیغ کا اس کی ہے جہاں میں چرچا
قطع ہو جائے نہ سر رشتۂ ایجاد کہیں

یعنی اس کی تلوار ایسی کاٹ رکھتی ہے کہ جہان (عالمِ ایجاد) میں جو اس کا چرچا ہے تو بعض اس چرچے سے ڈر کر کہیں سلسلۂ ایجاد نہ منقطع ہو جائے۔

(صفتِ تیغِ ممدوح)

کفر سوز اس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے
رنگِ عاشق کی طرح رونقِ بُت خانۂ چیں

یعنی اس کی بت سوزی کے زیرِ اثر جہاں کہیں بھی بت ہیں وہ بے حقیقت ہو جائیں گے۔

(تحسینِ جلوۂ ممدوح)

جاں پناہا! دل و جاں فیض رسانا۔ شاہا!
وصیِ ختمِ رُسُل تو ہے بفتوائے یقیں

یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ یقینی طور پر وہ ہیں جن کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی۔ (وصایت امامت حضرت علی)

جسمِ اطہر کو ترے دوشِ پیمبر منبر
نامِ نامی کو ترے ناصیۂ عرش نگیں

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے جسم کو کندھے پر اٹھایا اور آپ کا نام عرش کی پیشانی پر کندہ ہے (مقامِ ممدوح)

کس سے ممکن ہے تری مدح بغیر از واجب
شعلۂ شمع مگر شمع پہ باندھے آئیں

آئیں باندھے۔ آئین بندی کا ترجمہ یعنی سجانا، زینت دینا۔ یعنی ذاتِ واجب کے سوا کون آپ کی تعریف کر سکتا ہے۔ شمع کی سجاوٹ شعلۂ شمع ہی کر سکتا ہے۔ کوئی اور ہاتھ لگائے تو جل جائے۔ (دشواریِ مدحِ ممدوح)

آستاں پر ہے ترے جوہرِ آئینۂ سنگ
رقمِ بندگیِ حضرتِ جبریلِ امیں

یعنی اے ممدوح تیرے آئینہ تمثال سنگِ آستانہ پر حضرت جبریل کا خطِ غلامی اس طرح ثبت ہے جیسے آئینہ میں جوہر۔ (مقامِ ممدوح)

تیرے در کے لیے اسبابِ نثار آمادہ
خاکیوں کو جو خدا نے دیے جان و دل و دیں

یعنی انسان کا جان و دل و دین سب تیرے آستانہ پر قربان۔ (اظہارِ فدویت در ممدوح)

تیری مدحت کے لیے ہیں دل و جاں کام و زباں
تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم دست و جبیں

یعنی دل و جان گویا کام و زبان ہیں کہ تیری تعریف کریں، اور لوح و قلم گویا ہاتھ اور پیشانی ہیں کہ ہاتھ اٹھا کر تیری تسلیم بجا لائیں۔ (تمجیدِ ذاتِ ممدوح)

کس سے ہو سکتی ہے مداحیٔ ممدوحِ خدا
کس سے ہو سکتی ہے آرائشِ فردوسِ بریں

یعنی جس کی خدا تعریف کرے اس کی تعریف کا حق کون ادا کر سکتا ہے۔ یہ تو ایسا کام ہے جیسے فردوسِ بریں کی آرائش کہ بجز خدا کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ (دشوارئ مدحِ ممدوح)

جنسِ بازارِ معاصی اسد اللہ اسد
کہ سوا تیرے کوئی اس کا خریدار نہیں
شوخیٔ عرضِ مطالب میں ہے گستاخِ طلب
ہے ترے حوصلۂ فضل پہ از بسکہ یقیں

یعنی اسد معصیت کی ایک متاعِ ناقص ہے جس کا کوئی خریدار نہیں، چونکہ اسے تیرے فضل پر یقین ہے اس لیے عرضِ مدعا میں بیباک ہے۔ (عرضِ حال)

دے دُعا کو مری وہ مرتبۂ حسنِ قبول
کہ اجابت کہے ہر لفظ پہ سو بار آمیں

یعنی ایسا ہو کہ قبولیت خود میری دعا کے لیے آمین کہے۔ (تمنائے اجابت دعا)

غمِ شبیر سے ہو سینہ یہاں تک لبریز
کہ رہیں خونِ جگر سے مری آنکھیں رنگیں

یعنی غمِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں روتا رہوں۔ (تمنائے عزاداری)

طبع کو الفتِ دُلدُل میں یہ سرگرمیٔ شوق
کہ جہاں تک چلے اس سے قدم اور مجھ سے جبیں

یعنی دُلدُل (رہوار حضرت علی کرم اللہ وجہہ) کی محبت میں میرے شوق کا یہ عالم ہو
کہ جہاں اس کے قدم پڑیں وہاں میں اپنی پیشانی رکھوں۔ (تقدیسِ مرکبِ ممدوح)

دلِ الفت نسب و سینۂ توحید فضا
نگہِ جلوہ پرست و نفسِ صدق گزیں

یعنی دل کو الفتِ ممدوح سے لگاؤ ہو سینہ میں توحید، نگاہ میں جلوہ اور طبیعت میں
خلوص۔ (دعا بحق خویشتن)

صرفِ اعدا اثرِ شعلۂ دودِ دوزخ
وقفِ احباب گل و سنبلِ فردوسِ بریں

یعنی دشمنانِ علی کو جہنم اور محبانِ علی کو فردوس نصیب ہو۔ (دعائے بد بحق دشمنانِ
علی کرم اللہ وجہہ)

قصیدۂ سوم

در مدح بہادر شاہ ظفر و بہ تہنیتِ عید الفطر

ہاں مہِ نو سنیں ہم اس کا نام
جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام
دو دن آیا ہے تو نظر دمِ صبح
یہی انداز اور یہی اندام

یعنی اے ماہِ نو تو کسے سلام کر رہا ہے۔ اب سے دو دن پہلے بھی صبح کو تو اسی طرح پتلا اور خمیدہ تھا۔

بارے دو دن کہاں رہا غائب
بندہ عاجز ہے گردشِ ایام

یعنی پچھلے دو دن سے تو غائب تھا۔ سچ ہے بندۂ عاجز گردش میں پڑ جاتا ہے۔

اُڑ کے جاتا کہاں کہ تاروں کا
آسماں نے بچھا رکھا ہے دام

یعنی ظاہر ہے کہ تاروں کے جال سے نکل کر کہیں اڑ جانا تیرے لیے ممکن نہ تھا۔

مرحبا اے سرورِ خاصِ خواص
حبذا اے نشاطِ عامِ عوام

یعنی تو خوب ہے کہ تجھ سے خواص کو خاص قسم کی مسرت اور عوام کو ہمہ گیر خوشی حاصل ہوتی ہے۔ یہاں تک اشعار تشبیب کے تھے اس کے بعد تا آخر غزل اشعار گریز کے ہیں۔

عذر میں تین دن نہ آنے کے
لے کے آیا ہے عید کا پیغام
اس کو بھولا نہ چاہیئے کہنا
صبح جو جائے اور آئے شام

یعنی اے ہلال! عید تین دن صبح لوٹا تب وہ کر آج شام کو جو آیا ہے تو اس قصور کی تلافی کے لیے پیغام عید لے کر آیا ہے۔

ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا
تیرا آغاز اور تیرا انجام

یعنی یہ تو ظاہر ہو گیا کہ تو مجبور اپنے بس میں نہ تھا۔ تیرا آغاز اور تیرا انجام قدرت کے ہاتھ میں ہے۔

راز دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے
مجھ کو سمجھا ہے تو کہیں نمام

یعنی یہ بات چھپانے کی ضرورت نہیں ہے اگر تو چپکا خود بخود کیا ہوا، جو تیرے اس قصور غیر حاضری کی شکایت شاہ کے سامنے کروں گا۔

جانتا ہوں کہ آج دنیا میں
ایک ہی ہے امید گاہِ انام

یعنی ظاہر ہے کہ صرف ایک ہی ہستی ہے جس کے ساتھ سب کی امیدیں وابستہ ہیں۔ مگر

میں نے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش
غالب اس کا مگر نہیں ہے غلام

یعنی شاید تو سمجھتا ہے کہ تو ہی اس کا حلقہ بگوش ہے اور غالب اس کا غلام نہیں اور

جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو
تب کہا ہے بطرز استفہام

یعنی مجھے پتہ ہے تو بھی اس بات کو جانتا ہے اس لیے استفہام اقراری کے طور پر میں نے سوال کیا ہے۔ کیونکہ

مہر تاباں کو ہو تو ہو اے ماہ
قرب ہر روزہ بر سبیل دوام
تجھ کو کیا پایہ رُوشناسی کا
جُز بہ تقریب عیدِ ماہِ صیام

یعنی اے چاند، سورج تو خیر روز حاضر ہو بھی سکتا ہے لیکن تو روز کیسے آ سکتا ہے تیری کیا ہستی ہے کہ تقریب عید کے بغیر صورت دکھائے۔

جانتا ہوں کہ اس کے فیض سے تو
پھر بنا چاہتا ہے ماہِ تمام

یعنی فیضِ خورشید سے تو ماہِ تمام بننا چاہتا ہے لیکن

ماہ بن، ماہتاب بن، میں کون
مجھ کو کیا بانٹ دے گا تو انعام
میرا اپنا جدا معاملہ ہے
اور کے لین دین سے کیا کام

ہے مجھے آرزوئے بخشش خاص
گر تجھے ہے امید رحمت عام
جو کہ بخشے گا تجھ کو فرّ فروغ
کیا نہ دے گا مجھے مئے گلفام

یعنی اگر تو فیضِ مہر سے چاند بن گیا تو کیا مجھے کوئی انعام دے دے گا۔ سورج کے ساتھ میرا معاملہ جُدا ہے۔ مجھے تو اس سے ایک خاص مہربانی کی امید ہے یعنی اگر تجھے وہ نور بخشے گا تو اس چاندنی رات میں مجھے مئے گلفام بھی مل جائے گی۔

جب کہ چودہ منازلِ فلکی
کر چکے قطع، تیری تیزیٔ گام
دیکھنا میرے ہاتھ میں لبریز
اپنی صورت کا اِک بلوریں جام

یعنی جب تو چودھویں تاریخ کا ہو جائے گا اور شب ماہتاب اپنے عروج پر ہو گی تو میرے ہاتھ میں بھی چاند سا ایک بلوریں جام ہو گا۔

پھر غزل کی روش پہ چل نکلا
توسنِ طبع چاہتا تھا لگام

یعنی اس مقام پر میرا شبدیزِ قلم قصیدہ کی جانب سے مڑ کر پھر غزل سرائی کی جانب مائل ہو گیا۔ لہٰذا آئندہ غزل کے اشعار ہیں۔

زہرِ غم کر چکا تھا میرا کام
تجھ کو کس نے کہا کہ ہو بدنام
مے ہی پھر میں نہ کیوں پیے جاؤں
غم سے جب ہو گئی ہو زیست حرام

یعنی غم کو ہلکا کرنے کے لیے میں نے بادہ نوشی اختیار کی۔ تجھے کیوں بدنام کروں کہ
چاندنی رات نے مجھے آمادہ مے نوشی کیا۔ (مذاقِ بادہ نوشی)

بوسہ کیسا یہی غنیمت ہے
کہ نہ سمجھیں وہ لذتِ دشنام

یعنی اگر معلوم ہو گیا کہ گالی کھانے میں بھی مزہ ہے تو وہ گالی بھی نہ دیں گے۔ بوسہ کا
کیا ذکر۔ (اجتنابِ معشوق)

کعبہ میں جا بجائیں گے ناقوس
اب تو باندھا ہے دَیر میں احرام

یعنی از بسکہ ہم نے بت خانہ میں احرامِ حج باندھا ہے اس لیے کعبہ میں جا کر
ناقوس ہی بجائیں گے اور کیا کہ ایسی نیتوں کا یہی نتیجہ ہوا چاہیے۔ (آزادہ منشی) یا
(اعمالِ ناموزوں)

اُس قدح کا ہے دَور مجھ کو نقد
چرخ نے لی ہے جس سے گردشِ جام

یعنی اُس دورِ قدح سے جس سے میں مستفیض ہوں آسمان نے گردش حاصل کی ہے
مطلب یہ ہے کہ میرے جام کی گردش کا فیض فی الحال حاصل ہے اور آسمان کی گردش کا

نتیجہ نہ جانے کب نکلے۔ (اختتام عیش حاضر)

بوسہ دینے میں ان کو ہے انکار
دل کے لینے میں جن کو تھا ابرام

یعنی دل لینے میں تو معشوق کا اصرار تھا اب بوسہ دینے میں انکار ہے (بے رخی محبوب)

چھیڑتا ہوں کہ ان کو غصہ آئے
کیوں رکھوں ورنہ غالب اپنا نام

یعنی مضطرب ہو کر خود کو جو غالب کہلاتا ہوں وہ اس کے چھیڑنے کے لیے ہے۔ (طنز بر خویشتن)

کہہ چکا ہوں میں تو سب کچھ اب تو کہہ
اے پری چہرہ پیک تیز خرام

یہاں سے مقصود کی طرف التفات ہے یعنی اے خوشنما اور تیز رو چاند مجھے جو کہنا تھا وہ کہہ چکا اب تو بتا کہ:

کون ہے جس کے در پہ ناصیہ سا
ہیں مہ و مہر و زہرہ و بہرام

یعنی کس کے در پہ سیارے ناصیہ فرسا ہیں۔

تو نہیں جانتا تو مجھ سے سن
نام شاہنشہ بلند مقام
قبلۂ چشم و دل بہادر شاہ
مظہر ذوالجلال والاکرام

شہسوارِ طریقۂ انصاف
نوبہارِ حدیقۂ اسلام

یعنی اس کا نام شاہنشاہ بہادر شاہ ہے جو ظلِ الٰہی ہے عادل ہے اور رونقِ اسلام کا باعث ہے۔

جس کا ہر فعل صورتِ اعجاز
جس کا ہر قول معنیِ الہام

یعنی اس کے افعال معجز نما اور اقوال الہام نما ہیں۔

بزم میں میزبانِ قیصر و جم
رزم میں اوستادِ رستم و سام

یعنی بزم میں قیصر و جم سے بڑھ کر اور رزم میں رستم و سام سے بالاتر۔

اے ترا لطف زندگی افزا
اے ترا عہد فرخی فرجام

التفات بسوئے خطاب یعنی اے بادشاہ تیرا عہد مبارک ہے کہ جس پر تو مہربان ہو اس کی زندگی بڑھ جائے۔

چشمِ بد دور خسروانہ شکوہ
لوحش اللہ عارفانہ کلام

لوحش اللہ کلمۂ تحسین بمعنی سبحان اللہ، ماشاء اللہ وغیرہ۔ یعنی تیری شان شاہانہ اور تیرا کلام عارفانہ ہے۔

جاں نثاروں میں تیرے قیصرِ روم
جرعہ خواروں میں تیرے مرشدِ جام

یعنی قیصر روم جیسا ذی شان تیرا جاں نثار اور جامی جیسا اہل معرفت تجھ سے فیضیاب ہے۔

وارثِ ملک جانتے ہیں تجھے
ایرج و تور و خسرو و بہرام

یعنی بڑے بڑے شاہان فارس تیری بادشاہی کو تسلیم کرتے ہیں اور۔

زورِ بازو میں مانتے ہیں تجھے
گیو و گودرز و بیژن و رہّام

یعنی بڑے بڑے پہلوانان فارس تیری قوت بازو کو مانتے ہیں۔ رہّام یا رو ہام گودرز کے بیٹے کا نام ہے جو اس وقت کے بارہ مشہور پہلوانوں میں سے ایک تھا۔

مرحبا موشگافیٔ ناوک
آفریں آب داریٔ صمصام
تیر کو تیرے تیرِ غیر ہدف
تیغ کو تیری تیغِ خصم نیام

یعنی تیرے تیر کی موشگافی اور تیری تلوار کی تندی ایسی ہے کہ تیرا تیر دشمن کے تیر کو نشانہ بناتا اور تیری تلوار دشمن کی تلوار میں اس طرح گھس جاتی ہے جیسے نیام میں۔

رعد کا کر رہی ہے کیا دم بند
برق کو دے رہا ہے کیا الزام
تیرے فیلِ گراں جسد کی صدا
تیرے رخشِ سبک عناں کا خرام

یعنی تیرے ہاتھی کی چنگھاڑ بادل کی گرج کو ماند کرتی اور تیرے گھوڑے کی رفتار بجلی پر اعتراض کرتی ہے۔

حقِ صورت گری میں تیرا گرز
گر نہ رکھتا ہو دستگاہِ تمام
اس کے مضروب کے سر و تن سے
کیوں نمایاں ہو صورتِ ادغام

یعنی تیرا گرز ایک ایسا مصور ہے جو دشمن کے سر کو بدن میں مدغم کر دیتا ہے مطلب یہ ہے کہ سر کو بدن میں دھنسا دیتا ہے۔

جب ازل میں رقم پذیر ہوئے
صفحہ ہائے لیالی و ایام
اور ان اوراق میں بہ کلکِ قضا
مجملاً مندرج ہوئے احکام
لکھ دیا شاہدوں کو عاشق کُش
لکھ دیا عاشقوں کو دشمن کام
آسماں کو لکھا گیا کہ کہیں
گنبدِ تیز گردِ نیلی فام
حکمِ ناطق لکھا گیا کہ لکھیں
خال کو دانہ اور زلف کو دام
آتش و آب و باد و خاک نے لی
وضع سوز و نم و رم و آرام

مہرِ رخشاں کا نام خسروِ روز
ماہِ تاباں کا اسم شحنۂ شام
تیری توقیعِ سلطنت کو بھی
دی بدستور صورتِ ارقام

یعنی ازل میں جب رات اور دن کے اوراق بنے اور ان میں احکام لکھے گئے کہ معشوق عاشق کش ہے اور عاشق ناکام۔ آسمان کو تیزی سے چکر کاٹنے والا نیلا گنبد کہا گیا۔ اور خال و زلف کو دانہ و دام قرار دیا گیا اور اربعہ عناصر کے خواص متعین ہوئے۔ سورج کو دن کا بادشاہ اور چاند شام کا پہرے دار بنایا گیا تو اس وقت تیری سلطنت کا فرمان بھی رقم پایا۔ اور

کاتبِ حکم نے بموجبِ حکم
اس رقم کو دیا طرازِ دوام
ہے ازل سے روائیِ آغاز
ہو ابد تک رسائیِ انجام

یعنی رقمِ سلطنت کو کاتبِ تقدیر نے دوامی بنا دیا کہ یہ بات جو ازل سے شروع ہوئی ہے ابد تک جاری رہے۔

قصیدۂ چہارم

صبح دم دروازۂ خاور کھلا
مہرِ عالمتاب کا منظر کھلا

یعنی مشرق سے سورج نمودار ہوا۔

خسروِ انجم کے آیا صرف میں
شب کو تھا گنجینۂ گوہر کھلا

یعنی رات کے تمام ستارے غائب ہو گئے۔

وہ بھی تھا اک سیمیا کی سی نمود
صبح کو رازِ مہ و اختر کھلا

یعنی ثابت ہو گیا کہ چاند ستارے کی نمود علم سیمیا (طلسمات) کی طرح محض خیالی تھی۔

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کھلا

یعنی ستاروں کی نمود بازیگروں کا سا پُرفریب تماشا تھا۔

سطحِ گردوں پہ پڑا تھا رات کو
موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا
صبح آیا جانبِ مشرق نظر
اک نگارِ آتشیں رُخ سر کھلا

یعنی رات کو ستارے موتیوں کے زیور کی طرح کھلے پڑے تھے۔ صبح کو ایک محبوب شعلہ رُخ (آفتاب) مشرق سے نمودار ہوا۔ لیکن

تھی نظر بندی۔ کیا جب ردِّ سحر
بادۂ گل رنگ کا ساغر کھلا
لا کے ساقی نے صبوحی کے لیے
رکھ دیا ہے ایک جامِ زر کھلا

یعنی یہ سب کچھ جادو یا نظر بندی تھی۔ اس جادو کا توڑ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ شراب سرخ کا ایک پیالہ ہے جسے ساقی نے شراب صبح پینے کے لیے لا کر رکھ دیا ہے۔

بزمِ سلطانی ہوئی آراستہ
کعبۂ امن و اماں کا در کھلا

یعنی شاہی مجلس کیا آراستہ ہوئی کہ گویا امن و امان کا دروازہ کھل گیا۔

تاجِ زرّیں مہرِ تاباں سے سوا
خسروِ آفاق کے منہ پر کھلا

یعنی سنہری تاج بادشاہ کے منہ پر صاف چمکدار سورج سے زیادہ خوش نما معلوم ہوتا ہے۔

شاہِ روشن دل بہادر شاہ کہ ہے
رازِ ہستی اس پہ سر تا سر کھلا

یعنی بہادر شاہ جس نے زندگی کے راز کو پالیا ہے۔

وہ کہ جس کی صورتِ تکوین میں
مقصدِ نُہ چرخ و ہفت اختر کھلا

یعنی وہ جس کے لیے آسمانوں اور ستاروں کو پیدا کیا گیا۔

وہ کہ جس کے ناخنِ تاویل سے
عقدۂ احکامِ پیغمبر کھلا

یعنی وہ جس نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکام کے نکات واضح کیے

پہلے دارا کا نکل آیا ہے نام
اس کے سرہنگوں کا جب دفتر کھلا

یعنی اس کے سپاہیوں کی فہرست میں دارا کا نام واضح طور پر نظر آتا ہے۔

روشناسوں کی جہاں فہرست ہے
واں لکھا ہے چہرۂ قیصر کھلا

یعنی قیصر ایسے اشخاص میں سے ہے جن کی صرف صورت سے بادشاہ آشنا ہے۔ (گویا کوئی بڑا آدمی نہیں ہے)

توسنِ شہ میں ہے وہ خوبی کہ جب
تھان سے وہ غیرتِ صرصر کھلا
نقشِ پا کی صورتیں وہ دلفریب
تو کہے بت خانۂ آذر کھلا

یعنی رخشِ سلطانی کے باوقار قدم اس خوبصورتی سے پڑتے ہیں کہ اس کے نقوشِ قدم سے بت خانۂ آذر کھل جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لوگ اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

مجھ پہ فیضِ تربیت سے شاہ کے
منصبِ مہر و مہ و محور کھلا
لاکھ عقدے دل میں تھے لیکن ہر ایک
میری حدِ وسع سے باہر کھلا

یعنی یہ شاہ کے فیضِ تربیت کا نتیجہ ہے کہ میں نے چاند اور سورج اور ان کے محوروں اور مداروں کے متعلق علم حاصل کیا اور ان کے نکتوں کو اپنی بساط سے زیادہ سمجھ لیا۔

تھا دلِ وابستہ قفلِ بے کلید
کس نے کھولا کب کھلا کیونکر کھلا۔

باغِ معنی کی دکھاؤں گا بہار
مجھ سے گر شاہِ سخن گستر کھلا

یعنی میں منقبض خاطر تھا اور یہ انقباض کس طرح دور ہوا؟ اس کی کیفیت باغِ معنی کی بہار دکھا کر (نظم اشعار سے) پیش کروں گا۔ بشرطیکہ بادشاہ نے التفات فرمایا۔

ہو جہاں گرمِ غزل خوانی نفس
لوگ جانیں طبلۂ عنبر کھلا

یعنی اگر غزل پڑھنے لگوں تو اس سے ایسی خوشبو نکلے کہ لوگ سمجھیں کہ عنبر کی ڈبیا کھل گئی۔

کنج میں بیٹھا رہوں یوں پر کھلا
کاشکے ہوتا قفس کا در کھلا

یعنی پنجرے کا دروازہ کھلا ہوتا تو میں ایک کونے میں یوں بیٹھا نہ رہتا۔ (جیبر جعفری)

ہم پکاریں اور کھلے یوں کون جائے
یار کا دروازہ پائیں گر کھلا

یعنی ہمیں یہ پسند نہیں کہ درِ محبوب وا ہوا اور ہر کس و ناکس کی طرح ہم بھی چلے جائیں بلکہ مزہ تو جب ہے کہ ہماری آواز پر خاص ہمارے لیے دروازہ کھلے اور ہم جائیں۔
(آنندے کا اختصاص با مدرح)

ہم کو ہے اس رازداری پر گھمنڈ
دوست کا ہے راز دشمن پر کھلا

ہمیں اس پر فخر ہے کہ دوست رازِ دل ہم سے چھپاتا ہے۔ دشمن کی طرح نہیں کہ اس پر سب راز ظاہر ہے۔ فخر کی بات یہ ہے کہ ہمارے ساتھ جو تعلق ہے وہ چھپانے کے قابل ہے اور دشمن کے ساتھ جو تعلق ہے وہ چھپانے کے قابل ہی نہیں۔ یعنی ہم سے محبت ہے دشمن سے مروّت۔ (فخرِ اختصاص بامدوح)

واقعی دل پر بھلا لگتا ہے داغ
زخم لیکن داغ سے بہتر کھلا

کھلا بمعنی ثابت ہوا۔ یعنی دل کا داغ لذت بخش ہے زخم اس سے بہتر ثابت ہوا (قدرِ جراحت)

ہاتھ سے رکھ دی کب ابرو نے کمان
کب کمر سے غمزہ کی خنجر کھلا

یعنی ابرو کا تیر اور غمزہ کا خنجر ہمیشہ کام کرتا رہتا ہے۔ (ہیبتِ محبوب)

مفت کا کس کو برا ہے بدرقہ
رہروی میں پردۂ رہبر کھلا

یعنی مفت کی رہبری کرنے والا برا نہیں لیکن اس رہروی میں اس کا راز کھل گیا کہ مقصد رہبری نہیں تھا بلکہ اس بہانہ سے وہ خود درِ محبوب تک پہنچنا چاہتا تھا۔

(رشکِ رقابت یا ریائی اخلاص)

سوزِ دل کا کیا کرے بارانِ اشک
آگ بھڑکی مینہ اگر دم بھر کھلا

یعنی آنسوؤں سے دل کی جلن کیسے بجھ سکتی ہے۔ گریہ کے لیے منہ کھولتے ہی تو آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ (مبالغۂ تپش عشق)

تا مرے ساتھ آ گیا پیغامِ مرگ
رہ گیا خط میری چھاتی پر کھلا

یعنی ایسی نازک حالت تھی کہ خط محبوب کھولا۔ لیکن پڑھ نہ سکے موت آگئی اور وہ چھاتی پر کھلا ہی رکھا رہ گیا۔ (حسرت اندوزیٔ مرگ)

دیکھیو غالبؔ سے گر الجھا کوئی
ہے ولی پوشیدہ اور کافر کھلا

یعنی واضح رہے کہ غالب چھپا ولی ہے اور کھلا کافر۔ یوں ہی الجھتا پڑا اور وہ ولی بھی۔ مطلب یہ ہے کہ غالب سے الجھنا ٹھیک نہیں۔ (رنج عداوت از غالب)

پھر ہوا مدحت طرازی کا خیال
پھر مہ و خورشید کا دفتر کھلا

یہاں سے پھر التفات ہے قصیدہ کی طرف۔ یعنی غزل کے اشعار کے بعد اب پھر مدح کا خیال ہوا اور ماہ و خورشید کی باتیں جو ابتدائے قصیدہ میں تھیں پھر شروع ہوئیں یا یہ کہ اشعار تابدار و آب دار کی آمد ہونے لگی۔

خامہ نے پائی طبیعت سے مدد
بادباں کے اٹھتے ہی۔ لنگر کھلا

لنگر کھلا: یعنی لنگر اٹھا۔ یعنی مضامین کی آمد سے قلم کشتی کی طرح چل پڑا۔

مدح سے ممدوح کی دیکھو شکوہ
عرض سے یاں رتبۂ جوہر کھلا

یعنی مدح کی شان سے ممدوح کی شان کا اندازہ لگاؤ۔ مدح عرض ہے اور جوہر ممدوح۔

مہر کانپا چرخ چکر کھا گیا
بادشہ کا رایتِ لشکر کھلا

یعنی بادشاہ کے جھنڈے کی شان دیکھ کر سورج اور آسمان حیران ہو گئے۔

بادشہ کا نام لیتا ہے خطیب
اب علوئے پایۂ منبر کھلا

یعنی منبر کے رتبہ کا پتہ اب چلا کہ اس پر کھڑے ہو کر خطیب بادشاہ کا نام لیتا ہے۔

اسی طرح۔

سکۂ شہ کا ہوا ہے روشناس
اب عیارِ آبروئے زر کھلا

یعنی بادشاہ کے نام کا سکہ بننے سے سونے کی ابرو نکلی۔

شاہ کے آگے دھرا ہے آئینہ
اب مآلِ سعیِ اسکندر کھلا

یعنی سکندر کی کوششوں کا نتیجہ اب ظاہر ہوا کہ بادشاہ نے آئینہ کو اپنے سامنے رکھا مطلب یہ کہ اگر آئینہ بادشاہ کے استعمال میں نہ آتا تو اس کی ایجاد میں سکندر کی کوششیں رائیگاں ہوتیں اور اس کی قدر نہ پرکھی جا سکتی۔

ملک کے وارث کو دیکھا خلق نے
اب فریبِ طغرل و سنجر کھلا

طغرل اور سنجر کی حکومتیں تو ممدوح کی حکومت کے سامنے ایک دھوکا اور فریب یعنی بے حقیقت ہو کر رہ گئیں۔ گویا وارث ملک جو نا یہ ہے، نہ کہ وہ

ہو سکے کیا مدح ہاں اک نام ہے
دفتر مدح جہاں داور کھلا

یعنی ممدوح کی تعریف محال ہے۔ بادشاہ زمانہ کی تعریف کا جو دفتر کھلا ہوا ہے وہ تو برائے نام ہے۔

فکر اچھی پر ستائش نا تمام
عجز اعجاز ستائش گر کھلا

یعنی مدح کی کوشش اچھی ہے لیکن تعریف پوری نہیں ہو سکی۔ ہر چند کہ تعریف کرنے والا صاحب اعجاز ہے تب بھی تکمیل مدح سے اس کی عاجزی ظاہر ہو رہی ہے

جانتا ہوں ہے خط لوح ازل
تم پہ اے خاقان نام آور کھلا
تم کرو صاحب قرانی جب تلک
ہے طلسم روز و شب کا در کھلا

یعنی اے شاہ نامور لوح ازل کی تحریر تم پر روشن ہے میں جانتا ہوں کہ تم حالات عالم سے باخبر ہو۔ میری دعا ہے کہ جب تک رات دن کا طلسماتی تماشا جاری ہے تم اقبالمندی کے ساتھ سلطنت کرتے رہو۔

مثنوی در صفتِ انبہ

ہاں دلِ دردمند زمزمہ ساز
کیوں نہ کھولے درِ خزینۂ راز

یعنی اے دل بہت سی باتیں تیرے اندر ہیں ان کو بیان کر۔

خامے کا صفحے پر رواں ہونا
شاخِ گل کا ہے گلفشاں ہونا

یعنی قلم صفحہ پر اس طرح چلتا ہے جیسے شاخِ گل سے پھول جھڑتے ہوں۔

مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لکھیے
نکتہ ہائے خرد فزا لکھیے

یعنی پوچھنا کیا۔ کچھ دانش افروز نکتے بیان کر دے۔

بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے
خامہ نخلِ رطب فشاں ہو جائے

غرض یہ ہے کہ آموں کا ذکر کر کہ قلم سے جو آم کے مضامین نکلیں گے تو قلم ایسا معلوم ہوگا جیسے کہ کھجور کے درخت سے کھجور جھڑ رہے ہو۔

آم کا کون مردِ میداں ہے
ثمر و شاخ گوئے و چوگاں ہے
تاک کے جی میں کیوں رہے ارماں
آئے یہ گوئے اور یہ میداں

آم کے آگے پیش جاوے خاک
پھوڑتا ہے جلے پھپھولے تاک
نہ چلا جب کسی طرح مقدور
بادۂ ناب بن گیا انگور
یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے
شرم سے پانی پانی ہونا ہے

یعنی کوئی پھل آم کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ درختِ انبہ کی ٹہنی اور اس کا پھل گویا گیند اور بلا ہیں جنھیں دکھا کر وہ انگور کی بیل سے کہتا ہے کہ یہ گیند بلا ہے اگر مقابلہ کرنا ہے تو میدان میں آ جا۔ لیکن انگور کی بیل بے چاری آم کا مقابلہ کیا کر سکتی ہے جلن کے مارے جلے پھپھولے پھوڑ رہی ہے۔ دکھیانی حرکت ہو رہی ہے یہ اشارہ ہے انگور کی طرف۔ اس نے جب دیکھا کہ آم کے مقابلے کی تاب نہیں تو بیچارہ انگور شرم کے مارے شراب بن گیا اور مجبوراً جان سے بیزار ہو کر پانی پانی ہوا جا رہا ہے۔

مجھ سے پوچھو تمھیں خبر کیا ہے
آم کے آگے نیشکر کیا ہے
نہ گل اس میں نہ شاخ و برگ نہ بار
جب خزاں ہو تب آئے اس کی بہار

یعنی آم کے مقابلے میں گنے کی بھی کوئی حقیقت نہیں۔ اس میں نہ پھول نہ ٹہنی نہ پتے اور نہ پھل۔ پھر یہ بھی عیب ہے کہ خزاں کے دنوں میں گنے کی بہار آتی ہے گویا بے ڈھنگی سی چیز ہے۔

اور دوڑائیے قیاس کہاں
جانِ شیریں میں یہ مٹھاس کہاں
جان میں ہوتی گر یہ شیرینی
کوہ کن باوجودِ غمگینی
جان دینے میں اس کو یکتا جان
پر وہ یوں سہل دے نہ سکتا جان

یعنی اس کی مٹھاس کا مقابلہ کس کس سے کیا جائے۔ حد یہ ہے کہ جان کو شیریں کہتے ہیں لیکن اس میں اتنی مٹھاس نہیں۔ اگر جان آم جیسی شیریں چیز ہوتی تو فرہاد اگرچہ غمزدہ تھا اور جان دینے میں فرد تھا پھر وہ ایسی آسانی سے جان نہ دیتا۔

نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر
کہ دواخانۂ ازل میں مگر
آتشِ گل پہ قند کا ہے قوام
شیرے کے تار کا ہے ریشہ نام

یعنی آم تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید قدرت نے اپنے ازلی کارخانہ میں پھولوں کی آگ پر قند کا قوام تیار کیا اور اس کے شیرے میں جو تار پیدا ہوا وہی آم کا ریشہ بن گیا۔

یا یہ ہوگا کہ فرطِ رافت سے
باغبانوں نے باغِ جنت سے
انگبیں کے بحکمِ رب الناس
بھر کے بھیجے ہیں سر بمہر گلاس

یعنی یہ کہیے کہ جنت کے باغبانوں نے براہِ مہربانی شہد کے سربند گلاس خدا کے حکم سے انسانوں کے لیے بھیجے ہیں۔

یا لگا کر خضر نے شاخِ نبات
مدتوں تک دیا ہے آبِ حیات
تب ہوا ہے ثمر فشاں یہ نخل
ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نخل

یعنی اگر اوپر کی دو باتیں نہ ہوں تو یہ ہوگا کہ حضرت خضر نے مصری کی شاخ لگائی اور اس کو آبِ حیات سے سینچا تب جا کر یہ پھل دار آم کا درخت بنا۔ اگر وہ اتنی محنت نہ کرتے تو ہم جیسے انسانوں کو ایسی چیز کہاں میسر آ سکتی تھی۔

تھا ترنجِ زر ایک خسرو پاس
رنگ کا زرد پر کہاں بو باس
آم کو دیکھتا اگر اک بار
پھینک دیتا طلائے دستِ افشار

یعنی شاہ خسرو کے پاس سونے کا ایک بڑا لیموں تھا جو آم ہی جیسا زرد تھا لیکن اس میں یہ خوشبو کہاں؟ اگر وہ آم کو دیکھ لیتا تو اپنے زریں ترنج کو جسے ہاتھ میں لیے مستقل رہتا تھا پھینک دیتا۔

رونقِ کارگاہِ برگ و نوا
نازشِ دودمانِ آب و ہوا
رہروِ راہِ خلد کا توشہ
طوبے و سدرہ کا جگر گوشہ

یعنی پھل پتیوں کے کارخانے کی رونق اس آم کے دم سے اور آب و ہوا کو اس پر فخر ہے۔ اہلِ جنت کا زادِ سفر ہے اور طوبےٰ و سدرہ درختانِ جنت کا پیا ما ہے۔

صاحبِ شاخ و برگ و بار ہے آم
نازپروردۂ بہار ہے آم
خاص وہ آم جو نہ ہو ارزاں
نوبرِ نخلِ باغِ سلطاں ہو

یعنی آم تو سبھی پھل پتی والے اور بہار کے پروردہ ہوتے ہیں لیکن خصوصیت کا مالک وہ آم ہے جو گراں قدر اور باغِ شاہی کا تازہ پھل ہے۔

وہ کہ ہے والیِ ولایتِ عہد
عدل سے اس کے ہے حمایتِ عہد
فخرِ دیں عزّ و شانِ جاہ و جلال
زینتِ طینت و جمالِ کمال
کارفرمائے دین و دولت و بخت
چہرہ آرائے تاج و مسند و تخت
سایہ اس کا ہما کا سایہ ہے
خلق پر وہ خدا کا سایہ ہے

یعنی وہ بادشاہ جو والیِ وقت ہے اور اس کے انصاف سے زمانہ قوی پشت ہے دین اور شان و شوکت کے لیے باعثِ فخر اور صفاتِ حسنہ کو اس کی نسبت کے باعث زیب و زینت ہے سزبب۔ اقبال اور نصیبے کا حاکم اور تاج و تخت کی زیبائش۔ اس

کا سایہ ہما کے سایہ کی طرح مبارک ہے اور وہ خود ظلِ اقدس ہے

اے مفیضِ وجودِ سایہ و نور
جب تلک ہے نمودِ سایہ و نور
اس خداوندِ بندہ پرور کو
وارثِ گنج و تخت و افسر کو
شاد، دل شاد، شادماں رکھیو
اور غالب پہ مہرباں رکھیو

اشعار دعائیہ ہیں۔ یعنی اے سایہ و نور کا فیض پہنچانے والے خدا جب تک یہ سایہ و نور ہیں اس بادشاہ کو ہر طرح سے شاد اور غالب پر مہربان رکھیو۔

قطعات

(۱)

اے شہنشاہِ فلک منظرِ بے مثل و نظیر
اے جہاندارِ کرم شیوۂ بے شبہ و عدیل
پاؤں سے تیرے ملے فرقِ ارادت اورنگ
فرق سے تیرے کرے کسبِ سعادت اکلیل

یعنی اے عالی مرتبہ اور بے مثال بادشاہ، تخت اپنا سر تیرے پیروں سے ملتا ہے اور تاج کو تیرے سر کی بدولت سعادت حاصل ہے۔

تیرا اندازِ سخن شانۂ زلفِ الہام
تیری رفتارِ قلم جنبشِ بالِ جبریل

یعنی تیری باتیں الہامی ہیں اور تیری جنبش قلم بالِ جبریل کی جنبش سے مشابہ ہے گویا تیری تحریر و تقریر دونوں ہی تقدس مآب ہیں۔

تجھ سے عالم پہ کھلا رابطۂ ضربِ کلیم
تجھ سے دنیا میں بچھا مائدۂ بذلِ خلیل

یعنی تیرا تعلق باللہ دیکھ کر معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو بھی خدا سے اس طرح رابطہ رہا ہوگا اور تیری مہمان نوازی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی کی سنت دنیا میں جاری ہے۔

بسخن اوج دہِ مرتبۂ معنی و لفظ
بکرم داغ نہِ ناصیۂ قلزم و نیل

یعنی تیری گفتگو سے الفاظ و معنی کا رتبہ بلند ہوا اور تیری بخشش نے بحر قلزم اور دریائے نیل کے ماتھے پر داغ لگا دیا۔ یعنی وہ بھی بے حقیقت ہو کر رہ گئے۔

تا ترے عہد میں ہو عیش و طرب کی توقیر
تا ترے عہد میں ہو رنج و الم کی تقلیل
ماہ نے چھوڑ دیا ثور سے جانا باہر
زہرہ نے ترک کیا حوت سے کرنا تحویل

یعنی چاند برج ثور سے اور زہرہ برج حوت سے باہر نہیں نکلتا۔ تاکہ تیرے عہد میں عیش و طرب کی زیادتی ہو اور رنج و الم کم ہے۔ واضح ہو کہ قمر کا برج ثور میں اور زہرہ کا برج

حوت میں رہنا مبارک سمجھا جاتا ہے۔

تیری دانش، مری اصلاحِ مفاسد کی رہین
تیری بخشش میرے انجاحِ مقاصد کی کفیل
تیرا اقبالِ ترحم مرے جینے کی نوید
تیرا اندازِ تغافل مرے مرنے کی دلیل

یعنی اے بادشاہ! میرے مفاسد کا اگر تجھے علم ہو تو ان کی اصلاح ہو جائے اور اگر تو بخشش فرمائے تو میرے مقاصد پورے ہو جائیں۔ تو اگر رحم سے پیش آئے تو میں جی جاؤں اور اگر تو غافل ہو جائے تو سمجھو کہ میں مر گیا۔

بختِ ناساز نے چاہا کہ نہ دے مجھ کو اماں
چرخِ کج باز نے چاہا کہ کرے مجھ کو ذلیل

یعنی بدقسمتی نے مجھے چین نہ دیا اور آسمان مجھے ذلیل کرنے کے درپے ہے۔

پیچھے ڈالی ہے سرِ رشتۂ اوقات میں گانٹھ
پہلے ٹھونکی ہے بنِ ناخنِ تدبیر میں کیل

اوقات: بمعنی تقدیر۔ یعنی مجھ پر مشکل وقت آن پڑا اور نجات کی تدبیر پہلے ہی نہ تھی۔ مطلب یہ کہ عقدہ کشائی کی صورت نہ رہی۔

تپشِ دل نہیں بے رابطۂ خوفِ عظیم
کششِ دم نہیں بے ضابطۂ جرِّ ثقیل

یعنی دل بے قرار نہیں ہوتا جب تک کہ کوئی بڑا دھڑکا نہ ہو اور سانس نہیں پھولتا جب تک کہ بھاری بوجھ نہ کھینچنا پڑے۔ مطلب یہ کہ میرا اضطراب پیشِ نظر اندیشوں اور موجودہ مشکلات

کا باعث ہے۔

درِ معنی سے مرا صفحہ لقا کی ڈاڑھی
غمِ گیتی سے مرا سینہ عمرو کی زنبیل

داستان میں آیا ہے کہ لقا کی ڈاڑھی کے بال بال میں موتی پروئے جاتے تھے۔ اسی طرح عمرو عیار کی زنبیل کی بابت مشہور ہے کہ اس میں ہر چیز سما جاتی تھی۔ معنی شعر یہ ہیں کہ مضامین کے موتیوں سے میرے صفحاتِ بیاض پُر ہیں لیکن میرے سینے میں دنیا بھر کا غم اس طرح سمایا ہوا ہے جس طرح عمرو کی زنبیل میں ساری چیزیں سما جاتی تھیں۔

فکر میری گہر اندوزِ اشاراتِ کثیر
کلک میری رقم آموزِ عباراتِ قلیل

یعنی میرے ذہن میں بے شمار مضامین کے موتی ہوتے ہیں اگرچہ قلم مختصر عبارت لکھتی ہے مطلب یہ کہ میری تحریر مختصر لیکن مضامین بیشتر پر مشتمل ہوتی ہے

میرے ابہام پہ ہوتی ہے تصدق توضیح
میرے اجمال سے کرتی ہے تراوش تفصیل
نیک ہوتی مری حالت تو نہ دیتا تکلیف
جمع ہوتی مری خاطر تو نہ کرتا تعجیل

یعنی میری مبہم اور مجمل بات بھی واضح اور مفصل ہوتی ہے۔ چنانچہ حالت خراب ہے اس لیے تکلیف دی اور دل پریشان ہے اس لیے نگارشِ حال میں جلدی کی۔ تاہم مدعا کے بیان میں ابہام و اجمال ہے۔ لیکن غرض واضح اور مفصل ہے۔

قبلۂ کون و مکان خستہ نوازی میں یہ دیر؛
کعبۂ امن و امان عقدہ کشائی میں یہ ڈھیل؛

یعنی مجھ خستہ پر نوازش فرمانے میں اتنی دیر اور میری عقدہ کشائی میں اتنی ڈھیل کیوں ہے۔

(۲)

گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری
کیا کرتے تھے تم تقریر ہم خاموش رہتے تھے
بس اب بگڑے پہ کیا شرمندگی جانے دو مل جاؤ
قسم لو ہم سے گر یہ بھی کہیں کیوں ہم نہ کہتے تھے

یعنی اب کہ غیر کی بے وفائی پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے تم خود ہی اس کی وفاداری کا ذکر نہ کرو گے۔ رہا یہ کہ تم مجھ سے بگڑے ہوئے تھے اس پر شرمسار ہو اب مل جاؤ اور یہ خیال چھوڑ دو کہ ہم کچھ طعنہ دیں گے۔ ہم تو یہ بھی نہیں کہیں گے کہ ہم سمجھاتے تھے پر تم نہ مانے (التجائے ودیگر رعایات والتفات محبوب)

(۳)

کلکتہ کا جو تو نے کیا ذکر ہم نشیں
اک تیر میرے سینے پہ مارا کہ ہائے ہائے
وہ سبزہ زار ہائے مطرا کہ ہے غضب
وہ نازنیں بتان خود آرا کہ ہائے ہائے
صبر آزما وہ ان کی نگاہیں کہ حف نظر
طاقت ربا وہ ان کا اشارہ کہ ہائے ہائے

وہ میوہ ہائے تازہ و شیریں، کہ واہ وا
وہ بادہ ہائے ناب گوارا کہ ہائے ہائے

یعنی اے ہم نشین تو نے کلکتہ کو یاد دلا کر مجھے بے چین کر دیا۔ وہاں کے سبزہ زار اور وہاں کے حسین یاد آ گئے جن کی نگاہیں بے صبر کرنے والی اور جن کے اشارے بے بس کرنے والے ہیں وہاں کے تازہ اور شیریں پھل اور عمدہ شراب کی کیا بات ہے۔ یہ سب چیزیں یاد آ رہی ہیں۔

(۴)

ہے جو صاحب کے کفِ دست پہ یہ چکنی ڈلی
زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہیے
خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے
ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

یعنی ممدوح کی ہتھیلی پر جو یہ چکنی سپاری ہے اسے کیا لکھوں اور کیا کہوں۔ اگلے اشعار میں چکنی سپاری کو مختلف چیزوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

مُہرِ مکتوبِ عزیزانِ گرامی لکھیے
حرزِ بازوئے شگرفانِ خود آرا کہیے
مسی آلود سر انگشتِ حسیناں لکھیے
داغِ طرفِ جگرِ عاشقِ شیدا کہیے
خاتمِ دستِ سلیماں کے مشابہ لکھیے
سرِ پستانِ پری زاد سے مانا کہیے

اخترِ سوختۂ قیس سے نسبت دیجے
خالِ مشکینِ رخِ دلکشِ لیلیٰ کہیے
حجر الاسود دیوارِ حرم کیجے فرض
نافہ آہوئے بیابانِ ختن کا کہیے
وضع میں اس کو اگر سمجھیے قافِ تریاق
رنگ میں سبزۂ نوخیزِ مسیحا کہیے
صومعہ میں اسے ٹھہرائیے گر مہرِ نماز
میکدے میں اسے خشتِ خمِ صہبا کہیے
کیوں اسے قفلِ درِ گنجِ محبت لکھیے
کیوں اسے نقطۂ پرکارِ تمنا کہیے
کیوں اسے گوہرِ نایاب تصور کیجے
کیوں اسے مردمکِ دیدۂ عنقا کہیے
کیوں اسے تکمۂ پیراہنِ لیلیٰ لکھیے
کیوں اسے نقشِ پئے ناقۂ سلمیٰ کہیے
اپنے حضرت کے کفِ دست کو دل کیجے فرض
اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہیے

یعنی یہ سپاری ان چیزوں سے مشابہ ہے۔ حسینوں کا مسی آلودہ پور۔ جگرِ عاشق کا داغ۔ حضرت سلیمان کے ہاتھ کی انگوٹھی۔ پری کا سرِ پستان قیس کا اخترِ سوختہ۔ لیلیٰ کا خالِ مشکیں۔ دیوارِ حرم کا حجرِ اسود۔ آہوئے ختن کا نافہ۔ وضع میں لفظ تریاق کا ق۔ اور

رنگت میں سبزۂ نوخیز۔ عبادت خانہ کی مہرِ نماز اور میخانہ کی خشتِ خمِ صہبا۔ اس کے علاوہ شاعر کے ذہن میں اور بھی تشبیہات ہیں مثلاً درِ گنجِ محبت کا قفل۔ پرکارِ تمنا کا نقطہ۔ گوہرِ نایاب۔ مردمکِ دیدۂ عنقا، پیراہنِ لیلیٰ کا تکمہ اور ناقۂ سلمیٰ کا نقشِ قدم۔ لیکن کہتا ہے کہ ان تمام تشبیہات سے قطع نظر کر کے صرف یہ کیوں نہ کہا جائے کہ ممدوح کا ہاتھ ایک دل ہے اور یہ چکنی سپاری اس کا سویدا ہے۔

(۵)

نہ پوچھ اس کی حقیقت حضورِ والا نے
مجھے جو بھیجی ہے بیسن کی روغنی روٹی
نہ کھاتے گیہوں نکلتے نہ خلد سے باہر
جو کھاتے حضرتِ آدم یہ بیسنی روٹی

یعنی اس بیسنی روٹی میں وہ تمام خوبیاں ہیں جو جنت کے دانۂ گندم میں تھیں۔ البتہ اس کی خرابی (کہ جنت سے نکلنے کا باعث ہوا) اس روٹی میں نہیں ہے۔

(۶)

سہرا

خوش ہو اے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا
باندھ شہزادہ جواں بخت کے سر پہ سہرا

یعنی اس بخت کو بھاگ لگے جس نے شہزادہ جواں بخت کے سر پہ سہرا باندھا۔

کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے
ہے ترے حسن دل افروز کا زیور سہرا

یعنی اے شہزادہ جواں بخت چاند سے اس مکھڑے پر اس سہرے نے تیرے حسن کو اور بھی زیادہ کر دیا۔

سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے پر اے طرف کلاہ
مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا

لمبر: بمعنی نمبر۔ یعنی سہرا اتنا خوش نما ہے کہ کہیں گوشۂ کلاہ سے بھی نمبر لے جائے۔

ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہوں گے موتی
ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا

یعنی سہرے کو کشتی میں جو لائے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ناؤ بھر کر موتی پروئے گئے ہیں۔

سات دریا کے فراہم کیے ہوں گے موتی
تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا

یعنی اس سہرے میں ساتوں دریا کے بے شمار موتی ہیں۔

رخ پہ دولہا کے جو گرمی سے پسینہ ٹپکا
ہے رگ ابر گہر بار سراسر سہرا

یعنی پسینہ ٹپکنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سہرا موتی برسانے والے بادل کی رگ ہے۔

یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے
رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا

یعنی بخیالِ ادب حامن سے زیادہ نہیں بڑھا ورنہ اس کی بالیدگی کا کیا ٹھکانا ہے

جی میں اترائیں نہ موتی کہ ہمیں ہیں اک چیز
چاہیئے پھولوں کا بھی ایک مقرر سہرا

یعنی اگر پھول کا سہرا نہ ہوتا تو موتی غرور کرتے کہ ہمارے برابر کوئی دوسری چیز ہے ہی نہیں۔

جبکہ اپنے میں سماویں نہ خوشی کے مارے
گوندھے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا

یعنی پھول اپنے آپ میں خوشی سے نہیں سماتے اس لیے ان کا گوندھنا مشکل ہو رہا ہے۔

رُخِ روشن کی دمک گوہرِ غلطاں کی چمک
کیوں نہ دکھلائے فروغِ مہ و اختر سہرا

یعنی چہرے کے سامنے موتی ایسے ہیں جیسے چاند کے پاس ستارے۔

تار ریشم کا نہیں، ہے یہ رگِ ابرِ بہار
لائے کیا تابِ گرانباریِ گوہر سہرا

یعنی سہرے کے تار ابرِ بہار کی رگ ہیں گویا اس قدر موتی ہیں کہ سہرے کو موتیوں کے بوجھ کا سنبھالنا مشکل ہو رہا ہے۔

ہم سخن فہم ہیں، غالب کے طرفدار نہیں
دیکھیں کہدے کوئی اس سہرے سے بہتر سہرا

یعنی غالب کی طرفداری کے خیال سے نہیں بلکہ سخن فہمی کی بنا پر ہمارا دعوے ہے

کہ اس سے بہتر سہرا کوئی نہیں کہہ سکتا۔

مشہور ہے کہ اس شاعرانہ تعلّی کے پیشِ نظر ذوق نے اس زمین میں ایک پُر بہار سہرا فی البدیہہ کہا تھا اور اس کے مقطع میں غالب کی اس تعلّی پر چوٹ کی گئی تھی جس سے استاذِ شاہ اور نتیجۃً خود بادشاہ کی برہمیِ مزاج کا اندیشہ تھا اس لیے غالب کو یہ قطعہ مشتمل بر معذرت لکھنا پڑا۔

(۷)

معذرت

منظور ہے گزارشِ احوالِ واقعی
اپنا بیانِ حسنِ طبیعت نہیں مجھے

یعنی مجھے اپنا گزارشِ احوال منظور ہے حسنِ طبیعت کا بیان کرنا مقصود نہیں۔

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری
کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

یعنی میری عزت کا سرمایہ خاندانی سپہ گری ہے شاعری نہیں۔

آزادہ رو ہوں اور مرا مسلک ہے صلحِ کل
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

یعنی میرا طریقِ کار یہ ہے کہ سب سے بنا کر رکھوں مجھے کسی سے عداوت نہیں ہے۔

کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں
مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے

یعنی ہر چند کہ جاہ و مال سے بے نصیب ہوں لیکن غلامیٔ شاہ ظفر کا فخر سب پر فائق ہے۔

استادِ شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال
یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے

یعنی مجھ میں اتنی تاب نہیں کہ استادِ شاہ سے بگاڑوں۔

جامِ جہاں نما ہے شہنشاہ کا ضمیر
سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے

یعنی بہادر شاہ کا دل خود جانتا ہے۔ قسم یا گواہ کی حاجت نہیں۔

میں کون اور ریختہ ہاں اس سے مدّعا
جز انبساطِ خاطرِ حضرت نہیں مجھے

یعنی ریختہ گوئی سے مجھے کہ ایرانی نژاد ہوں کیا نسبت۔ میں نے جو اشعار ریختہ میں کہے اس کی غرض صرف بہادر شاہ کی خوشنودیٔ مزاج ہے۔

سہرا لکھا گیا ز رہِ امتثالِ امر
دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے

یعنی بادشاہ کا حکم تھا اس لیے سہرا لکھا کہ تعمیل کے سوا چارہ نہ تھا۔

مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات
مقصود اس سے قطعِ محبت نہیں مجھے

یعنی مقطع میں تعلّی کی ایک ایسی بات کہہ دی جو شاعر کہہ دیا کرتے ہیں۔ یہ تھوڑا ہی چاہتا تھا کہ محبت میں فرق آئے۔

مدعائے سخن کسی کی طرف ہو تو رو سیاہ
سودا نہیں، جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے

یعنی میں کوئی پاگل تھا کہ اس میں کسی کی طرف اشارہ کرتا۔

قسمت بری سہی پہ طبیعت بری نہیں
ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

یعنی گو قسمت بری ہے لیکن طبیعت بری نہیں کہ کسی پر طعنہ کروں۔ میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ میری طبیعت میں کسی کی برائی نہیں ہے۔ (المختصر)

صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

یعنی یہ جو کچھ میں نے کہا سچ کہا، جھوٹ نہیں ہے نہ جھوٹ کی عادت ہے۔

(۸)

نصرت الملک بہادر مجھے بتلا کہ مجھے
تجھ سے جو اتنی ارادت ہے تو کس بات سے ہے
گرچہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے
رونق بزم مہ و مہر تری ذات سے ہے
اور میں وہ ہوں کہ اگر جی میں کبھی غور کروں
غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے

یعنی اے نصرت الملک بہادر مجھے تیرے ساتھ اس درجہ عقیدت کیوں ہے تیری تو یہ حالت ہے کہ ماہ و مہر تیرے ہنگامۂ محفل کی رونق بننے کو تیار ہیں اور میرا یہ حال

ہے کہ مجھے خود سے بھی نفرت ہے۔ تیری محفل کے قابل کہاں ہوں۔ لیکن

خستگی کا ہو بھلا جس کے سبب سے سرِ دست
نسبت اک گونہ مرے دل کو تری بات سے ہے

یعنی میرا دل خستہ ہے اور تو اپنے دستِ کرم سے اس کا مداوا کرتا ہے پس اس خستگی کا بھلا ہو کہ اس طرح میرے دل کو تیرے ہاتھوں سے ایک نسبت ہو گئی۔

ہاتھ میں تیرے رہے توسنِ دولت کی عناں
یہ دعا شام و سحر قاضیِ حاجات سے ہے

یعنی رات دن دعا کرتا ہوں کہ تیرا اقبال بلند رہے۔

تو سکندر ہے مرا فخر ہے ملنا تیرا
گو شرف خضر کی بھی مجھ کو ملاقات سے ہے

یعنی تو سکندر ہے تجھ سے ملنا باعثِ فخر جانتا ہوں اگرچہ ملاقاتِ خضر کا بھی مجھے شرف حاصل ہے۔ (شاید خضر سے کنایہ ہو پیر شاہ خضر سلطان سے یا خود بادشاہ سے)

اس پہ گزرے نہ گماں ریو و ریا کا زنہار
غالبِ خاک نشیں اہلِ خرابات سے ہے

یعنی غالب اندیشۂ ریا سے بچنے کے لیے صاف کہتا ہے کہ خراباتی ہے۔

(۹)

قطعۂ آخری چہار شنبہ

ہے چار شنبہ آخرِ ماہِ صفر چلو
رکھ دیں چمن میں بھر کے مے مشکبو کی ناند

جو آئے جام بھر کے پیئے اور ہو کے مست
سبزے کو روندتا پھرے پھولوں کو جائے پھاند
بٹتے ہیں سونے روپے کے چھلّے حضور میں
ہے جن کے آگے سیم و زر مہر و ماہ ماند
یوں سمجھیے کہ بیچ سے خالی کیے ہوئے
لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور بے شمار چاند
غالب یہ کیا بیاں ہے بجز مدحِ بادشاہ
بھاتی نہیں ہے اب مجھے کوئی نوشت و خواند

یہ نظم آخری چہار شنبہ کی تقریب سے متعلق ہے۔ عہدِ شاہی میں ماہِ صفر کے آخری چہار شنبہ کے روز مصاحبین کے ساتھ بہادر شاہ سیرِ باغ کو جاتے اور سبزہ کو روندتے تھے اور سونے چاندی کے چھلّے حاضرین میں تقسیم کیے جاتے۔ اشعارِ بالا میں انھیں باتوں کا مذکور ہے۔

(۱۰)

در مدحِ بادشاہ

اے شاہِ جہانگیر جہاں بخش جہاں دار
ہے غیب سے ہر دم تجھے صد گونہ بشارت
جو عقدۂ دشوار کہ کوشش سے نہ وا ہو
تو وا کرے اس عقدے کو وہ بھی باشارت

ممکن ہے کہ لائے خضر سکندر سے ترا ذکر؟
اگر لب کو نہ دے چشمۂ حیواں سے طہارت

یعنی اے بادشاہ! تو غیب سے فیضیاب ہے اس لیے ہر عقدۂ مشکل کو اشارہ میں وا کر دیتا ہے۔ تیری ذات ایسی محترم ہے کہ حضرت خضر جب تک پہلے آبِ حیات سے منہ کو صاف نہ کر لیں تیرا ذکر سکندر کے سامنے نہیں کر سکتے۔

آصف کو سلیماں کی وزارت سے شرف تھا
ہے فخرِ سلیماں جو کرے تیری وزارت

یعنی آصف جس طرح سلیمان کی وزارت پر فخر کرتے تھے اسی طرح اگر سلیمان علیہ السلام کو تیری وزارت مِل جائے تو وہ اس پر فخر کریں۔

ہے نقشِ مریدی ترا فرمانِ الٰہی
ہے داغِ غلامی ترا توقیعِ امارت

یعنی جو تیرا عقیدت مند ہو وہ گویا فرمانِ الٰہی سے مشرف ہوا اور جو تیرا غلام بنا وہ گویا سرداری کا حکمنامہ پا گیا۔

تو آب سے گر سلب کرے طاقتِ سیلاں
تو آگ سے گر دفع کرے تابِ شرارت
ڈھونڈے نہ ملے موجۂ دریا میں روانی
باقی نہ رہے آتشِ سوزاں میں حرارت

شرارت یعنی شرارہ   یعنی تجھ کو آب و آتش پر تصرف حاصل ہے۔

ہے گرچہ مجھے نکتہ سرائی میں توغل
ہے گرچہ مجھے سحر طرازی میں مہارت
کیوں کر نہ کروں مدح کو میں ختم دعا پر
قاصر ہے حکایت میں تری، میری عبارت

توغل: بمعنی مشق و مہارت۔ یعنی اگرچہ نکتہ سرائی و سحر طرازی میں بڑی مہارت رکھتا ہوں تاہم تیری صفت کے بیان سے قاصر ہوں ناچار کیا کر سکتا ہوں سوا اس کے کہ مدح کو دعا پر ختم کر دوں۔

نوروز ہے آج اور وہ دن ہے کہ ہوئے ہیں
نظارگیِ صنعتِ حق اہلِ بصارت
تجھ کو شرفِ مہرِ جہاں تاب مبارک
غالب کو ترے عتبۂ عالی کی زیارت

شرف: بمعنی آفتاب کا برج حمل میں ہونا۔ عتبہ: بمعنی آستانہ۔ یعنی آج نوروز کا دن ہے اور لوگ قدرت کے نظاروں میں مصروف ہیں۔ میری دعا ہے کہ تیرے لیے سورج کا برج حمل میں جانا (کہ موسم بہار کا آغاز ہے) اور غالب کو تیرے آستانہ کی زیارت کرنا مبارک ہو۔

(۱۱)

گزارشِ مصنف بحضورِ بادشاہ

اے شہنشاہِ آسماں اورنگ
اے جہاندارِ آفتاب آثار

تھا میں اک بینوائے گوشہ نشیں
تھا میں اک دردمندِ سینہ فگار
تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی
ہوئی میری وہ گرمیِ بازار
کہ ہوا مجھ سا ذرۂ ناچیز
روشناسِ ثوابت و سیار
گرچہ از روئے ننگِ بے ہنری
ہوں خود اپنی نظر میں اتنا خوار
کہ گر اپنے کو میں کہوں خاکی
جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار
شاد ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں
بادشاہ کا غلامِ کارگزار
خانہ زاد اور مرید اور مداح
تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار
بارے نوکر بھی ہو گیا صد شکر
نسبتیں ہو گئیں مشخص چار
نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں
مدعائے ضروری الاظہار

مختصر مضمون اشعار بالا کا یہ ہے کہ اے بادشاہ! میں ایک بے سروسامان دکھ بھرا

آدمی تھا۔ یہ تیری ہی عزت بخشی تھی کہ مجھ ذرۂ بے حقیقت کو ستاروں سے روشناسی ہوئی یعنی ستاروں کی طرح روشن ہوا یا یہ کہ ستارہ شناسی حاصل ہوئی۔ اگرچہ مجھ میں کوئی ہنر نہیں یہاں تک کہ خود اپنی نگاہوں میں اس قدر حقیر ہوں کہ اگر خود کو خاکی کہوں تو خاک کو بھی مجھ سے شرم آئے۔ پھر بھی اس بات پر شاداں ہوں کہ بادشاہ کا غلام ہوں اور خدمت گزار ہوں۔ یوں تو شاہ کا خانہ پروردہ، معتقد اور ثنا گر پہلے سے تھا اب شکر ہے کہ نوکر بھی ہو گیا اس طرح بادشاہ سے چار امتیازی نسبتیں ہو گئیں۔ اب اپنا مقصد و مدعا آپ سے نہ کہوں تو کس سے کہوں۔ کہ

پیر و مرشد اگرچہ مجھ کو نہیں
ذوقِ آرائشِ سر و دستار
کچھ تو جاڑے میں چاہیئے آخر
تا نہ دے بادِ زمہریر آزار
کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش
جسم رکھتا ہوں ہے اگرچہ نزار
کچھ خریدا نہیں ہے اب کے سال
کچھ بنایا نہیں ہے اب کی بار
رات کو آگ اور دن کو دھوپ
بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار
آگ تاپے کہاں تلک انساں
دھوپ کھائے کہاں تلک جاندار

دھوپ کی تابش آگ کی گرمی

وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّار

یعنی میں زیب و زینتِ لباس کا شائق نہیں ہوں۔ تاہم سردی سے بچنے کے لیے کچھ کپڑا تو ہونا ہی چاہیئے کہ بادِ زمہریر و سرد ہوائیں نہ ستائیں۔ لباس تو جیسے ہی ہو بھلا ہے خواہ جسم کتنا ہی کمزور ہو۔ اس سال نہ کچھ خریدا نہ بنایا۔ رات کو آگ سینکنا اور دن کو دھوپ کھانا رہ گیا۔ ایسی رات اور ایسا دن بھاڑ میں جائے۔ کہاں تک آگ سینکوں اور کہاں تک دھوپ کھاؤں۔ میری قسمت میں کپڑے کی بجائے دھوپ کی تپش اور آگ کی گرمی رہ گئی ہے۔ یہی مصیبت نہیں سہی جاتی۔ خدایا عذابِ جہنم سے بچائیو۔ علاوہ اس کے۔

میری تنخواہ جو مقرر ہے
اس کے ملنے کا ہے عجب ہنجار
رسم ہے مردے کی چھ ماہی ایک
خلق کا ہے اس چلن پہ مدار
مجھ کو دیکھو تو ہوں بقیدِ حیات
اور چھ ماہی ہو سال میں دو بار
بسکہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض
اور رہتی ہے سود کی تکرار
میری تنخواہ میں تہائی کا
ہو گیا ہے شریک ساہو کار

یعنی میری تنخواہ عجیب طرح سے ملتی ہے۔ مردے کی چھ ماہی ایک بار ہوتی ہے لیکن میں زندہ ہوں اور سال میں دو بار چھ ماہی ہوتی ہے۔ یعنی چھ ماہ کے بعد تنخواہ ملتی ہے۔ مجھے ہر مہینے قرض لینا اور سود بار بار ادا کرنا پڑتا ہے۔ میری تہائی تنخواہ ساہوکار لے لیتا ہے۔ حالانکہ

آج مجھ سا نہیں زمانے میں
شاعر نغز گوئے و خوش گفتار
رزم کی داستاں اگر سنیے
ہے زباں میری تیغ جوہر دار
بزم کا التزام اگر کیجیے
ہے قلم میرا ابر گوہر بار
ظلم ہے گر نہ دو سخن کی داد
قہر ہے گر کرو نہ مجھ کو پیار
آپ کا بندہ اور پھروں ننگا!
آپ کا نوکر اور کھاؤں ادھار!
میری تنخواہ کیجیے ماہ بہ ماہ
تا نہ ہو مجھکو زندگی دشوار
ختم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام
شاعری سے نہیں مجھے سروکار
تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

شاعری میں میرا کوئی نظیر نہیں۔ بزم اور رزم دونوں مضامین پر قدرت رکھتا ہوں۔ اگر میرے سخن کی داد نہ ملے اور مجھے پسند نہ کیا جائے تو یہ بڑا ظلم ہوگا۔ آپ کا بندہ ہو کر ننگا پھروں اور آپ کا ملازم ہو کر اُدھار کھاؤں تو کیسے غضب کی بات ہے۔ لہٰذا عرض ہے کہ میری تنخواہ ماہ بہ ماہ ملنے کا حکم دیجیے کہ اس طرح زندگی دشوار ہو رہی ہے۔ اب شاعری بس کرتا ہوں اور دعا پر ختم کرتا ہوں کہ ایسے ہزار برس زندہ رہو جن میں ہر سال پچاس ہزار دنوں کا ہو۔

(۱۲)

سیہ گلیم ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے
جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے
ہوا نہ غلبہ میسر کبھی کسی پہ مجھے
کہ جو شریک ہو میرا شریکِ غالب ہے

سیہ گلیم: بدبخت۔ شریکِ غالب۔ وہ شخص جو کسی زبردست کے ساتھ شریک کار ہو۔ ایسے کہ ہمیشہ ہی گھاٹا رہے گا۔ یعنی فتح اور غلبہ کے خواہشمند کو چاہیے کہ میرا نام نہ لے یہ اس کے لیے بدنامی کا موجب ہوگا۔ کیونکہ میں ایسا شخص ہوں کہ ہمیشہ مغلوب رہا۔ اگر کوئی میرا ساتھی بنتا تو اس کی حیثیت بھی ایسی ہوگی جیسی اس کی جو کسی بیکس کا شریک ہو کر ہمیشہ گھاٹے میں رہے۔

(۱۳)

سہل تھا مسہل ولے یہ سخت مشکل آ پڑی
مجھ پہ کیا گزرے گی اتنے روز حاضر بن ہوئے

تین دن مُسہل سے پہلے تین دن مُسہل کے بعد
تین مُسہل تین تبریدیں یہ کتنے دن ہوئے

ازروئے طب مسہل کا قاعدہ ہے کہ مُسہل لینے سے تین دن پہلے ایسی دوا دی جاتی ہے جو مادہ کو پکا دے اُسے مُنضج کہتے ہیں۔ پھر دست آور دوا دی جاتی ہے جسے مُسہل کہتے ہیں۔ مُسہل کے بعد ٹھنڈی دوا دیتے ہیں جسے تبرید کہا جاتا ہے۔ ہر مُسہل کے ساتھ تبرید ہوتا ہے۔ یہ قطعہ ایک درخواست رخصت ہے۔ یعنی مُسہل لینے میں شکل یہ ہے کہ اتنے دن مجھے شاہی دربار سے غیر حاضر رہنا پڑے گا۔ پہلے تین دن مُنضج کے لیے پھر تین مُسہل اور تین تبرید کے اور تین دن آرام کے۔ اس طرح ۱۲ یوم ہو گئے۔

(۱۴)

خجستہ انجمن طوئے میرزا جعفر
کہ جس کے دیکھے سے سب کا ہوا ہے جی محظوظ
ہوئی ہے ایسے ہی فرخندہ سال میں غالب
نہ کیوں ہو مادہ سالِ عیسوی محظوظ
۱۸۵۴

انجمن طوئے: جلسۂ شادی۔ یعنی مرزا جعفر کے جلسۂ شادی کو دیکھ کر سب کا دل محظوظ ہوا۔ چونکہ یہ تقریب ایسے مسرت بخش سال میں ہوئی ہے اس لیے تاریخ سال عیسوی کا مادہ ہی محظوظ ہو گیا۔ ۱۸۵۴

(۱۵)

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی
ہوا بزمِ طرب میں رقصِ ناہید

کہا غالب سے تاریخ اس کی کیا ہے
تو بولا۔ انشراحِ جشنِ جمشید
۱۲۷۰

ناہید: بمعنی زہرہ۔ یعنی مادہ انشراح جشن جمشید سے میرزا جعفر کی شادی کی تاریخ نکلتی ہے۔

(۱۶)

گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں
دربار دار لوگ بہم آشنا نہیں
کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں کرتے ہوئے سلام
اس سے ہے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں

کہا جاتا ہے کہ اہلِ دربار کا دستور تھا کہ باہم سلام کرتے وقت کان پر ہاتھ رکھتے تھے۔ معنی قطعہ یہ ہیں کہ اگرچہ تمام اہلِ دربار خواجہ تاش ہیں اور ایک دوسرے سے واقف ہیں لیکن پھر بھی سلام کا طریقہ ان کا ظاہر کرتا ہے کہ گویا کان پر ہاتھ دھر کر وہ بتاتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے سے ناآشنا ہیں۔ کیونکہ کان پہ یا کانوں پر ہاتھ دھرنا اہلِ زبان کے محاورہ میں اظہارِ بے تعلقی کے معنوں میں آتا ہے۔

رباعیات

(۱)

بعد از اتمامِ بزمِ عیدِ اطفال
ایامِ جوانی رہے ساغر کشِ حال

آ پہنچے ہیں تا سوادِ اقلیمِ عدم
اے عمرِ گزشتہ یک قدم استقبال

حال: بمعنی مستی و کیفیت۔ یعنی بچوں کی عید کا میلا ختم ہو گیا تو عہدِ جوانی نے کیفیت و مستی کی حالت اختیار کی۔ اس کے بعد اب ملکِ فنا کی سرحدوں پر پہنچ گئے ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ پچھلی عمر پیشوائی کو آئے کہ ایک جھلک پھر اس کی دیکھ پاؤں (حسرتِ ایامِ فانی)

(۲)

شبِ زلف و رُخِ عرق فشاں کا غم تھا
کیا شرح کروں کہ طرفہ تر عالم تھا
رویا میں ہزار آنکھ سے صبح تلک
ہر قطرۂ اشک دیدۂ پُرنم تھا

یعنی رات بھر زلف اور عرق آلود چہرے کے خیال میں عجیب حالت تھی۔ چنانچہ اس خیال میں ہزاروں آنکھ سے صبح تک روتا رہا یہاں تک کہ خیالِ زلف و رُخ سے میرے قطرہ ہائے اشک بھی متاثر ہوئے اور آنکھ کی مانند سیاہ و سرخ ہو گئے (کیفیتِ عشقِ محبوب)

(۳)

دل تھا کہ جو جانِ دردِ تمہید سہی
بے تابیٔ رشک و حسرتِ دید سہی
ہم اور فسردن اے تجلی افسوس
تکرار روا نہیں تو تجدید سہی

دل: بمعنی حوصلہ۔ جانِ درد تمہید: بمعنی درد بھری زندگی۔ یعنی ہم جیسے

ہی صاحب حوصلہ تھے کہ ہم نے اپنی پُر از غمِ عشق زندگی کو جھیل لیا ہے۔ بیقراری میں آنسو بہائے اور تمنائے دیدار کی سختیاں جھیلیں۔ اے جلوہ یار بڑے افسوس کی بات ہوگی اگر دل بجھ کر رہ جائے۔ لہٰذا خواہش ہے کہ ایک بار پھر وہی جلوہ دیکھیں اگر دوبارہ وہی جلوہ نظر آنا ممکن نہ ہو تو از سرِ نو نیا جلوہ سہی۔ (التجائے دیدار)

(۴)

آتش بازی ہے جیسے شغلِ اطفال
ہے سوزِ جگر کا بھی اسی طور سے حال
تھا موجدِ عشق بھی قیامت کوئی
بچوں کے لیئے گیا ہے کیا کھیل نکال

یعنی جس طرح لڑکے آتشبازی میں مشغول ہو جاتے ہیں اسی طرح عشاق کو بھی سوزِ جگر (دردِ عشق) میں مزہ آتا ہے جس نے عاشقی ایجاد کی ہے وہ بہت ہی غضب کا آدمی تھا کہ اپنے بچوں (پروردگانِ عشق) کے لیے ایسا دلچسپ کھیل نکال گیا کہ اس میں کچھ اس طرح مصروف ہوتے ہیں کہ کوئی اور کام یاد ہی نہیں رہتا (ابتلائے اہلِ عشق)

(۵)

ہے خلق حسد قماش، لڑنے کے لیے
وحشت کدۂ تلاش، لڑنے کے لیے
یعنی ہر بار صورتِ کاغذِ باد
ملتے ہیں یہ بد معاش لڑنے کے لیے

حسد قماش: بمعنی حاسد۔ وحشت کدۂ تلاش: بمعنی عالمِ جد و جہد یا دنیا۔

کاغذ باد، بمعنی پتنگ۔ بدمعاش، بمعنی بدکردار۔ یعنی اہلِ دنیا جو حسد میں مبتلا ہیں لڑائی بھڑائی میں مصروف رہتے ہیں۔ گویا یہ عالم جدوجہد ہے ہی لڑنے کے لیے۔ یہ بدکردار دنیا والے ملتے ہیں تو پتنگ کی طرح کہ ایک دوسرے کو کاٹنے کی فکر میں رہتا ہے۔ (فسادِ مذاقِ اہلِ دنیا)

(۶)

دل سخت نژند ہو گیا ہے گویا
اس سے گلہ مند ہو گیا ہے گویا
پر یار کے آگے بول سکتے ہی نہیں
غالب منہ بند ہو گیا ہے گویا

گویا: بمعنی بظاہر۔ نژند: بمعنی بدحال و غمناک۔ یعنی دل کی حالت یہ ہے کہ سخت بدحال ہے اور محبوب سے اس کو سخت شکایت ہے۔ لیکن اس کے آگے کچھ نہیں بول سکتا گویا منہ بند ہے۔ (دردمندی و بے چارگیِ دلِ عاشق)

(۷)

دکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالب
دل رک رک کے بند ہو گیا ہے غالب
واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں
سونا سوگند ہو گیا ہے غالب

یعنی دکھ کچھ ایسا مرغوبِ خاطر ہے کہ دور ہی نہیں ہوتا اور انقباضِ خاطر اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ اب کھلتا ہی نہیں۔ ایسی حالت میں رات بھر نیند نہیں آتی سونا تو ختم

ہوگیا ۔ (بیان غم حالِ عاشق)

اس رُباعی کا دوسرا مصرعہ ساقط الوزن معلوم ہوتا ہے ۔ اگر رُک کر پڑھا جائے تب غالباً درست ہوگا ۔

(۸)

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل
سُن سُن کے اسے سخنورانِ کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش
گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

یعنی چونکہ میرے اشعار مشکل ہیں اس لیے اہلِ سخن کہتے ہیں کہ آسان کہوں اب اس پر کچھ کہوں کہ صاحب میرا کلام مشکل نہیں تمھاری فہم کا قصور ہے ۔ تب بھی مشکل ہے اور کچھ نہ کہوں تب بھی مشکل ہے کہ گویا تسلیم کرتا ہوں کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں صحیح ہے مجھے ان کی سمجھ کے مطابق شعر کہنا چاہیئے ۔ حالانکہ یہ میری طبیعت کے خلاف ہے) (مشکل پسندیٔ غالب و کم سوادیٔ اہلِ زمانہ)

(۹)

بھیجی ہے جو مجھ کو شاہ جمجاہ نے دال
ہے لطف و عنایاتِ شہنشاہ پہ دال
یہ شاہ پسند دال بے بحث و جدال
ہے دولت و دین و دانش و داد کی دال

یعنی بادشاہ کا تحفہ کے طور پر دال بھیجنا اس کی مہربانی کا ثبوت ہے ۔ یہ دال

جو بادشاہ کو پسند ہے تو گویا صرف بادشاہ کی پسندیدہ دال نہیں بلکہ دولت و دین و دانش و داد کی دال یعنی حرفِ آغاز ہے۔ کیونکہ بادشاہ ان سب کا مجموعہ ہے (تشکریۂ خاصۂ سلطانی)

(۱۰)

ہیں شاہ میں صفاتِ ذوالجلالی باہم
آثارِ جلالی و جمالی باہم
ہوں شاد نہ کیوں سافل و عالی باہم
ہے اب کے شبِ قدر و دوالی باہم

یعنی بادشاہ کی دوہری شان ہے۔ صاحبِ جمال بھی ہے اور صاحبِ جلال بھی۔ آج ادنیٰ و اعلیٰ سب خوش ہیں کیونکہ شبِ قدر اور دوالی ایک ساتھ آئی ہیں (تہنیت)

(۱۱)

مدح و تہنیت

حق شہ کی بقا سے خلق کو شاد کرے
تا شاہ، شیوعِ دانش و داد کرے
یہ دی جو گئی ہے رشتۂ عمر میں گانٹھ
ہے صفر کہ افزائشِ اعداد کرے

یعنی دعا ہے کہ بادشاہ کی زندگی دراز ہو تاکہ دنیا میں علم اور عدل پھیلے۔ شہد عمر کے دھاگے میں جو گرہ لگی ہے یہ گرہ صفر کا کام کرے تاکہ عمر کی گنتی زیادہ ہو۔ کسی عدد پر صفر لگانے سے عدد دس گنا زیادہ ہو جاتا ہے (تہنیتِ سالگرہ بادشاہ)

(۱۲)

اس رشتہ میں لاکھ تار ہوں بلکہ سوا
اتنے ہی برس شمار ہوں بلکہ سوا
ہر سیکڑے کو ایک گرہ فرض کریں
ایسی گرہیں ہزار ہوں بلکہ سوا

یعنی دعا ہے کہ رشتۂ عمر میں لاکھ تار سے زیادہ ہوں اور عمر کے سالوں میں اتنی ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ افزونی ہو اور اتنی زیادہ کہ سو گرہوں کی ایک گرہ فرض کی جائے اور پھر سو سو گرہوں والی ایک ہزار گرہیں عمر کی لگیں بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو۔

(دعائے ترقیٔ عمر و تہنیتِ سالگرہِ بادشاہ)

(۱۳)

کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزار نہیں
عشاق کی پرسش سے اسے عار نہیں
جو ہاتھ کہ ظلم سے اٹھایا ہو گا
کیونکر مانوں کہ اس میں تلوار نہیں

ظلم سے ہاتھ اٹھانا کے دو معنی ہیں ایک تو ظلم سے دست بردار ہونا اور دوسرے بارادۂ ظلم ہاتھ اٹھانا۔ معنی یہ ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ معشوق نے مردم آزاری ترک کی اور ظلم سے ہاتھ اٹھایا۔ بظاہر ظلم سے دست برداری سمجھ لو لیکن اس نے جو ہاتھ اٹھایا ہے یہ یقیناً ہاتھ سے تلوار اٹھائی ہے۔ غرض یہ کہ اس کے ترکِ ستم کا یقین نہیں ہے۔

(ستمگریٔ معشوق)

(۱۴)

ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے
کرتے ہیں درنگ کام کرنے والے
کہتے ہیں کہیں خدا سے اللہ اللہ
وہ آپ ہیں صبح و شام کرنے والے

سلام کرنا: یعنی حاضری دینا، خوشامد کرنا۔ صبح و شام کرنے والا کے دو معنی ہیں۔ ایک تو ٹال مٹول کرنے والا اور دوسرا صبح و شام بنانے والا (خدا) یعنی سرکار دربار والوں کی کتنی ہی حاضری دیں اور خوشامد کریں وہ کام کرنے میں دیر کرتے ہیں مجبور ہو کر ارادہ کرتے ہیں کہ اپنے خدا سے مانگیں لیکن اللہ میاں بھی صبح و شام کرنے والے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بجزِ طلب کچھ نہیں ملتا جب تک کہ ملنے کا وقت بھی نہ آجائے۔ (شکوۂ تاخیرِ حصولِ مرام)

(۱۵)

سامانِ خور و خواب کہاں سے لاؤں؟
آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں؟
روزہ مرا ایمان ہے غالب لیکن
خس خانہ و برف آب کہاں سے لاؤں؟

یعنی نہ کھانے پینے کا سامان میسر نہ آرام کے اسباب موجود۔ اب روزہ رکھوں تو کیوں کر۔ (عذرِ معصیت)